علمی و تحقیقی مجلّہ

معارفِ اسلامی

ISSN:1992-8556

جلد: ۱۶ شمارہ: ۲

جولائی ۲۰۱۷ء تا دسمبر ۲۰۱۷ء

سرپرست اعلیٰ

شاہد صدیقی

وائس چانسلر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

سرپرست

محی الدین ہاشمی

ڈین، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

مدیر

عبدالحمید خان عباسی

چیئرمین، شعبہ قرآن و تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

نائب مدیران

محمد سجاد

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ فکر اسلامی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

محمد رفیق صادق

لیکچرار، شعبہ حدیث وسیرت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ظفر اقبال

لیکچرار، شعبہ قرآن و تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

طاہرہ افراق

لیکچرار، شعبہ شریعہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

مجلّہ معارف اسلامی میں مقالہ کی اشاعت سے متعلق اُصول

مجلّہ معارفِ اسلامی میں مقالہ نگار حضرات درج ذیل اُصول وضوابط کو پیش نظر رکھیں:

- ✓ مقالہ میں اصالت اور گہرائی پر مبنی تحقیق ہو اور موجودہ علم میں اضافے پر مبنی ہو۔
- ✓ مقالہ A4 صفحے کے ایک طرف کمپوز شدہ اور اغلاط سے پاک ہونا چاہیے۔
- ✓ مقالہ کی ضخامت 20 صفحات سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔
- ✓ مقالہ نگار اپنے مقالہ کی ہارڈ کاپی اور سافٹ کاپی بھی فراہم کرے (www.*mei.aiou.edu.pk*)
- ✓ مقالہ کا عنوان اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں شامل ہو۔
- ✓ مقالہ کسی اور جگہ شائع شدہ یا کسی اور جگہ اشاعت کے لیے نہ دیا گیا ہو۔
- ✓ مقالہ نگار اپنے مقالہ کا انگریزی میں ملخص Abstract جو کہ ایک صفحے سے زیادہ نہ ہو لازمی طور پر فراہم کرے۔
- ✓ مقالہ تجزیہ کے لیے منظور شدہ ماہرین میں سے دو ماہرین کے پاس بھیجا جائے گا۔
- ✓ ماہرین سے ایک مہینے کے اندر اندر مقالہ کی جانچ پڑتال کی درخواست کی جائے گی۔
- ✓ مدیر مقالہ نگاروں کو تجزیہ نگاروں کی رائے سے آگاہ کرے گا۔ اگر کسی مقالہ میں تبدیلی ہو گی تو اس کے لیے مقالہ نگار سے درخواست کی جائے گی۔
- ✓ مقالہ کے حواشی و حوالہ جات اصولِ تحقیق کے مطابق ہوں، نیز حوالہ جات مقالہ کے آخر میں دیئے ہوں۔
- ✓ مقالہ نگار کو شائع شدہ مجلّہ کی 2 کاپیاں فراہم کی جائیں گی۔
- ✓ مقالہ کے حوالہ جات کے لیے درج ذیل فارمیٹ اختیار کیا جائے۔
- ✓ **قرآن کریم کی آیات کے حوالہ کے لیے:** البقرہ ۲: ۱۲۲۔ **حدیث کے حوالہ کے لیے:** محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الذبائح والصید، باب أکل کل ذی ناب من السباع (ریاض: دارالسلام ۱۴۱۷ھ)، حدیث: ۵۵۳۰۔ **کتب فقہ و دیگر کتب کے لیے:** ابو بکر محمد بن احمد السرخسی، اُصول السرخسی، (بیروت: دار المعرفۃ، ۱۹۹۷ء)، ۱: ۳۵۰۔

ضروری نوٹ: مجلّہ معارف اسلامی، اسلامی حدود کے اندر آزادی اظہار کا حامی ہے۔ اس مجلّہ میں کسی مضمون کی اشاعت کا یہ مطلب نہیں کہ ادارہ ان افکار و خیالات سے لازماً متفق ہے جو اس میں پیش کئے گئے ہیں۔

قیمت فی شمارہ -/100 روپے　　　سالانہ بدل اشتراک -/350 روپے

پتہ برائے رابطہ: مدیر مجلّہ "معارف اسلامی" شعبہ قرآن و تفسیر، کلیہ عربی وعلومِ اسلامیہ
بلاک نمبر 12، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، H/8، اسلام آباد

فون نمبر: 051-9057870　　　ای میل: maarifeislami@aiou.edu.pk

کمپوزنگ وڈیزائننگ: **عرفان قیصر، محمد یوسف**

طباعت: ....　　ناشر: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، H/8، اسلام آباد

مجلس ادارت

قومی	بین الاقوامی
قبلہ ایاز، چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد	**عطاء اللہ صدیقی**، انسٹیوٹ آف ہائر ایجوکیشن اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر، یو۔ کے
علی اصغر چشتی، پروفیسر/ چیئرمین شعبہ حدیث وسیرت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد	**عز الدین بن زغیبہ**، صدر شعبہ علوم اسلامیہ دراسات و اشاعت واُمور خارجہ، جمعۃ الماجد، دبئ
معراج الاسلام ضیاء، صدر شعبہ علوم اسلامیہ ودراسات علوم شرقیہ، پشاور یونیورسٹی، پشاور	**اشرف عبدالرافع**، رسائل النور فاؤنڈیشن، الازہر یونیورسٹی، قاہرہ ، مصر
محمد ضیاء الحق، ڈائریکٹر جنرل ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد	**محمد صالح سکری**، دائریکٹر سینٹر آف اسلامک ڈویلپمنٹ اینڈ مینجمنٹ (ISDEV) یونیورسٹی آف سائنس، ملائیشیا
نور احمد شاہتاز، ممبر اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد	**سعود عالم قاسمی**، سنی دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، انڈیا
فضل اللہ، پروفیسر، شعبہ عربی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد	**نور محمد عثمانی**، شعبہ قرآن و سنت ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ، ملائیشیا
غلام یوسف، پروفیسر/ چیئرمین شعبہ شریعہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد	**خالد محمود شیخ**، کنسلٹنٹ اقراء انٹرنیشنل ایجوکیشن، امریکہ
اذکیا ہاشمی، چیئرمین شعبہ اسلامیات وعلوم دینیہ، جامعہ ہری پور	**مستنصر میر**، پروفیسر شعبہ فلسفہ و مذہبی مطالعات، ینگسٹاؤن سٹیٹ یونیورسٹی، ینگسٹاؤن، امریکہ
شاہ معین الدین ہاشمی، ایسوسی پروفیسر، شعبہ حدیث وسیرت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد	**عبدالحمید بریشک**، شعبہ تفسیر و قرآنی علوم ، فیکلٹی آف تھیالوجی، مارمرہ یونیورسٹی، استنبول، ترکی
عبدالغفار بخاری، ایسوسیی ایٹ پروفیسر/چیئرمین، شعبہ اسلامیات، نمل یونیورسٹی، اسلام آباد	**مصباح اللہ عبدالباقی**، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف کابل، افغانستان

مجلس مشاورت

قومی	بین الاقوامی
محمد الغزالی، مدیر الدرسات الاسلامیہ، ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد	**ظفر الاسلام اصلاحی**، پروفیسر وسابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ، انڈیا
انیس احمد، وائس چانسلر، رفاہ بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد	**مہدی زہرا**، ریڈر آف لاء، شعبہ بین الاقوامی قانون، سکاٹ لینڈ

سعد صدیقی، ڈائریکٹر، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور	**عبدالرشید متین**، پروفیسر آف سیاسیات، سنٹر فار اسلامائزیشن، ملائیشیا
ہمایوں عباس شمس، پروفیسر و ڈین کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد	**عبدالغفار**، یونیورسٹی آف لندن، یو کے
عبدالعلی اچکزئی، چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف بلوچستان، کوئٹہ	**محمد تھانوی جبریل**، شعبہ علوم اسلامیہ (خواتین)، اسکندریہ، مصر
عبداللہ عابد، پروفیسر شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، گومل یونیورسٹی، خیبر پختونخواہ	**عبداللہ سعید**، پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، ایشیا انسٹیوٹ، یونیورسٹی آف ملبرن، آسٹریلیا
ارشد قیوم، سابق پرنسپل، گورنمنٹ ڈگری کالج غازی، ہری پور	**ہدایت حیدر، یونیورسٹی آف استنبول**
عبدالمہیمن، اسسٹنٹ پروفیسر وانچارج شعبہ علوم اسلامیہ ودینیہ، یونیورسٹی آف ہری پور	**عبدالوحید**، پروفیسر، شعبہ فلسفہ و مذہبی مطالعات، ینگسٹاؤن سٹیٹ یونیورسٹی، ینگسٹاؤن، امریکہ
سمیع الحق، سابق پروفیسر، شعبہ تفسیر و قرآنی علوم، ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد	**شبیر احمد**، پروفیسر، شعبہ تفسیر و قرآنی علوم ، فیکلٹی آف تھیالوجی، مارمرہ یونیورسٹی، استنبول، ترکی

معاون مدیران

خورشید احمد سعیدی، لیکچرار، شعبہ تقابل ادیان، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
محمد طیب، لیکچرار، گورنمنٹ بوائز پوسٹ گریجویٹ کالج، باغ آزاد کشمیر
محمد لطیف، سبجیکٹ سپیشلسٹ/پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ قرآن و تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
محمد عمران خان، پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ قرآن و تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
دلاور خان، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ، اسلام آباد
محمد یوسف یعقوب، پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
محبوب الرحمٰن، ایم فل سکالر، شعبہ اسلامیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
احتشام الحق، لیکچرار/ایم فل سکالر، شعبہ شعبہ قرآن و تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
عطاء اللہ علوی، لیکچرار/ایم فل سکالر، شعبہ قرآن و تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
عرفان قیصر، ایم فل سکالر، شعبہ قرآن و تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

شرکاء کا تعارف

- محمد نجیب، پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامیات، نمل یونیورسٹی، اسلام آباد
- ڈاکٹر محمد سجاد، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی فکر، تاریخ و ثقافت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد
- ڈاکٹر محمد شہباز منج، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف سرگودھا
- صائمہ شہباز منج، پی ایچ ڈی سکالر، یونیورسٹی آف سرگودھا
- ڈاکٹر سلیم الرحمٰن، چیئرمین شعبہ اسلامک تھیالوجی، اسلامیہ کالج پشاور
- ڈاکٹر محمد ریاض خان الازہری، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اینڈ ریلجس سٹڈیز، یونیورسٹی آف ہزارہ
- حافظ محمد ارشد اقبال، پی ایچ ڈی سکالر، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
- حافظ شوکت علی، پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
- ڈاکٹر محی الدین ہاشمی، پروفیسر/ چیئرمین، شعبہ فکر اسلامی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
- نور احمد ڈھڈی، پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامیات، نمل یونیورسٹی، اسلام آباد
- ڈاکٹر علی اصغر چشتی، پروفیسر/ چیئرمین، شعبہ حدیث وسیرت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد
- ڈاکٹر احمد رضا، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ فکر اسلامی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد
- حافظ امین سعیدی، پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامیات، جامعہ اسلامیہ بہاولپور
- ڈاکٹر محمد اسماعیل بن عبد السلام، لیکچرار شعبہ عربی، نمل یونیورسٹی، اسلام آباد
- ڈاکٹر نور حیات خان، لیکچرار شعبہ عربی، نمل یونیورسٹی، اسلام آباد
- ڈاکٹر عبد القادر جوندل، اسسٹنٹ پروفیسر، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- محمد الطاف حسین الازہری، پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ شریعہ و قانون، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- ڈاکٹر محمد ابراھیم سعد النادی، پروفیسر، شعبہ شریعہ و قانون، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- شاہد الرحمٰن پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
- ڈاکٹر عبد الحمید خان عباسی، پروفیسر/ چیئرمین، شعبہ قرآن و تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد
- ڈاکٹر محمد شہزاد آزاد، لیکچرار، کالج فار بوائز، اسلام آباد
- ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر، چیئرمین شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف سرگودھا، لاہور کیمپس
- ثناکشور، ایم فل سکالر، شعبہ اسلامیات، فاطمہ جناح یونیورسٹی، راولپنڈی
- ڈاکٹر عائشہ رفیق، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، فاطمہ جناح یونیورسٹی، راولپنڈی
- ڈاکٹر شیر علی، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد
- محمد عارف متین، بوسٹن اسلامک سنٹر، یو کے

فہرست مضامین

اُردو مضامین

صفحہ	مقالہ نگار	مضمون	نمبر شمار
1	محمد نجیب ڈاکٹر حافظ محمد سجاد	فوز وفلاح کا قرآنی تصور: معاصر تفاسیر کی روشنی میں تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ	1
27	ڈاکٹر محمد شہباز منج صائمہ شہباز منج	ماخذِ قرآن پر استشراقی نظریات کا ناقدانہ جائزہ	2
47	ڈاکٹر سلیم الرحمٰن ڈاکٹر محمد ریاض خان الازہری	نسخ پر استشراقی اعتراضات کا ناقدانہ جائزہ	3
71	حافظ محمد ارشد اقبال	معاشرتی معاملات میں کفارہ کا اسلامی تصور: فقہاء مفسرین کی آراء کا تجزیاتی مطالعہ	4
97	حافظ شوکت علی ڈاکٹر محی الدین ہاشمی	حقِ مریض اور اس کے اسرار و رموز کی حفاظت: اسلامی احکامات و تعلیمات	5
117	نور احمد خان ڈھڈی ڈاکٹر علی اصغر چشتی	بینکاری کا تعارف، اسلامی بینکاری کی ضرورت واہمیت اور پاکستان میں اس کا مستقبل	6

عربی مضامین

141	الدکتور احمد رضا حافظ محمد امین سعیدی	آراء المستشرقین فی الوحی: دراسة تحلیلة	7
153	الدکتور محمد اسماعیل بن عبد السلام الدکتور نور حیات خان	الاستعارة والکنایة وشواهدهما فی آیات الجهاد (دراسة وتحلیل)	8
161	الدکتور طاہر حکیم	من أسباب الإرهاب: التعصب المذهبي والتحزب الطائفي	9
177	الدکتور عبد القادر جوندل	منصب النبی صلی الله علیه وسلم کإمام وقائد وأبعاده ودلالاته فی فقه الدین وفی التعامل مع الأحادیث النبویة	10
191	محمد الطاف حسین الأزہری الدکتور محمد إبراہیم سعد النادی	الخدمة المصرفیة فی المصارف التقلیدیة الإسلامیة فی باکستان	11

انگریزی مضامین

1	شاہد الرحمٰن ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی	Impediments in translating the Qur'an and guiding principles for translation	12
21	ڈاکٹر محمد شہزاد آزاد ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر	Contrast Opinions of Orientalists on the Spread of Islam; A Critical Analysis	13
39	ثناء کشور ڈاکٹر عائشہ رفیق	Women and Entrepreneurship: A Study in the Light of Islamic Teachings	14
65	ڈاکٹر شیر علی محمد عارف متین	Changing Japanese Society and religions (an overview of feminism in Japan)	15

OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
mei.aiou.edu.pk
iri.aiou.edu.pk

فوز وفلاح کا قرآنی تصور: معاصر تفاسیر کی روشنی میں تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

(Concept of Quranic '*Fauzu o Falah*' in the light of contemporary *tafaseers*)

محمد نجیب
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامیات، نمل یونیورسٹی، اسلام آباد
ڈاکٹر حافظ محمد سجاد
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ فکر اسلامی، تاریخ و ثقافت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ABSTRACT

The word fauz-o-flah (فوزوفلاح) is an Arabic word used frequently in the Holy Quran ,giving the meanings of real success and achiements those who are successful indeed will got Fauz-o- falah as Almighty Allah says in the Holy Quran:
"Not equal are the inhabitants of the fire and the inhabitants of paradise.it is the inhabitants of paradise who are the successful" (59:20).
The wordly life is short, a test and the life here-after is its reward, either in the form of fire of hell or the paradise. Those who obey the commandments of Almighty Allah and lead their lives accordingly, are successful and are known as Muflihūn (مفلحون) . The others who pass their lives in their own ways (other than Quranic guidance), they are the inmates of the fire of the hell. Their capacities will be rendered inert, wasted and nulified and their wishes will end in futility. They are in loss and are known as khasreen (خاسرین).
In this article endeavour has been made to explain, how Holy Quran guides the human, characteristics of righteous and God fearing people who lead there lives with in the parameters of Holy Quran, are successful in this world as well as in the life here after.

تعارف

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی نوع انسان کی راہنمائی کے لئے آخری الہامی کتاب ہے جو آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔ یہ کتاب علوم وآگہی کا مجموعہ ہے۔زندگی کے ہر گوشہ کے لئے بلا مبالغہ اس میں مکمل راہنمائی موجود ہے۔ جو شخص بھی قرآن مجید سے مکمل راہنمائی حاصل کرے گا۔ وہ

یقینی طور پر کبھی گمراہ نہیں ہوگا۔ یہ وہ کتاب ہے جو انسان کو صراط مستقیم کی طرف راہنمائی فراہم کرتی ہے اور انسان کامیابی کی منازل طے کرتا ہوا اپنی اس چند روزہ زندگی کا اختتام کرتا ہے۔

یہ زندگی دو رُخ رکھتی ہے ایک رُخ جسے کامیابی کہا جاتا ہے اور دوسرا رُخ ناکامی کہلاتا ہے۔ اس الہامی کتاب پر ایمان رکھنے والے اور صدقِ دل سے عمل کرنے والے اس دنیا میں بھی کامیاب ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی انہیں جنت الفردوس اور اللہ کی نعمتوں کی شکل میں کامیابی ملتی ہے۔ دراصل یہی وہ کامیابی ہے جسے قرآن مجید نے جگہ جگہ فوز وفلاح قرار دیا ہے۔ یہی دراصل حقیقی کامیابی ہے، یہی کامیابی اصل میں فوز وفلاح ہے۔ مختلف ماہرین لغت نے فوز وفلاح کی لغوی واصطلاحی تعریفیں کی ہیں۔

فوز وفلاح کی لغوی واصطلاحی تعریف

الف۔ فوز لغوی مفہوم

فوز: لسان العرب میں فوز وفلاح کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"(فوز) الفَوْزُ النَّجاءُ والظَّفَرُ بالأُمْنِيَّةِ والخيرِ فازَ به فَوْزاً ومَفازاً ومَفازَةً وقوله عز وجل إِن للمتقين مَفازاً حَدائِقَ وأَعْناباً۔ (فلح) الفَلَح والفَلاحُ الفوز والنجاة والبقاء في النعيم والخير وفي حديث أَبي الدَّحْداحِ بَشَّرَكَ الله بخير وفَلَحٍ أَي بَقاءٍ وفَوْز وهو مقصور من الفلاح وقد أَفلح قال الله عَزَّ من قائل قد أَفْلَحَ المؤمنون أَي أُصِيرُوا إِلى الفلاح"[1]

("فوز" کے معنی نجات پانا اور خواہش، تمنا اور بھلائی حاصل کرنا، اس کا مقصد "فوزاً" مفازاً" اور "مفازةً" ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری ہے: بے شک نیکو کاروں کے لئے کامیابی ہے، باغات ہیں اور انگور ہیں۔ فَلَح ، الفلح، الفلاح کے معنی ہیں۔ کامیاب ہونا، نجات حاصل کرنا، اور نعمتوں اور بھلائیوں میں باقی رہنا۔ حضرت ابو الدحداح کی حدیث ہے: "اللہ نے آپ کو خیر اور کامیابی کی خوشخبری دی ہے۔" یعنی بقاء اور کامیابی کی خوشخبری ہے۔ قرآن میں ہے: (قد أَفْلَحَ المؤمنون) "مؤمن لوگ کامیاب ہوگئے" یعنی فلاح تک پہنچ گئے)

امام راغب اصفہانی نے الفوز کے معنی سلامتی کے ساتھ خیر حاصل کرلینے بیان کئے ہیں۔ قرآن میں ہے: ﴿ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ﴾[2] یہی بڑی کامیابی ہے۔ ﴿فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾[3] تو بے شک بڑی مراد پائے گا۔ (تو بے شک بڑی مراد پانے کے معنی یہ ہیں کہ وہ دنیوی ساز وسامان کی حرص کرتے ہیں اور غنیمت وغیر حاصل کرلینے کو ہی بڑی کامیابی سمجھتے ہیں۔[4]

ب۔فلاح کا مفہوم

اَلْفَلْحُ کے معنی پھاڑنا کے ہیں مثل مشہور ہے "اَلْحَدِیْدُ بِالْحَدِیْدِ یُفْلَحُ"۔ (لوہا، لوہے کو کاٹتا ہے)۔اس لئے فَلاَّحٌ کسان کو کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ زمین کو پھاڑتا ہے اور فَلَاحٌ کے معنی کامیابی اور مطلب وری کے ہیں یہ دو قسم پر مشتمل ہے دنیوی اور اخروی۔ فلاح دنیوی ان سعادتوں کو حاصل کر لینے کا نام ہے جن سے دنیوی زندگی خوشگوار بنتی ہو یعنی بقاء المال اور عزت ودولت۔

فلاح اخروی چار چیزوں کے حاصل ہو جانے کا نام ہے: بقا بلا فناء, غنا بلا فقر، عزت بلا ذلت، علم بلا جہل۔اسی لئے کہا گیا ہے "لَاعَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْاٰخِرَۃِ" (کہ آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے)۔اور اسی فلاح کے متعلق فرمایا: ﴿وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ﴾[5] (اور زندگی کا مقام تو آخرت کا گھر ہے)۔﴿اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[6] اور یاد رکھو کہ خدا ہی کا لشکر مراد حاصل کرنے والا ہے۔

فلاح کے اصطلاحی معانی

فلاح یافتہ وہ لوگ ہیں جو قیامت کے دن دوزخ کے عذاب سے بچ گئے اور اللہ کی جنتوں میں داخل کئے گئے۔وہ بامراد اور کامیاب قرار پائے۔

فوز وفلاح کا قرآنی تصوّر

قرآن پاک کی ابتدا ہی سے یہ تعلیم دی گئی ہے اور مومن اللہ کی بارگاہ میں یہ دعا مانگتا ہے: یا اللہ ! ہمیں صراطِ مستقیم کی ہدایت فرما۔ دنیا میں صراطِ مستقیم کا پہچاننا ہی سب سے بڑا علم اور کامیابی ہے، اور اسی کی پہچان میں غلطی ہونے سے اقوام عالم تباہ ہوتی ہیں۔ ورنہ خدا طلبی اور اس کے لئے مجاہدات کی تو بہت سے کفار میں بھی کوئی کمی نہیں، اسی لئے قرآن نے صراطِ مستقیم کو پوری توضیح کے ساتھ ایجابی اور سلبی دونوں پہلوں سے واضح فرمایا ہے۔

مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں: "صراطِ مستقیم کی ہدایت صرف آخرت اور دین کے کاموں کے ساتھ مخصوص نہیں، دنیا کے سب کاموں کی درستی اور کامیابی بھی اسی پر موقوف ہے: اس لئے یہ دعا ایسی ہے کہ مومن کو ہر وقت حرز جان بنانے کے قابل ہے: شرط یہ ہے کہ استحضار اور نیت کے ساتھ کی جائے صرف الفاظ پڑھ لینا کافی نہیں"[7]

فلاح کیا چیز ہے، کہاں اور کیسے ملتی ہے؟

سورۃ المؤمنون کی ابتداء ان آیات مبارکہ سے ہوتی ہے ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾[8]۔ لفظ فلاح قرآن وسنت میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اذان واقامت میں پانچ وقت ہر مسلمان کو فلاح کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔فلاح

کے معنی یہ ہیں کہ ہر مراد حاصل ہو اور ہر تکلیف دور ہو۔ یہ لفظ جتنا مختصر ہے اتنا ہی جامع کہ کوئی انسان اس سے زیادہ کسی چیز کی خواہش کر ہی نہیں سکتا اور یہ ظاہر ہے کہ مکمل فلاح، کہ ایک مراد بھی ایسی نہ رہے جو پوری نہ ہو۔ ایک تکلیف بھی ایسی نہ رہے جو دور نہ ہو۔ یہ دنیا میں کسی بڑے سے بڑے انسان کے بس میں نہیں ہے۔۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ فلاح کامل تو ایسی چیز ہے جو اس دنیا میں دستیاب ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ دنیا تو دار التکلیف، دار المحنت بھی ہے اور اس کی کسی چیز کو بقاء وقرار بھی نہیں۔ یہ متاع گراں مایہ ایک دوسرے عالم میں ملتی ہے جس کا نام جنت ہے۔ وہ ہے ہی ایسا مقام جس میں انسان کی ہر مراد، ہر وقت، بلا انتظار پوری ہو گی۔ ولھم مایدعون (یعنی ان کو ملے گی ہر چیز جو چاہیں گے) اور وہاں کسی ادنیٰ رنج و تکلیف کا گزر بھی نہ ہو گا۔

مولانا محمد شفیعؒ لکھتے ہیں: "کامل "فلاح" کی اصل آخرت ہے۔ صرف دنیا سے دل لگانا طالب فلاح کا کام نہیں ﴿بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا * وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ﴾ (یعنی تم لوگ دنیا ہی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر بھی ہے کہ اس میں ہر مراد حاصل ہوتی ہے اور ہر تکلیف دور ہو سکتی ہے اور وہ باقی رہنے والی بھی ہے)۔

مزید لکھتے ہیں: "کامل و مکمل فلاح تو صرف جنت ہی میں مل سکتی ہے دنیا میں اس کی جگہ نہیں ہے"[9]

مولانا مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "ایمان لانے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کی دعوت قبول کر لی۔ آپ ﷺ کو پنا ہادی ورہبر مان لیا، اور اس طریق زندگی کی پیروی پر راضی ہو گئے جسے آپ ﷺ نے پیش کیا ہے"

مزید لکھتے ہیں: "فلاح کے معنی کامیابی وخوشحالی ہے۔ یہ لفظ "خسران" کی ضد ہے جو ٹوٹے اور گھاٹے اور نامرادی دو معنوں میں بولا جاتا ہے۔ أَفْلَحَ الرَّجُلُ کے معنی ہیں فلاں شخص کامیاب ہوا۔ اپنی مراد کو پہنچا، آسودہ خوشحال ہو گیا، اس کی کوشش بارآور ہوئی۔ اس کی حالت اچھی ہوئی"[10]

ہدایت یافتہ اور فلاح پانے والے

قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:

﴿الم * ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ * الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ * وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[11] (الم یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے پرہیزگاہوں کے لئے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو کتاب

(اے محمد) تم پر نازل کی گئی اور جو کتابیں تم سے پہلے (پیغمبروں) پر نازل کی گئیں وہ ان سب پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے سیدھی راہ پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں)۔

مؤمن اللہ سے صراط مستقیم طلب کرتا ہے تو اس کے جواب میں پورا قرآن ہے کہ جو صراط مستقیم کا طلب گار، ہدایت کا طلب گار ہے، روشنی کا طلب گار ہے۔ فوز وفلاح کا طلب گار ہے، تو وہ سب تمہارے لئے اس قرآن کی شکل میں حاضر ہے۔ جو شخص ہدایت چاہتا ہے وہ اس کو پڑھے سمجھے اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کرے۔ قرآن مجید نے فلاح پانے والوں کی چند ایک صفات بیان فرمائی ہیں کہ بیشک یہ اللہ کی طرف بھیجی ہوئی کتاب ہے اور ایسی کتاب جس میں شک کی کوئی بات نہیں، یہ کتاب سراسر حقیقت پر مبنی ہے اور اگر کوئی انسان اس پر شک کرے تو وہ اس کی کم عقلی اور نادانی ہے۔ یہ کتاب سراسر ہدایت اور رہنمائی کا سرچشمہ ہے مگر اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر یہ صفات پائی جائیں وہ صفات یہ ہیں: المتقین، الایمان بالغیب، اقامت الصلوۃ، الانفاق فی سبیل اللہ، الایمان بالکتب اور ایمان باآخرۃ۔

مولانا مودودیؒ ان عقائد کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

الف۔ یہ کہ انسان دنیا میں غیر ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اپنے تمام اعمال کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے۔

ب۔ یہ کہ دنیا کا موجودہ نظام ابدی نہیں ہے بلکہ ایک وقت پر جسے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اس کا خاتمہ ہو گا۔

ج۔ یہ کہ اس عالم کے خاتمے کے بعد اللہ تعالیٰ دوسرا عالم قائم کرے گا اور اس میں پوری نوع انسانی کو جو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک زمین پر پیدا ہوئی تھی۔ بیک وقت دوبارہ پیدا کرے گا اور سب کو جمع کر کے ان کے اعمال کا حساب لے گا اور ہر ایک کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

د۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کی رُو سے جو لوگ نیک قرار پائیں گے وہ جنت میں جائیں گے اور جو لوگ بد ٹھہریں گے وہ دوزخ میں ڈالیں جائیں گے۔

و۔ یہ کہ کامیابی و ناکامی کا اصلی معیار موجودہ زندگی کی خوشحالی و بدحالی نہیں ہے۔ بلکہ درحقیقت کامیاب انسان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے آخری فیصلے میں کامیاب ٹھہرے اور ناکام وہ ہے جو وہاں ناکام ہو۔[12]

جن لوگوں میں یہ چھ خصوصیات ہوں گی ان کے لئے قرآن نے فرمایا: ﴿أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ انہی کیلئے ہدایت ہے اور یہی لوگ کامیاب ہیں یعنی "مفلحون" ہیں۔"[13]

مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: " یہی لوگ اس دنیا میں اپنے رب کی "صراط مستقیم" پر ہیں اور یہی لوگ آخرت میں فلاح پانے والے بنیں گے۔ باقی سارے لوگ گمراہ ہیں اور وہ آخرت میں جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے"۔[14]

مفلحین کے خصائص وصفات

سورۃ المؤمنون میں فلاح پانے والوں کی صفات بیان کی گئی ہیں یہ فلاح ہے جس میں آخرت کی کامل مکمل فلاح بھی داخل ہے۔﴿الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾[15] وہ جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔

پیر کرم شاہؒ خشوع کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نماز میں خشوع کا مطلب ہے کہ انسان اپنی ساری توجہ نماز میں مرکوز رکھے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے منہ پھیرے اور وہ اپنی زبان سے جو تلاوت کرتا ہے اس کے معنی میں غور وتدبّر کرے۔ اس کے علاوہ اس کے ظاہری آداب بھی ہیں۔ کہ نگاہ سجدہ گاہ پر مرکوز ہو۔ دائیں بائیں، آگے پیچھے جسم کو حرکت نہ دے۔ آگے پیچھے جسم کو حرکت نہ دے یعنی ہر قسم کے مکروہات صلاۃ سے بچے تو یہ اس کا خشوع ہوگا اور قبولیّت نماز کا باعث ہوگا"[16]

﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ﴾[17] (اور وہ ہر بے ہودہ امر سے منہ پھرتے ہیں)۔

مفتی محمد شفیعؒ، لغو کے سلسلے میں فرماتے ہیں: " مومن کا دوسرا وصف لغو سے پرہیز کرنا، لغو کے معنی فضول کلام یا کام جس میں کوئی دینی فائدہ نہ ہو۔ لغو کا اعلٰے درجہ مصیبت اور گناہ ہے۔ جس میں فائدہ دینی ہونے کے ساتھ دینی ضرر و نقصان ہے اس سے پرہیز واجب ہے اور ادنٰی درجہ یہ ہے کہ نہ مفید ہو نہ مضر۔ اس کا ترک کم از کم ادنٰی اور موجب مدح ہے"[18]

حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ"[19] (یعنی انسان کا اسلام تب اچھا ہو سکتا ہے جب کہ وہ بے فائدہ چیز کو چھوڑ دے)۔ اسی لئے آیت میں اس کو مومن کامل کی خاص صفت قرار دیا ہے۔[20] ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ﴾[21] (اور جو زکوۃ ادا کرتے ہیں)۔

تیسرا وصف زکوۃ ہے۔ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں: " زکوۃ دینے اور زکوۃ کے طریقے پر عامل ہونے میں معنی کے اعتبار سے بڑا فرق ہے۔ یہاں ﴿يُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ﴾ کا معروف انداز چھوڑ کر ﴿لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ﴾ کا غیر معمولی طرز بیان اختیار کیا گیا ہے۔ عربی زبان میں زکوۃ کا مفہوم دو معنوں سے مرکب ہے: ایک "پاکیزگی" دوسرے "نشوونما"۔ کسی چیز کی ترقی میں جو چیز مانع ہو اس کو دور کرنا اور اس کے اصل جوہر کو پروان چڑھانا۔ یہ دو تصورات مل کر زکوۃ کا پورا تصور بناتے ہیں۔ پھر یہ لفظ جب اسلامی اصطلاح بنتا ہے تو اس کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے: ایک وہ مال جو مقصد تزکیہ کے لئے

بولا جائے دوسرے بجائے خود تزکیہ کا فعل۔ اگر یؤتون الزکوۃ کہیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ تزکیہ کی غرض سے اپنے مال کا ایک حصہ دیتے یا ادا کرتے ہیں۔ اس طرح بات مال دینے تک محدود ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر ﴿لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ﴾ کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ تزکیہ کا فعل کرتے ہیں۔ اور اس صورت میں بات صرف مالی زکوۃ ادا کرنے تک محدود نہ رہے گی بلکہ تزکیہ نفس، تزکیہ اخلاق، تزکیہ زندگی، تزکیہ مال، غرض ہر پہلو کے تزکیے تک وسیع ہو جائے گی۔ لہٰذا اس آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ وہ تزکیے کا کام کرنے والے لوگ ہیں یعنی اپنے آپ کو بھی پاک کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی پاک کرتے ہیں"[22]

سورۃ لقمان میں بھی ایسی صفات بیان ہوئیں ہیں: ﴿الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ * أولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[23] (جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں، آخرت پر یقین رکھتے ہیں یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے راہ راست پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں)۔

مولانا مودودیؒ مفلحین کی صفات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "تمام نیکیوں کا دارمدار تین چیزوں پر ہے کہ وہ لوگ نماز قائم کرتے ہیں جس سے خداپرستی اور خداترسی ان کی مستقل عادت بن جاتی ہے۔ وہ زکوۃ دیتے ہیں جس سے ایثار وقربانی کا جذبہ ان کے اندر مستحکم ہوتا ہے، متاع دنیا کی محبت دبتی ہے اور رضائے الٰہی ابھرتی ہے اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں جس سے ان کے اندر ذمہ داری اور جواب دہی کا احساس ابھرتا ہے جس کی بدولت وہ اس جانور کی طرح نہیں رہتے جو چراگاہ میں چھوڑا ہوا چر رہا ہو بلکہ اس انسان کی طرح ہو جاتے ہیں جسے یہ شعور حاصل ہو کہ میں خود مختار نہیں ہوں۔ کسی آقاء کا بندہ ہوں اور اپنی ساری کارگزاریوں پر اپنے آقاء کے سامنے جواب دہی کرنی ہے۔ ان خصوصیات کی وجہ سے یہ نیکوکار اس طرح کے نیکوکار نہیں رہے جن سے اتفاقاً نیکی سرزد ہو جاتی ہے اور بدی بھی اس شان سے سرزد ہو سکتی ہے جس شان سے نیکی سرزد ہوتی ہے اس کے برعکس یہ خصوصیات ان کے نفس میں ایک مستقل نظام فکر واخلاق پیدا کر دیتی ہیں جس کے باعث ان سے نیکی کا صدور باقاعدہ ایک ضابطہ کے مطابق ہوتا ہے اور بدی اگر سرزد ہوتی ہے تو محض ایک حادثہ کے طور پر ہوتی ہے، کوئی گہرے محرکات ایسے نہیں ہوتے جو ان کے نظام اور فکر واخلاق سے ابھرتے اور اپنے اقتضائے طبع سے بدی کی راہ پر لے جاتے ہیں"[24]

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ * وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ * وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ * أُولَئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُكْرَمُونَ﴾[25] (وہ لوگ جو اپنی امانتوں کی حفاظت اور اپنے عہد کا پاس رکھتے ہیں اور جو اپنی گواہیوں پر راست بازی سے قائم رہتے ہیں جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ لوگ عزت کے ساتھ جنت کے باغوں میں رہیں گے)

ان آیات میں فلاح پانے والے جنتیوں کی یہ خصوصیات بیان کی گئی ہیں: وہ اپنی امانتوں کا پاس کرتے

ہیں، اپنے قول وقرار کا پاس کرتے ہیں، جو سچی گواہی پر قائم رہتے ہیں اور اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ ہیں وہ کامیاب لوگ جو جنت کے باغوں کے مالک ہیں۔

مولانا مودودیؒ نے توضیح کرتے ہوے لکھاہے: "امانتوں سے مراد وہ امانتیں بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے سپرد کی ہیں اور وہ امانتیں بھی جو انسان کسی دوسرے انسان پر اعتماد کر کے اس کے حوالے کرتا ہے۔ اس طرح عہد سے مراد وہ عہد بھی ہے جو بندہ اپنے رب سے کرتا ہے اور وہ عہد بھی جو بندے ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ ان دونوں قسم کی امانتوں اور دونوں قسم کی عہد وپیان کا پاس ولحاظ ایک مومن کی سیرت کے لازمی خصائص میں سے ہیں" یہاں پر ایک حدیث مبارک کا ذکر بھی کرتے ہیں۔

﴿لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ﴾[26] (خبردار رہو جس میں امانت نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں اور جو عہد کا پابند نہیں اس کا کوئی دین نہیں)

وہ لوگ نہ تو شہادت چھپاتے ہیں، نہ اس میں کمی پیشی کرتے ہیں وہ اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں جس بلند سیرت وکردار کے لوگ اللہ تعالیٰ کی جنت کے مستحق قرار دیئے گئے ہیں۔ ان کی صفات کا ذکر نمازی سے شروع ہوا اور اس پر ختم کیا گیا ہے۔ نمازی ہونا ان کی پہلی صفت ہے نماز کا ہمیشہ پابند رہنا ان کی دوسری صفت اور نماز کی حفاظت کرنا ان کی آخری صفت ہے۔ نماز کی حفاظت سے بہت سے چیزیں مراد ہیں: وقت پر نماز ادا کرنا نماز سے پہلے یہ اطمینان کرلینا کہ جسم اور کپڑے پاک ہیں، باوضو ہونا، اور وضو میں اعضاء کو اچھی طرح دھونا، ارکان اور واجبات اور مستحباتِ نماز کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنا، نماز کے آداب کو پوری طرح ملحوظ رکھنا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کر کے اپنی نمازوں کو ضائع نہ کرنا یہ سب چیزیں نماز کی حفاظت میں شامل ہیں۔[27]

پیر محمد کرم شاہؒ لکھتے ہیں کہ: "ان خوبیوں سے جو لوگ آراستہ ہیں ان میں فطری کمزوریاں باقی نہیں رہتیں، ان کا وجود سب کے لئے باعث رحمت وبرکت بن جاتا ہے۔ ان ہی خصال حمیدہ کے باعث وہ جنت میں داخل ہوں گے اور وہاں ان کو بڑی عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا"[28]

مفلحین وہ ہیں جو پیغمبر پر ایمان لائے اس کو تقویت دی، اس کی مدد کی اور اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے نور کی پیروی کی۔

﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[29] (لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت ونصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے۔ وہی فلاح پانے والے ہوں گے)

فوز وفلاح کے اصول

فوز وفلاح پانے والے اور حقیقی کامیابی حاصل کرنے والوں کی خصوصیات وصفات کا ذکر سورۃ المؤمنون میں اس طرح ہوا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ * وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ * وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ * وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَى رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ * أُولَئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ﴾[30] (یقیناً وہ لوگ جو اپنے رب کے خوف سے ڈرتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کے احکام پر ایمان لاتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے ہیں اور وہ لوگ جو کچھ دے سکتے ہیں دیتے رہتے ہیں اور ان کے دل اس بات سے ڈرتے ہیں کہ انہیں ایک دن اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے یہی لوگ نیکی کی طرف دوڑتے ہیں اور یہی اس میں سبقت لے جانے والے ہیں)

ان آیات میں بھی اللہ کے نیک بندوں کی خصلتیں بیان ہوئیں ہیں: ا۔ یہ لوگ اللہ کے خوف سے ڈرتے ہیں۔ ۲۔ وہ اپنی رب کی آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ ۳۔ وہ اپنے رب کی ساتھ کسی شریک نہیں ٹھراتے ہیں۔ ۴۔ وہ اس کی راہ میں زکوۃ صدقات دیتے ہیں سمجھتے ہیں کہ انہیں اپنے رب کی پاس لوٹ کر جانا ہے۔ ۵۔ نیکی کے کاموں میں تیزی کرتے ہیں اور آگے بڑھ جانا چاہتے ہیں۔

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ ان آیات کے حوالے سے لکھتے ہیں: "اہل ایمان اہل تقویٰ ان خصوصیات کی بنیاد پر نفع حاصل کرسکتے ہیں نہ کہ وہ کافر بے دین جو اپنی دنیاوی کامیابیوں اور کامرانیوں پر مغرور اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں"[31]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ، وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ﴾[32] (جن کے (ترازو کا) پلہ بھاری ہوگا وہ کامیاب ہوں گے۔ اور جن کا پلہ ہلکہ ہوگا وہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں رکھا وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے)

مفتی محمد شفیعؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "میزان عمل میں جس شخص کا نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا وہ فلاح پانے والا ہوگا اور جس کا نیکیوں کا پلہ ہلکا رہے گا تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں خود اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا۔ اور اب وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنے والے ہیں۔ اس آیت میں مقابلہ صرف مومنین کاملین اور کفار کا ہے اور انہی کے وزن اعمال کا اور اُن میں سے ہر ایک کے انجام کا ذکر کیا گیا کہ مومنین وکاملین کا پلہ بھاری ہوگا ان کو فلاح حاصل ہوگی، کفّار کا پلہ ہلکا رہے گا ان کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا پڑے گا"[33]

اس آیت کی تفسیر میں عبد الماجد دریا بادیؒ لکھتے ہیں: "اس روز کام آنے والی چیز صرف ایمان ہوگی اور دراصل ایمان کی شناخت یہ ہوگی کہ ان کے عقائد واعمال کا پلڑا میزانِ عدل میں بھاری ہوگا"[34]

مولانا مودودیؒ اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں: "قیامت کے دن جن کے قابل قدر اعمال وزنی ہوں گے جن کے نیکیوں کا پلڑا برائیوں کے پلڑے سے زیادہ بھاری ہوگا وہ فلاح یافتہ ہوں گے"[35]

فلاح وہ لوگ پائیں گے جو نبی اُمّی پر ایمان رکھتے ہیں، اس کی رفاقت کرتے ہیں، اس کی مدد کرتے ہیں اور اس نازل شدہ نور کی اتباع کرتے ہیں:

﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[36]

سو وہ (پس وہ لوگ جو نبی کریم ﷺ ایمان لائے اور ان کی حمایت اور نصرت کرتے ہیں اور اس نور کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے ساتھ نازل ہوا ہے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)

عبد الماجد دریا بادیؒ اس آیت کی تفسیر میں مختصراً بیان کرتے ہیں: (دنیا وآخرت دونوں میں) دنیا میں بہترین دستور حیات ونظام عمل کا مالک اور آخرت میں ہر طرح کی آسائش فراغت سے مالامال۔ (الفائزون بالمطلوب فی الدنیا والآخرۃ. الفوز الذین انزل معه)[37] اس سے مراد قرآن وسنت ہے۔

پیر محمد کرم شاہؒ رقمطراز ہیں: "فلاح وسعادت سے صرف وہی سرفراز ہوگا جو میرے مصطفیٰ پر سچے دل سے ایمان لایا اور اس کی تعظیم وتکریم میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ اس کے دین کی نصرت اور اس کی شریعت کی تائید کیلئے ہر قربانی دینے پر مستعد ہوا اور اس کے نور تاباں (قرآن حکیم) کے ارشادات پر عمل کرنے کے لئے دل وجان سے آمادہ ہوا۔ یہ آیت شان رحمۃ للعالمین کی آسمانی تفسیر ہے۔ ایمان کے بعد حضور ﷺ کی تعظیم وتکریم سب سے اہم ہے۔ بلکہ نصرت اور اتباع قرآن کا حق ادا ہی تب ہو سکتا ہے جب دل میں حضورؐ کا ادب واحترام ہوگا"[38]

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾[39] (اے لوگو! جو ایمان لائے ہو رکوع کرو اور سجدہ کرو اپنے رب کی بندگی کرو اور نیک کام کرو شاید کہ تم فلاح پا سکو)

پیر محمد کرم شاہؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "اہل ایمان کو رکوع وسجود اور ادائے نماز کا حکم ملا۔ وَاعْبُدُوا سے اس کے تمام احکام بجا لانے کی تاکید کی گئی وَافْعَلُوا الْخَيْرَ سے ایسے کام کرنے کا فرمان صادر ہوا جو اس کے لئے، اس کی قوم وملت کے لئے، سارے نوع انسانی کے لئے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق کے لئے اپنے دامن میں خیر ونفع کی نعمت سمیٹتے ہیں"[40]

ایک مومن یہ اعمال صالح اور عبادت کر کے اس بات کی اپنے رب سے امید و توقع کر سکتا ہے کہ وہ شاید فلاح پا سکے۔

﴿وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾[41] اے مومنو! تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے۔

اس آیت میں مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ گزشتہ زندگی میں ہونے والی لغزشوں سے تائب ہونا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ احکام الٰہی میں کسی وقت کوتاہی ہو گئی ہو تو اس پر لازم ہے اس سے توبہ کرے گزشتہ پر ندامت کے ساتھ اللہ سے مغفرت مانگے اور آئندہ اس کے پاس نہ جانے کا عزم صمیم کرے اور امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کو فلاح و کامیابی سے سرفراز فرمائے۔

مومنین کی آزمائش

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ * الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ * أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾[42] (اور ہم ضرور خوف ہراس بھوک کی تکلیف اور مال و جان اور پھلوں کے نقصان سے تمہارا کچھ امتحان لیں گے (اے پیغمبر) صبر کرنے والوں کو خوش خبری دے دو وہ لوگ جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچے تو کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم تو اسی اللہ کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ایسے ہی لوگ جن پر اللہ کی بخششیں اور رحمتیں ہوتی ہیں اور صرف یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں)

اس آیت مبارکہ میں یہ بیان ہوا کہ اگر کوئی شخص ایمان لے آئے عبادت اور بندگی بھی کرتا رہے تو اس پر بھی آزمائش آسکتی ہے، مثلاً: خوف وہراس، بھوک یعنی امیر ہونے کے بعد غریب ہو جانا، مال وجان میں کمی اور نقصان، باغ کا آندھی، جھکڑ ژالہ باری وغیرہ سے نقصان ہو سکتا ہے، مگر جن لوگوں نے ان مصائب میں صبر کیا کفران نعمت نہ کیا بلکہ ان مصائب کو وسیلہ ذکر و شکر بنایا، ان کو اے پیغمبر! ہماری طرف سے بشارت سنادو

1۔اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت

جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں گے وہی حقیقت میں فلاح پائیں گے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ * وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾[43] (بلاشبہ جب مومنوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے کہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان کی بات فقط یہ ہوتی ہے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہے تو اسی طرح کے لوگ ہی کامیاب ہوں گے)

اس آیت میں منافقین کے مقابلے میں مومنوں کی کیفیت بیان کی جارہی ہے کہ وہ خدائی فیصلے پر کیسا ردِّ عمل کرتے ہیں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جب مومن کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو وہ صرف ایک ہی بات کرتا ہے کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔کیا عمدہ بات ہے،﴿سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾ ہم نے سنا اور اطاعت کی مختصر اور معنی خیز ہے۔

مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں: "اس آیت میں چار چیزیں بیان کر کے فرمایا ہے۔کہ جو ان چار چیزوں کے پابند ہیں وہ ہی بامراد اور دین و دنیا میں کامیاب ہیں، اس کے بعد وہ تفسیر قرطبیؒ سے ایک واقعہ جو کہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ اور ایک رومی کے متعلق ہے بیان کیا اس میں اس آیت کی وضاحت ہوتی ہے ﴿مَنْ يُطِعِ اللَّهَ﴾ فرائض الٰہیہ کے متعلق ہے ﴿وَرَسُولَهُ﴾ سنت نبوی کے متعلق ہے۔﴿وَيَخْشَ اللَّهَ﴾ گزشتہ عمر کے متعلق ہے۔﴿وَيَتَّقْهِ﴾ آئندہ باقی عمر کے متعلق ہے۔جب انسان ان چار چیزوں کا عامل ہو جائے تو اسکو ﴿هُمُ الْفَائِزُونَ﴾ کی بشارت ہے اور فائز وہ شخص ہے جو جہنم سے نجات پائے اور جنت میں اس کو ٹھکانا ملے "[44]

پیر محمد کرم شاہؒ اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں کرتے ہیں: " جو شخص فرائض میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور سنتوں میں اس کے رسول کی پیروی کرتا ہے اور گزری ہوئی زندگی میں جو غلطیاں اس سے ہوئیں ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور آنے والی زندگی میں تقویٰ اختیار کرتا ہے یہی لوگ کامیاب ہیں اور کامیاب وہ شخص ہے جسے آتش جہنم سے نجات مل گئی اور جنت میں داخل کر دیا گیا "[45]

تفسیر نمونہ میں ناصر مکارم شیرازی لکھتے ہیں: " جو شخص یہ ایمان رکھتا ہے کہ اللہ ہر چیز کا عالم ہے وہ ہر شخص سے بے نیاز ہے اور تمام بندوں کیلئے رحیم اور مہربان ہے تو اللہ کے فیصلے پر کسی اور کے فیصلے کو کیسے ترجیح دے سکتا ہے۔کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اللہ کے فیصلے پر اس کے سوا کچھ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی یہ کیسی عظیم آزمائش اور مومنین کی کامیابی کا کیا ہی عمدہ راستہ ہے

مزید لکھتے ہیں : جو شخص اپنی باگ ڈور اللہ کے حوالے کردے، اسے حاکم اور جج مان لے، وہ ہر چیز میں کامیاب ہے مادی زندگی میں بھی اور روحانی زندگی میں بھی اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں اللہ سے ڈریں اور تقوی کو اپنا شعار بنائیں وہی نجات پانے والے اور کامیاب ہیں "[46]

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا * يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾[47] (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو، اللہ تمہارے اعمال درست کردے گا اور تمہارے قصوروں سے در گزر کرے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اس نے بڑی کامیابی حاصل کی)

اس آیت میں فوزاً عظیماً کے الفاظ آئے ہیں لیکن اس سے پہلے اہل ایمان کو اللہ سے ڈرنے، سچی بات کہنے کا حکم دیا اور پھر وعدہ کیا تمہارے اعمال درست کردیئے جائیں گے، گناہ معاف کردیئے جائیں گے لیکن ساتھ ہی تم اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کروگے تو تم کو بہت بڑی کامیابی ملے گی۔

پیر محمد کرم شاہؒ اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں: "اے اہل ایمان تمہیں تو تقویٰ اور پارسائی کا شیوہ اختیار کرنا چاہیے اور بات کرو تو سچی اور درست بات کرو کوئی جھوٹی بات سے منہ سے نہ نکلے۔ کبھی اگر تم اپنے عمل میں تقویٰ اور راست روی کو اور اپنے قول میں حق وصداقت کو اپنا شعار بناؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو ہر کجی سے پاک فرمادے گا اور انہیں شرف قبولیت بخشے گا اور اس سے پہلے جو لغزشیں تم سے سرزد ہوئی تھیں وہ سب معاف کردی جائیں گی وہ لوگ جن کے سامنے تم سے گناہ سرزد ہوئے تھے ان کے حافظے سے بھی ان کی یاداشت محو کردی جائے گی بلکہ فرشتوں نے جو دفتر عمل تمہارا تیار کر رکھا ہے وہاں سے بھی تمہارے گناہوں کی تحریر مٹادی جائے گی "[48]

2۔ اعمال صالحہ

﴿فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَى أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ﴾[49] (تو وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے یقینا وہ کامیاب وکامران لوگوں میں ہوگا)

"اس آیت میں راہ نجات کے تین اقدامات بیان ہوتے ہیں: ۱۔ اللہ تعالیٰ کی طرف بازگشت ۲۔ ایمان ۳۔ عمل صالح۔ اس کے بعد یقیناً فلاح ونجات ہے، عسیٰ (امید ہے) اگرچہ جو شخص ایمان، عمل صالح کا حامل ہو، اسکے لئے فلاح یقینی ہے لیکن یہاں ممکن ہے یہ تعبیر اس لئے ہو کہ فلاح اس حالت کے تسلسل سے مشروط ہے اور چونکہ ضروری نہیں کہ ہر توبہ کرنے والا اپنی اسی حالت پر باقی رہے، اس لئے یہاں یہ لفظ لایا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ جب عسیٰ کی تعبیر کسی ذات کریم سے صادر ہو تو اس میں قطعی اور یقین ہونے کا مفہوم پنہاں ہوتا ہے جب کہ اللہ تو اکرام الاکرامین ہے "[50]

یہی مضمون سورۃ التغابن میں بیان ہوا ہے: ﴿وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾[51] (جو اللہ پر ایمان لایا اور نیک عمل کرتا ہے اللہ اسکے گناہ جھاڑ دے گا اور اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے)

اس آیت کریمہ میں بھی فرمایا گیا کہ اصل مفلحین وہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور پھر احکام الٰہی پر عمل کرتے ہوئے، امر بالمعروف بجالاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے سابقہ گناہوں اور خطاؤں کو دور کرے گا اوران کے نامہ اعمال میں کوئی ایسا نقص نہیں رہے گا جس سے قیامت کے دن اس پر فرد جرم عائد کی جاسکے، ایسے لوگوں کیلئے جنت کے دروازے کھل جائیں گے وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہی فوز عظیم یعنی بڑی کامیابی ہے۔

3۔ اللہ اور اس کے رسول کے مخالفین سے دوستی نہ کرنا

قرآن کریم میں صرف یہود ونصاریٰ سے دوستی سے منع نہیں کیا گیا بلکہ ہر اس شخص سے منع کیا گیا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی مخالفت کرنے والا ہو یا ان کی مخالفت پر اُبھارنے والا ہو۔

سورۃ المجادلہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[52]

(تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی ہے خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے اہل خاندان۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے ان کو قوّت بخشی ہے۔ وہ اس کو اور ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے وہ اللہ کی جماعت کے لوگ ہیں، خبردار رہو اللہ کی جماعت (حزب اللہ) یہی فلاح پانے والے ہیں)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہؒ لکھتے ہیں کہ : "جولوگ اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اگر وہ اس دعویٰ میں سچے ہیں تو یہ ممکن نہیں ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں کی محبت پائی جائے۔ جس طرح پاک اور پلید پانی ایک برتن میں اکھٹے نہیں رہ سکتے اسی طرح نور ایمان، دشمنان اسلام کی دوستی ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتی۔ جو شخص ایمان کا مدعی ہے اور کفار ومنافقین کے ساتھ بھی دوستی کے تعلقات رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو فریب دے رہا ہے اللہ کا بندہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے خواہ وہ اس کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں ہر قسم کے تعلقات منقطع کردیتا ہے ان میں سے چند قریبی رشتوں کا صراحتاً ذکر فرمادیا۔ اولاد کو اپنے والدین سے محبت ہوتی ہے اور ان کا ادب اور لحاظ بھی ہوتا ہے لیکن اگر باپ دین کا دشمن ہو تو بیٹا اس کی پرواہ نہیں کرتا اسی طرح باقی رشتے بھی اللہ اور اس کے محبوب کریم ﷺ کی محبت میں کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ جب غلامان مصطفیٰ کا بدر واُحد کے میدانوں میں اپنے قریبی رشتہ داروں کے سامنے صف آرا ہوئے تو جو بھی ان کا مدّ مقابل بنا تو انہوں نے بلا تامل اس کو خاک وخون میں ملا دیا حضرت ابو عبیدہ جب میدان بدر میں گئے تو ان کا باپ عبداللہ ان کے سامنے آیا۔ آپ نے اپنی تلوار سے اس کا سر قلم کردیا"[53]

مولانا مودودیؒ آیت کا خلاصہ و مفہوم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں : "ایمان دوٹوک چاہتا ہے مومن رہنا چاہتے ہو تو ہر اس رشتے اور تعلق کو قربان کردو جو اسلام کے ساتھ متصادم ہو، اسلام کے رشتے سے کسی اور رشتے کو عزیز رکھتے ہو تو بہتر ہے کہ ایمان کا جھوٹا دعویٰ چھوڑ دو"[54]

﴿قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ﴾ اس کی تفسیر میں پیر محمد کرم شاہؒ لکھتے ہیں: "یہی وہ خوش نصیب اور ارجمند حضرات ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش کردیا، یہ نقش نہ مٹ سکتا ہے نہ دھندلا پڑ سکتا ہے اور ان کو ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے روح کی تقویت بخشی ہے"[55]

4۔ دنیاوی حرص سے پرہیز

مؤمن لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو غور سے سنتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔ دنیاوی حرص وہوا سے بچتے ہیں، خود غرضی اور مفاد پرستی سے اجتناب کرتے ہیں، جیسا کہ انصار نے مہاجرین سے برتاؤ کیا، وہ قیامت تک کے لیے مثال ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[56] (ان لوگوں کا بھی حق ہے جو ہجرت والے (گھر) یعنی مدینہ میں پہلے سے مقیم ہیں اور ایمان میں ثابت قدم ہیں جو شخص ان کے پاس ہجرت کر

کے آتا ہے، اس سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ مہاجرین کو ملتا ہے اس سے ان کے دل میں کوئی تنگی پیدا نہیں ہوتی اور ان کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ خود فاقہ کش ہی کیوں نہ ہوں اور جس کسی کو اس کے نفس کی حرص سے محفوظ رکھا گیا تو وہی لوگ مراد پانے والے ہیں)

اور یہی مضمون سورۃ التغابن میں بھی بیان ہوا ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنفِقُوا خَيْرًا لِّأَنفُسِكُمْ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[57] (للذا جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو اور سنو اور اطاعت کرو اور اپنے مال خرچ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے جو اپنے دل کی تنگی سے محفوظ رہ گئے پس وہی فلاح پانے والے ہیں)

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سورۃ الحشر کی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "اس گھر سے مراد مدینہ طیبہ اور لوگ انصار مدینہ ہیں جو مہاجرین کی آمد سے پہلے مدینہ میں سکونت پذیر تھے اور ایمان وعرفان کی راہوں پر بہت مضبوطی کے ساتھ مستقیم ہو چکے تھے، مہاجرین کو مال فئے یا مال غنیمت سے جو کچھ عطا کرتے تھے دیکھو یہ انصار لوگ دل سے تنگ نہ ہوتے تھے اور نہ ہی حسد کرتے تھے بلکہ خوش ہوتے تھے اور ہر اچھی چیز میں ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے تھے۔خود سختیاں اور فاقے اٹھا کر بھی اگر ان کو بھلائی پہنچا سکیں تو دریغ نہیں کرتے تھے۔یعنی اپنے مقابلے میں مہاجرین کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے خود بھوکے رہتے تھے لیکن مہاجرین کو کھلاتے تھے۔"[58]

انصار کے ایثار کی بہت سے مثالیں ہیں ان میں سے ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

"رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مہمان آیا لیکن آپ ﷺ کے گھر میں کچھ نہ تھا، چنانچہ ایک انصاری اُسے اپنے گھر لے گیا گھر جا کر بیوی کو بتلایا تو بیوی نے کہا کہ گھر میں تو صرف بچوں کی خوراک ہے۔انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ بچوں کو تو آج بھوکا سلادیں گے اور ہم خود ایسے ہی کچھ کھائے پیئے بغیر سو جائیں۔البتہ مہمان کو کھلاتے وقت چراغ بجھادیں تاکہ اسے ہماری بابت علم نہ ہو کہ ہم اس کے ساتھ کھانا نہیں کھا رہے ہیں۔ صبح جب وہ صحابیؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ﴾ ان کے ایثار کی یہ بھی نہایت عجیب مثال ہے کہ ایک انصار کی دو بیویاں تھیں تو اس نے ایک بیوی کو اس لئے طلاق دینے کی پیشکش کی کہ عدت گزرنے کے بعد اس سے اس کا دوسرا مہاجر بھائی نکاح کر لے"[59]

آیت کے آخری حصہ میں فرمایا گیا کہ یہ انصار لوگ ایسے ہیں اللہ نے (شح) سے بچالیا تھا یعنی وہ لالچ اور حرص و بخل سے محفوظ تھے، لالچ اور حرص و بخل والے لوگوں میں ایثار نہیں ہو سکتا اور دوسروں کو پھلتا پھولتا دیکھ کر خوش نہیں ہوتے۔[60]

5۔ تزکیہ نفس

تزکیہ کے لغوی معنی اچھی حالت میں دکھنا۔ پاکی، صفائی اور تزکیہ نفس کے معنی نفس کو پاک کرنا کے ہیں۔ یہاں تزکیہ نفس کو شرک سے، معصیت سے اور اخلاقی آلائشوں سے پاک کرنا ہے۔ انہی صفات کے لوگ اخروی فوز وفلاح سے ہمکنار ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا * وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا﴾[61] ترجمہ: یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو دبادیا۔

مفتی محمد شفیعؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "بامراد وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا۔ تزکیہ کے اصلی معنی باطنی پاکی کے ہیں۔ مراد یہ کہ جس نے اللہ کی اطاعت کی اور اپنے ظاہر و باطن کو پاک کرلیا اور محروم ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو گناہوں کی دلدل میں دھنسادیا۔ لفظ دسّ، دسٌّ سے مشتق ہے جس کے معنے زمین میں دفن کردینے کے ہیں۔ مفسرین نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ بامراد ہوا وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے پاک کردیا اور نامراد اور محروم ہوا وہ آدمی جس کو اللہ نے گناہوں میں دھنسادیا۔ اس آیت میں کل انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کردیا ایک بامراد اور دوسرا نامراد۔ آگے دوسری قسم کے لوگوں کو انجام بد سے ڈرایا گیا، ان نامرادوں کو آخرت میں تو سخت سزا ملے گی اور بعض کو دنیا میں بھی عذاب دیا گیا، جیسے قوم عاد وثمود ونوحؑ وغیرہ"(62)

6۔ عہد کو پورا کرنے والے

معاشرتی زندگی میں وعدہ پورا کرنا یعنی ایفائے عہد کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ قرآن کریم میں بہت جگہوں پر عہد پورا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ سورۃ المائدہ کی ابتداء میں اہل ایمان کو عہد و پیمان پورے کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ربّانی ہے:

﴿وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾[63] (اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے قول کا پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے، پس تم کو اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے خوشخبری ہے اور یہی فوز عظیم ہے)

اس آیت کی تفسیر میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: "اس سے زیادہ سود مند تجارت اور عظیم الشان کامیابی کیا ہوگی کہ ہماری حقیر جان اور فانی اموال کا اللہ تعالیٰ خریدار بنا۔ ہماری جان ومال جو فی الحقیقت اسی کی مملوک اور مخلوق ہے محض ادنیٰ ملابست سے ہماری طرف نسبت کر کے مبیع قرار دیا جو عقد بیع میں مقصود بالذات ہوتی ہے اور جنت جیسے اعلیٰ مقام کو اس کا ثمن بتلایا جو مبیع تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جنت میں وہ نعمتیں ہوں گی جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی بشر کے قلب پر ان کی کیفیات کا خیال اور خطور ہوا۔ خیال

کرو کہ جان ومال جو برائے نام ہمارے کہلاتے ہیں انہیں جنت کا ثمن نہیں بنایا، نہ یہ کہا کہ حق تعالیٰ (بائع) اور ہم مشتری ہوتے۔ تلطف ونوازش کی حد ہو گئی کہ اس ذرا سی چیز کے معاوضہ میں جنت جیسی لازوال اور قیمتی چیز کو ہمارے لئے مخصوص کردیا"[64]

7۔ رضائے الٰہی کا حصول

ایمان والے دنیا میں عیش وعشرت، لہو ولعب اور اپنی خواہشات پر قابو رکھتے ہیں اور ہمیشہ اس کی رضا کے طالب ہوتے ہیں اور دنیاداروں کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ اور ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا:

﴿إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ * فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّى أَنْسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ * إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾[65] (اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے ہیں ہمیں معاف کردے۔ ہم پر رحم کر تو سب رحیموں سے اچھا رحیم ہے تو تم نے ان کا مذاق اڑایا یہاں تک کہ ان کی ضد نے تمہیں یہ بھی بھلادی کہ میں کوئی ہوں اور تم ان پر ہنستے رہے، ان کے اس صبر کا میں نے پھل دیا ہے کہ وہی کامیاب ہیں)

" دین میں اہل ایمان کے لیے ایک صبر آزما مرحلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جب وہ دین وایمان کے مقتضیات پر عمل کرتے ہیں تو دین سے ناآشنا اور ایمان سے بے خبر لوگ انہیں استہزاء وملامت کا نشانہ بنالیتے ہیں۔ کتنے ہی کمزور ایمان والے ہیں کہ وہ ان کی ملامتوں سے ڈر کر بہت سے احکام الٰہیہ پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ جیسے داڑھی ہے، پردے کا مسئلہ ہے، شادی بیاہ کی ہندوانہ رسومات سے اجتناب کرنا وغیرہ۔ خوش قسمت وہ لوگ ہیں جو کسی بھی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے اور اللہ ورسول کی اطاعت سے کسی بھی موقعے سے انحراف نہیں کرتے ﴿وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾۔ قیامت والے دن انہیں اس کی بہترین جزا عطافرمائے گا اور انہیں کامیابی سے سرفراز کرے گا۔ اور وہ ہر قسم کی لذتوں اور مسرتوں سے ہمکنار ہوں گے یہ لوگ ہیں مفلحین "[66]

8۔ شرک سے اجتناب

جو لوگ شرک سے اپنے آپ کو بچائیں گے وہی ہدایت یافتہ کہلائیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾[67] (وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں شرک (جیسے ظلم) کی آمیزش نہیں کی انہی کے لئے امن ہے اور یہی لوگ سیدھے راستے پر ہیں)

پیر محمد کرم شاہؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت پریشان ہوئے اور نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی (أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ) ؟ ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے آپ پر ظلم نہ کیا ہو ؟ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد گناہ نہیں بلکہ شرک ہے۔ لیس هو کما تظنون انما هو کما قال ﴿وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (اور جب کہ لقمان نے وعظ کرتے ہوئے اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرے پیارے بچے! اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے)[68]

اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوے مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں: "اس آیت میں عذاب سے مامون ہونے کی یہ شرط ہے کہ ایمان کے ساتھ ظلم نہ کیا ہو، تو پھر ہماری نجات کی کیا سبیل ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم آیت کا صحیح مفہوم نہیں سمجھے۔ آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ اس لئے مراد آیت یہ ہے کہ جو شخص ایمان لائے اور پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے وہ عذاب سے مامون اور ہدایت یافتہ اور فلاح یافتہ ہے۔[69]

سورۃ المؤمنون میں یہی مضمون اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ * وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ * وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ﴾[70] (اور جو لوگ اپنے رب کی آیات پر یقین رکھتے ہیں۔ جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے اور جن کا حال یہ ہے کہ کچھ بھی دیتے ہیں اور دل ان کے اس خیال سے کانپتے ہیں کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے)

ان آیات مبارکہ میں شرک سے نفرت دلائی گئی ہے اور وہ جو عمل کرتے ہیں اس میں اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ انہیں اللہ کے ہاں اپنے اعمال پیش کرنے ہیں تو ایسے ہی لوگ مفلحین ہیں۔

9۔ صبر کرنے والے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾[71] (اے ایمان والو! صبر کرو ایک دوسرے کو صبر پر آمادہ کرو اور اپنے آپ کو جہاد کے لئے تیار رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاسکو)

اس آیت مبارکہ میں مومنوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ: مشکلات و جہاد کی صورت میں صبر کریں، دوسروں کو بھی صبر پر آمادہ کریں، حتی الوسع جہاد کے لئے کمر بستہ رہیں اور تقویٰ اختیار کریں۔

اگر ان شرائط پر عمل کرو تو کامیاب ہو سکتے ہو۔

پیر محمد کرم شاہؒ ضیاء القرآن میں لکھتے ہیں: "رباط کہتے ہیں نفس کو نیت حسنہ پر آمادہ رکھنا اور جسم کو عبادت پر کاربند رکھنا۔ اس کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ انسان جہاد فی سبیل اللہ کے لئے کمربستہ رہے اور گھوڑا تیار رکھے اور نفس کو نماز کا خوگر بنائے اور تقویٰ پر قائم رہے۔ جب کسی فرد یا قوم میں یہ صفات پائی جاتی ہیں تو رحمت الٰہی اور نصرت خداوندی اس کی پاسبان ہوتی ہے مشکلات کے پہاڑ ازخود راستہ چھوڑ دیتے ہیں دنیا میں بھی عزت نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں بھی سرخروئی۔"[72]

10۔ کبیرہ گناہوں سے اجتناب

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾[73] ترجمہ: اے ایمان والو! ہو یہ بڑھتا چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے، فلاح پاؤ گے۔

پیر محمد کرم شاہؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس سودی نظام کو حرام کیا جاتا ہے جس کا اس وقت عام رواج تھا۔ رواج یہ تھا کہ کسی نے ایک مدتِ مقرّرہ تک قرض لیا، جب وہ مدت ختم ہوئی اور قرض خواہ نے رقم کا مطالبہ کیا تو مقروض کہا کرتا، تم میعاد بڑھا دو میں رقم میں اضافہ کر دیتا ہوں۔ یہ سلسلہ مدتوں تک جاری رہتا یہاں تک کہ اصل رقم کئی گنا بڑھ جاتی۔ اسے سود در سود یا سود مرکب کہا جاتا ہے۔ اس ظالمانہ نظام کو اسلام نے ختم کر دیا، کیونکہ اس سے اگر ایک طبقہ میں تن آسانی، حرام خوری، حرص و بخل کے جذبات پرورش پاتے تھے تو قوم کے دوسرے طبقہ میں حسد وعناد کی تخم ریزی ہوتی تھی وہ امت جسے دنیا میں تبلیغ توحید وہدایت کا ایک عظیم المرتبت مشن سرانجام دینا ہو اس میں ایسے عناصر کو کب برداشت کیا جاسکتا ہے جو ملی وحدت کو پارہ پارہ کر دیں۔ لہٰذا آگے چل کر حکم دیا گیا کہ اگر تم نے اس سودی نظام کو نہ چھوڑا تو عذاب میں مبتلا کئے جاؤ گے جو کفار کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

بیشتر افراد اور قومیں اپنی فلاح و کامرانی کو دولت کی فراوانی میں مضمر سمجھتی ہیں اور اس کے حصول کے لئے جائز و ناجائز، حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر کوشاں ہیں۔ یہاں مسلمانوں کو بتایا جارہا ہے کہ دوسروں کی طرح تم بھی اس فریب میں مبتلا نہ ہو جانا، حقیقی فلاح متقی بننے سے نصیب ہوتی ہے۔"[74]

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾[75] (اے ایمان والو! شراب پینا، جوا کھیلنا، بتوں کو پوجنا اور ہارجیت کے تیر پھینکنا ناپاک شیطانی کام ہیں اس لئے تم ان سے بچو تاکہ فلاح پاؤ)

اس آیت میں چار چیزوں کو قطعی طور پر حرام قرار دیا گیا ہے ایک شراب، دوسرے قمار بازی، تیسرے وہ مقامات جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنے یا اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر قربانی اور نذر و نیاز چڑھانے کے لئے مخصوص کئے گئے ہوں، چوتھے پانسے۔

مفتی محمد شفیعؒ معارف القرآن میں لکھتے ہیں: "یہاں شراب اور جوّے کی حرمت اور ان کی روحانی اور جسمانی خرابیوں کا بیان ہے۔ اوّل روحانی اور معنوی خرابیاں ﴿رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ کے الفاظ میں بیان کیں، جن کا مفہوم یہ ہے کہ یہ چیزیں فطرت سلیمہ کے نزدیک گندی، قابل نفرت چیز ہیں اور شیطانی جال ہیں، جن میں پھنس جانے کے بعد انسان بے شمار مفاسد اور مہلک خرابیوں کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ یہ روحانی مفاسد بیان کرنے کے بعد حکم دیا گیا ہے کہ (فاجتنبوه) کہ جب یہ چیزیں ایسی ہیں تو ان سے اجتناب کرو اور پرہیز کرو۔ آخر میں فرمایا (لعلکم تفلحون) جس میں بتلا دیا گیا ہے کہ تمہاری فلاح دنیا و آخرت اسی پر موقوف ہے کہ ان چیزوں سے پرہیز کرو"[76]

11۔ اللہ کا ذکر کرنے والے

یہاں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر نمازِ جمعہ سے تعلق رکھتا ہے۔ ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ جمعہ والے دن نمازِ جمعہ کے بعد کاکاروبار کرنا اچھا نہیں۔ یہاں اس کی برکات بیان ہوئی ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾[77] (پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو شاید کی تمہیں فلاح نصیب ہو)

اس سے مراد کاروبار اور تجارت ہے یعنی نماز جمعہ سے فارغ ہو کر تم پھر اپنے اپنے کاروبار اور دنیا کے مشاغل میں مصروف ہو جاؤ مقصد اس امر کی وضاحت ہے کہ جمعہ کے دن کاروبار بند رکھنے کی ضرورت نہیں، صرف نماز کے وقت ایسا کرنا ضروری ہے۔

مفتی محمد شفیعؒ معارف القرآن میں لکھتے ہیں: "اس آیت میں اس کی اجازت دے دی گئی ہے کہ نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد تجارت، کاروبار اور اپنا اپنا رزق حاصل کرنے کا اہتمام سب کر سکتے ہیں"[78] مفتی محمد شفیعؒ اپنی تفسیر میں حضرت عراک بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر باہر آتے تو دروازہ مسجد میں کھڑے ہو کر یہ دعا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ. أَجَبْتُ دَعْوَتَكَ وَصَلَّيْتُ فَرِيضَتَكَ، وَانْتَشَرْتُ كَمَا أَمَرْتَنِي فَارْزُقْنِي مِنْ فَضْلِكَ، وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ[79] (یعنی یا اللہ میں نے تیرے حکم کی اطاعت کی اور تیرا فرض ادا کیا اور جیسا کہ تو نے حکم دیا ہے نماز پڑھ کر میں باہر جاتا ہوں تو اپنے فضل سے مجھے رزق عطا فرما اور تُو تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے) اور بعض

سلف صالحین سے منقول ہے کہ جو شخص نماز جمعہ کے بعد تجارتی کاروبار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر مرتبہ برکات نازل فرماتے ہیں۔ ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾، یعنی نماز جمعہ سے فارغ ہو کر کسب معاش تجارت وغیرہ میں لگو، مگر کفار کی طرح خدا سے غافل ہو کر نہ لگو، خرید وفروخت اور مزدوری کے وقت بھی اللہ کی یاد جاری رکھو۔

یہاں ذکر اللہ کثیرا اور تفلحون سے جو بات سمجھ آتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی معاش سے غافل نہیں ہونا چاہیے یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح پورا دن اس طرح بسر نہ کرو کہ تھوڑی دیر عبادت کی اور باقی وقت فضولیات میں گزار دیا مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ جمعہ والے دن اجتماعی عبادت سے فارغ ہو کر وقت ضائع نہ کریں، بلکہ رزق حلال کی تلاش جاری رکھیں اور ذکر و اذکار بھی ساتھ ساتھ کرتے رہیں اس کے بدلے میں دوہرا ثواب ہے کہ پاکیزہ تجارت اور عبادت دونوں مل کر باعث فلاح بنتے ہیں۔[80]

نتائج

۱۔ فوز فلاح سے مراد ایسی کامیابی ہے جس کے بعد انسان کو مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۔ دنیاوی کامیابی میں انسان مال و دولت، اولاد اور خوشحالی ہی کو اہمیت دیتا ہے مگر یہ چیزیں بالکل عارضی ہیں۔

۳۔ دنیاوی کامیابی کی ایک انتہاء ہے اس کے بعد زوال ہے، جیسے صبح وشام، ماہ وسال، بچپن، جوانی، بڑھاپا اور موت

۴۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ دنیا تو صرف ایک دھوکا ہے، اصل فلاح تو آخرت کی فلاح ہے۔

۵۔ اصل فلاح یہ ہے کہ کوئی نعمت ملنے کے بعد چھن نہ سکے۔ اس میں کمی کا اندیشہ نہیں ہوتا، ہر طلب پوری ہوتی ہے ہر طلب میں رضائے الٰہی شامل ہوتی ہے۔

حوالہ جات وحواشی

1- محمد بن مکر م بن علی ، ابن منظور ،لسان العرب، ج ۴، ص ۱۹۴، بیروت، ۱۴۱۲ھ

2- البروج ۸۵:۱۱

3- الاحزاب: 71/33۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: الجاثیة: 30/45، الدخان: 57/44، التوبۃ: 20/9، آل عمران: 185/3، الاحزاب: 71/33

4- ابوالقاسم حسین بن محمد راغب اصفہانی، مفردات القرآن، ترجمہ وحواشی: الاستاذ محمد عبدہ الفلاح فیروز پوری۔ المکتبہ القاسمیہ، جامع قدس، چوک دالگراں، لاہور۔ 1963ء-1383ھ، ص: 717، 718

5- العنکبوت: ۲۹: ۶۴

6- المجادلۃ: ۵۸: ۲۲۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: الاعلیٰ: ۸۷: ۱۴، الشمس: ۹۱: ۹، المؤمنون: ۲۳: ۱

7- مفتی شفیع، معارف القرآن، ادارہ المعارف، کراچی نمبر 16، طبع جدید، 2006ء، ص: ۱۰۲/۱

8- المؤمنون: ۲۳: ۱

9- مفتی شفیع، معارف القرآن، ج ۶، ص ۱۹۴

10- سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۲۶۰

11- البقرۃ: ۲: ۵-۱

12- اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور، 22 فیروز پور لاہور، س ا، 1983ء، ص: ۱۳۱/۶

13- مودودی، تفہیم القرآن، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، طبع ۱۹۸۶ء، ص: ۵۳/۱، ۵۲

14- اصلاحی، تدبر قرآن، ص: 121/6

15- المؤمنون ۲۳: ۲

16- پیر محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ لاہور س ا، 1402ھ، ایڈیشن پنجم، ص: 244/3

17- المؤمنون ۲۳: ۳

18- معارف القرآن، ص: ۲۹۶/۶

19- امام احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، 1398ھ، حدیث الحسین بن علی، ص: 259/3، رقم: 1737

20- معارف القرآن، ص: ۲۹۶/۶

21- المؤمنون ۲۳: ۴

22- مودودی، تفہیم القرآن، ص: ۲۶۳/۳

23- لقمان ۳۱: ۴، ۵

24- مودودی، تفہیم القرآن، ص: ۷/۴ و ۸

25- المعارج: ۳۲/۷۰ تا ۳۵

26- البھیقی، السنن الکبریٰ، باب ما جاء فی الترغیب فی اداء، ص: 288/6، 13065

27- مودودی، تفہیم القرآن، ص: ۹۲/۶

28- ضیاء القرآن، ص: ۳۶۷/۵

29- الاعراف ۷: ۱۵۷

30- المؤمنون ۲۳: ۱۶، ۵۷

31- عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی (اردو)، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، ص: ۷۰3

32- المؤمنون ۲۳: ۱۰۳، ۱۰۲

33- معارف القرآن، ص ۳۳۶/۶

34- تفسیر ماجدی، ص: ۷۰۸

35- تفہیم القرآن، ص: ۲۰۱/۳

36- الاعراف ۷: ۱۵۷

37- دریابادی، تفسیر ماجدی، ص:۳۶۱

38- ضیاء القران، ج۴، ص۸۹

39- الحج۲۲:۷۷

40- ضیاء القرآن، ص: ۲۳۶/۳

41- النور۲۴:۳۱

42- البقرۃ:۱۵۵/۲تا۱۵۷

43- النور۲۴:۵۲،۵۱

44- معارف القران، ص: ۴۳۷/۶

45- ضیاء القرآن، ص: ۳/ص۳۳۷

46- مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، ترجمہ سید صفدر حسین نجفی، مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور، ص: ۲۲۷/۶۔

47- تفہیم القرآن، ص: ۳۵۵/۶

48- تفہیم القرآن، ص: ۳۵۵/۶

49- القصص: 28/۶۷

50- شیرازی، تفسیر نمونہ، ص: ۶۷۳/۶

51- التغابن۶۴:۹

52- المجادلۃ۵۸:۲۲

53- ضیاء القرآن، ص: ۱۵۱/۵

54- تفہیم القران، ص: ۳۶۶/۵

55- تفہیم القران، ص: ۳۶۶/۵

56- الحشر۵۹:۹

57- التغابن۶۴:۱۶

58- تفسیر عثمانی، ص:۷۲۵

59- قرآن مجید ترجمہ و تفسیر، مطبع، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس وزارتِ مذہبی امور، مدینہ منورہ، سعودی عرب، ص:۱۵۵۷

60- شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی، پاک کمپنی رجسٹرڈ، لاہور، س ا، 2006ء، ص:۷۲۵

61- الشمس۹۱:۱۰،۹

62- معارف القرآن، ص۷۵۷/۸،۷۵۶

63- التوبۃ۹:۱۱۱

64- عثمانی، تفسیر عثمانی، ص:۲۷۱
65- المؤمنون ۲۳:۱۱۰،۱۰۹
66- قرآن مجید ترجمہ و تفسیر، شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس، ص:۹۶۱
67- الانعام ۶:۸۲
68- ضیاء القرآن، ص:۵۷۷/۱
69- معارف القرآن ص: ۳۸۶/۳
70- المؤمنون ۲۳:۶۰-۵۸
71- آل عمران ۳:۲۰۰
72- ضیاء القرآن، ص:۳۱۰/۱
73- آل عمران ۳:۱۳۰
74- ضیاء القران ص:۲۷۴/۱، ۲۷۳
75- المائدة ۵:۹۰
76- معارف القران، ص: ۲۲۸/۳-۲۲۷
77- الجمعة ۶۲:۱۰
78- معارف القرآن، ص:۴۴۳/۸
79- ابن ابی حاتم، المسند، الجز ۳،رقم ۴۷، ص۱۲۵، القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج۱۸،ص۱۰۹
80- معارف القرآن، ص:۴۴۳/۸

OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
mei.aiou.edu.pk
iri.aiou.edu.pk

ماخذِ قرآن پر استشراقی نظریات کا ناقدانہ جائزہ

(Critical analysis of Orientalist on *Sources of Quran*)

*** ڈاکٹر محمد شہباز منج**
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف سرگودھا
****صائمہ شہباز منج**
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف سرگودھا

ABSTRACT

Origin of the *Quran* has extensively been under discussion in orientalist studies of the *Quran*. The present article reviews their ideas on the subject. It finds that they have been of different views on the theme. Previously they, in general, had the opinion that *Quran* was not the divine revelation; it was based on Judeo-Christian sources and traditions; it was the result of *Muhammad's* desire and thoughts for restructuring his community. Later on several orientalists rejected the earlier notions confessing the *Quran* a result of God's revelation to Muhammad. This fact proves the claim of traditional prejudice of the orientalism against the Origin of the *Quran*.

Keywords: Origin of the *Quran*, different views of orientalists, Judeo-Christian sources, God's revelation.

قرآنِ کریم کے استشراقی مطالعات میں یہ سوال بہ کثرت زیرِ بحث رہا ہے کہ قرآن کس کا اور کس نوعیت کا کلام ہے ؟اس کا ماخذ و منبع کیا ہے ؟ ؛ یہ وحیِ خداوندی ہے یا دیگر مآخذ و مصادر سے ماخوذ ہے۔اس ضمن میں مستشرقین کے مختلف اور متنوع نظریات ہیں۔ جن سے زیرِ بحث تناظر میں مستشرقین کے فکری ارتقا کا سراغ ملتا ہے۔ مستشرقین کا قدیم اور عمومی و روایتی نظریہ یہ رہا ہے کہ قرآن یہودی و نصرانی مآخذ سے ماخوذ ہے۔جدید دور میں ایک نیا نظریہ سامنے آیا، جس کے مطابق قرآن محمد ﷺ کے زمانے کے حالات میں آپ ﷺ ایسے نامور مصلح کے ذہن میں اپنی سوسائٹی کی تعمیر و اصلاح کے لیے پیدا ہونے والی فکر کا نتیجہ ہے۔ لیکن بیسویں صدی اور عصرِ حاضر میں متعدد ایسے مستشرقین سامنے آئے ہیں، جنھوں نے قرآن کے وحی والہام پر مبنی ہونے کا اقرار کیا ہے۔ان سطور میں ان مختلف نظریات سے آگہی اور ان کا ناقدانہ جائزہ پیش نظر ہے۔

قدیم اور عمومی و روایتی نظریہ: یہود و نصاریٰ وغیرہ سے اخذ و استفادہ

ماخذِ قرآن کے حوالے سے مستشرقین کا قدیم اور عمومی و روایتی نظریہ یہ ہے کہ محمد ﷺ نے یہود ونصاریٰ کی کتابوں اور اہلِ عرب کے ہاں معروف قصے کہانیوں سے قرآن کا مواد اخذ کیا اور اسے اپنے الہامات کے مجموعے کی حیثیت سے اپنی قوم کے سامنے پیش کر دیا۔ یہ نظریہ مختلف استشراقی اہلِ قلم کے ہاں عام ملتا ہے۔ یہاں اسے چند نمایاں مستشرقین کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے:

جارج سیل (George Sale، 1667-1736) نے لکھا ہے کہ قرآن محمد ﷺ کی تصنیف ہے، اگرچہ اس ضمن میں دیگر افراد کی بھرپور مدد بھی لازماً آپ ﷺ کو حاصل رہی ہو گی۔ آپ ﷺ کے ہم وطنوں کا یہ دعوی کہ آپ ﷺ دوسروں سے قرآن سیکھتے ہیں، ہمارے اس نظریے کو موکد کرتا ہے۔ سیل کے الفاظ ہیں:

> "Muhammad was really the author and chief contriver of the Koran is beyond dispute, though it be highly probable that he had no small assistance in his design from others, as his countrymen failed not to object to him."[1]

> (یہ بات شک و شبے سے بالا تر ہے کہ قرآن کے مصنف اور بڑے منصوبہ ساز محمد ﷺ تھے؛ اگرچہ امکانِ غالب یہ ہے کہ انھیں اس کی ترکیب وترتیب میں دیگر افراد سے غیر معمولی مدد حاصل رہی تھی، جیسا کہ ان کے ہم وطن ان پر اس اعتراض میں چوکے نہیں)۔

جے۔ایم۔ راڈویل (J.M. Rodwell، 1808-1900) کہتا ہے کہ محمد ﷺ نے اپنے زمانے میں مشہور و مروج قصے کہانیوں سے قرآن کا مواد اخذ کیا۔ یہودیوں کی تالمود ان کا خاص ذریعہ تھی۔ علاوہ ازیں جنوبی شام کے قصے کہانیاں اور عیسائیوں کی روایات بھی قرآن کا ماخذ بنیں۔ اس دعوے کے لیے راڈویل کے پاس بھی سیل کی طرح یہ دلیل ہے کہ اہلِ مکہ حضور ﷺ کو شاعر اور قرآن کو افسانوں کا مجموعہ قرار دیتے تھے۔[2]

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مقالہ نگار نے قرآنی بیانات کو عیسائی پادریوں کے ہاں مروج روایات کی نقل ظاہر کرتے ہوئے لکھا:

> "Other motifs, such as the idea of the impending Judgment and the descriptions of paradise agree with standard topics in the missionary preaching of the contemporary Syriac church fathers. The dependence need not, however, be of a literary kind, but might be due to influence from oral traditions."[3]

(دیگر تصورات، جیسے جلد وقوعِ قیامت اور جنت کا بیان معاصر سریانی مسیحی پادریوں کے عام تبلیغی موضوعات سے مماثل ہے۔ تاہم [مسیحی رویات پر] یہ انحصار ضروری نہیں کہ ادبی نوعیت کا ہو، بلکہ یہ زبانی روایات کے اثرات کی بنا پر ہو سکتا ہے)۔

انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجین اینڈ ایتھکس کا مقالہ نگار قرآن کی بحث میں Sources کے عنوان سے قرآن کو اس کی اندرونی شہادتوں کی بنیاد پر یہودی اور عیسائی مصادر سے ماخوذ بتانے اور بعض قرآنی آیات کا بائبل کے بعض بیانات سے تقابل کرنے کے بعد قرآنی آیات کو بائبل کا محض چربہ قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

> "These are probably the only actual quotations, reproduction of matter or of phrases occurring in the OT, the NT, the Talmud, or the NT Apocryphal is found throughout the Quran, and this is at times sufficiently close to render the term 'quotation' not inappropriate."[4]

> (یہ غالباً صرف اقتباسات ہیں۔ سارے کے سارے قرآن میں عہد نامہ قدیم، عہد نامہ جدید، تالمود یا غیر مستند انجیلوں میں بیان ہونے والے بیانات کی محض نقل و تکرار ملتی ہے۔ اس لیے ان کے لیے کوٹیشن کی اصطلاح غیر مناسب نہیں)۔

رچرڈ بیل (Richard Bell، 1876-1952) نے اپنی کتاب Introduction to the Quran کے آخری باب میں Narratives کے عنوان کے تحت قرآنی قصوں کو بائبل سے ماخوذ بتانے کے ساتھ ساتھ اُن قرآنی قصوں پر قدرے تفصیلی گفتگو کی ہے جو اس کے نزدیک بائبل کی نقل یا غلط اور غیر مصدقہ روایات پر مبنی ہیں۔ بیل لکھتا ہے کہ قرآن کے کہانیوں سے متعلق حصے کا بائبل بالخصوص عہد نامہ قدیم سے ماخوذ ہونا ظاہر و باہر ہے۔[5] اس کا کہنا ہے کہ گو اس بات کا امکان موجود ہے کہ سزاوں سے متعلق کچھ کہانیاں مثلاً عاد ثمود، اور سبا عرب ذرائع سے ماخوذ ہوں یا مثلاً نوح، لوط اور فرعون سے متعلق قصے عربوں کے ہاں مروج ہوں، تاہم محمد ﷺ کی بیشتر تعلیمات یہودی و نصرانی ذرائع ہی سے اخذ شدہ ہیں۔ رچرڈ بیل مختلف قرآنی سورتوں کے حوالے سے قرآن میں مذکور انبیا علیہم السلام اور دیگر افراد کا ذکر اور انھیں بائبل سے متعلق کرنے کے ساتھ ساتھ ان اختلافات اور بزعم خویش اغلاط کی نشاندہی بھی کرتا ہے، جو بائبل اور دیگر تاریخی معلومات کی روشنی میں قرآنی بیانات کے حوالے سے سامنے آتی ہیں۔ مثلاً ہامان کو فرعون سے متعلق قرار دینا، حضرت مسیح کی والدہ اور موسیٰ کی بہن مریم کا گڈ مڈ ہو جانا۔ بیل کے خیال میں تخلیق و ہبوطِ آدم، اصحابِ کہف، قصہ خضر و موسیٰ اور ذوالقرنین وغیرہ سے متعلق قصے اس زمانے میں مروج غیر مستند اور سنی سنائی کہانیاں ہیں۔[6]

مشہور مستشرق منٹگمری واٹ(William Montgomery Watt،1909ء-2006ء) بھی جنھوں نے ، جیسا کہ بعد میں بیان ہوگا، اپنی بعد کی تحریروں میں قرآن کو وحیِ الٰہی تسلیم کر لیا تھا، ابتداءً اسے یہود و نصاری سے ماخوذ قرار دیتے تھے، انھوں نے لکھا:

> "The earliest passages of the Quran show that it stands with the tradition of Judeo-Christian monotheism with its conceptions of God, The creator, of resurrection and judgment and of revelation. In late passages the dependence on the Biblical tradition becomes even more marked, for they contain much material from the old and New Testament."[7]

> (قرآن کے ابتدائی بیانات میں خدا، توحید، وحی اور آخرت وغیرہ ایسے تصورات یہود و نصاری کے سے ہیں۔ بعد کے بیانات میں تو بائبل کی روایات پر انحصار اور بھی نمایاں دکھائی دیتا ہے؛ یہ بیانات اکثر و بیشتر عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کے مواد پر مشتمل ہیں)۔

محمد ﷺ کے یہود و نصاری سے اخذ و استفادے کے مواقع و امکانات کے سوال سے متعلق مفروضات قائم کرتے ہوئے واٹ نے لکھا کہ کئی طرح کے مواقع اور امکانات تھے: ہو سکتا ہے محمد ﷺ یہودیوں اور عیسائیوں سے ملے ہوں اور مذہبی امور پر ان سے گفتگو کی ہو۔ شام کی سرحد کے ساتھ کئی مسیحی عرب آباد تھے۔ ممکن ہے مسیحی عرب یا یمن کے حبشی تجارت کی غرض سے یا غلام بن کر مکے آئے ہوں۔ کچھ بدو قبائل اور ان کی بعض شاخیں بھی عیسائی تھیں۔ یہ عیسائی مکے کے تجارتی میلوں میں شرکت کیا کرتے ہوں گے۔ مدینے اور بعض دیگر مقامات پر بھی یہود کے بعض اہم قبائل مقیم تھے۔ لہٰذا ایسے عناصر سے گفت و شنید کے مواقع اور امکانات موجود تھے۔ خدیجہ کے عیسائی چچازاد ورقہ سے محمد [ﷺ] کی ملاقات تو ایک تاریخی حقیقت ہے۔[8]

جدید نظریہ: اصلاح معاشرہ کے لیے حضور ﷺ کی لگن کا نتیجہ

جدید دور میں یہ نظریہ سامنے آیا کہ قرآن حالات و ماحول کے فطری ردعمل اور عرب معاشرے کی تعمیر و اصلاح کے لیے محمد ﷺ کی لگن اور تڑپ کا نتیجہ ہے۔ اس ضمن میں مشہور مستشرق منٹگمری واٹ کا نام نمایاں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "…a new religion cannot come into being without a sufficient motive. In the experience of Muhammad and his early followers there must have been some need which was satisfied by the practices and doctrines of the embryonic religion."[9]

(کوئی نیا مذہب کسی ضروری محرک کے بغیر ظہور پذیر نہیں ہو سکتا۔ محمد ﷺ اور آپ [ﷺ] کے اولین پیروکاروں کے معاملے میں بھی یقینی ضرورت رہی ہوگی جسے ترقی پذیر مذہب کے عقائد ورسوم کے ذریعے پورا کیا گیا)۔

اپنے تصور پر پیدا ہونے والے اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے کہ اسلام اور وحیِ محمدی ﷺ حالات کی سازگاری اور حالات وماحول کو سنوارنے کے لیے آپ ﷺ کی مخلصانہ لگن اور تڑپ کا نتیجہ کیسے ہو سکتی ہے؟ جب کہ اسلامی نظریے کے مطابق وحی آں حضور ﷺ پر خارج سے بذریعہ جبریل وحی نازل ہوتی تھی، واٹ نے قرار دیا کہ محمد ﷺ کو اپنے کام میں مخلص سمجھا جا سکتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ آپ ﷺ اپنے عقائد میں صحیح راستے پر تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی مخلص ہو با ایں ہمہ وہ غلط راستے پر ہو۔ ممکن ہے آدمی بعض خیالات کو خارج سے آتا ہوا محسوس کرے، لیکن در حقیقت وہ اس کے اپنے ہی لاشعور سے ابھرے ہوں۔ واٹ کے الفاظ ہیں:

"To say that Muhammad was sincere does not imply that he was correct in his beliefs. A man may be sincere but mistaken...What seems to man to come from outside himself, may actually come from his unconscious."[10]

(یہ کہنا کہ محمد [ﷺ] مخلص تھے، یہ معنی نہیں رکھتا کہ آپ اپنے عقائد میں صحیح بھی تھے۔ آدمی مخلص ہونے کے باوجود غلطی پر ہو سکتا ہے...جو چیز آدمی کو خارج سے آتی ہوئی محسوس ہو، وہ فی الواقع اس کے اپنے لاشعور کی آواز بھی ہو سکتی ہے)۔

آپ ﷺ کی وحی ونبوت اور اسلام کے فروغ کو وقت کے تقاضے اور ماحول کی سازگاری سے جوڑنے کی کوشش میں واٹ اگرچہ بہت نمایاں ہیں لیکن اس ضمن میں یہ اکیلے نہیں، اور بھی متعدد مغربی اہل قلم نے اپنے اپنے انداز سے یہ نظریہ پیش کیا ہے۔ مثلاً ولیم میور پیغامِ محمدی ﷺ کی اشاعت کو احوال و ظروف کی موافقت سے یوں جوڑتا ہے کہ آپ [ﷺ] کا پیغام یہودیت کے مقابلے میں مدینے میں اس بنا پر تیزی سے پھیلا کہ یہودیت بدیسی تھی اور اسلام اہلِ عرب کے نظریات، رسوم ورواجات اور تخیلات و توہمات کے مطابق تھا۔ وہ لکھتا ہے:

"So good was the ground and the propagation so zealous, that the faith spread from house to house and from tribe to tribe. The Jews looked on in amazement. The people whom they had for ages sought in vain to convert from the errors of polytheism, were now casting

their idols to the moles and to the bats, and professing belief in the One only God. The secret lay in the aptness of the instrument.It was native and congenial. Judaism, foreignin its birth, touched no Arab sympathies. Islam, graftedon the faith and superstition, the customs and nationality of the Arabs, gained ready access to their heart."[11]

(حالات اتنے ساز گار تھے اور دعوت و تبلیغ اتنی پر جوش تھی کہ اسلام گھر گھر اور قبیلہ قبیلہ پہنچ گیا۔ یہودی حیرت زدہ تھے، جن لوگوں کو بت پرستی سے نکالنے کے لیے ان کی زمانوں کی محنت کار گر نہ ہو سکی تھی، اب وہ بتوں کو پھینک کر توحیدِ خداوندی کا اقرار کر رہے تھے۔ کامیابی کا راز آلے کے صحیح استعمال میں مضمر تھا۔ اسلام مقامی اور مزاج سے ہم آہنگ تھا۔ یہودیت اپنی اصل کے اعتبار سے بدیسی تھے، لہٰذا وہ عربوں کی ہمدردیاں حاصل نہ کر سکی۔ اسلام عربوں کے عقائد و نظریات، توہمات اور رسوم ورواجات پر مبنی تھا، سو وہ جلد ہی ان کے دلوں میں جا گزیں ہو گیا)۔

ایچ ۔اے ۔آر۔ گب (Hamilton Alexander Rosskeen Gibb، 1895-1971) نے کہا کہ حضور [ﷺ] کی کامیابی اور طلوعِ اسلام دراصل مکہ اور مدینہ میں آپ [ﷺ] کی سخت مخالفت کا ردِ عمل ہے۔اس کے الفاظ ہیں:

"Mohammad was not at the outset the conscious preacher of a new religion. It was opposition and controversy with the Meccans that forced him on from stage to stage, as it was the later opposition in Medina that led to the final emergence of Islam as a new religious community with its distinctive faith and institution."[12]

(محمد ﷺ ابتدا میں شعوری سطح پر نئے دین کے داعی نہ تھے، یہ اہلِ مکہ کی مخالفت اور دشمنی تھی جس نے آپ ﷺ کو رفتہ رفتہ اس پر مجبور کیا۔ بعد ازاں مدینے میں آپ ﷺ کی مخالفت ایک نئے صاحبِ عقیدہ و نظم مذہبی معاشرے کی صورت میں اسلام کے ظہور پر منتج ہوئی)۔

جدید تر نظریہ: وحی والہامِ الٰہی

ماخذِ قرآن کے حوالے سے بہت سے مغربی اہلِ قلم نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ قرآن یہود و نصاریٰ کی کتب سے ماخوذ، سنی سنائی باتیں اور کہانیاں یا حضور ﷺ کی اصلاحِ معاشرہ کی خواہش کا داخلی اظہار نہیں بلکہ وحی الٰہی اور کلامِ خداوندی ہے۔ان مغربی اہلِ قلم میں سے متعدد نے قرآن کو کلامِ خدا اور ایک مقدس مذہبی کتاب کی حیثیت سے نہ ماننے کی مغربی نفسیات کا تجزیہ کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ دراصل مغرب کے ذہن میں خدائی اور مذہبی متن کا تصور صرف وہی ہے جو انھیں بائبل کی شکل میں ملتا ہے، حالانکہ قرآن کا معاملہ اس سے یکسر مختلف ہے۔اہلِ مغرب قرآن کی الہامی و مذہبی حیثیت کو جب بھی تسلیم کر سکتے ہیں، جب وہ عربی زبان، اس کی روایات اور انداز واسلوب کو سمجھیں؛ تعصب سے آزاد ہوں، بائبل کے علاوہ بھی کسی متن کے الہامی ہونے کا امکان سامنے رکھیں۔ کیرن آرمسٹرانگ (Karen Armstrong، پیدائش 1945ء) قرآن کی الہامی حیثیت کا اقرار اور قرآن کے ضمن میں مغرب کے افکار و خیالات اور اوہام و تعصّبات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> "…it reveals the Creator rather than His Messenger… Western people find this very difficult book to understand. We have seen that even the likes of Gibbon and Carlyle, who were reasonably sympathetic to Islam, were baffled by the Quran. This, of course, is not particularly surprising. It is always difficult to appreciate holy books of other cultures. "[13]

> …یہ پیغمبر سے زیادہ خدا کا مظہر ہے…اہلِ مغرب اسے مشکل الفہم محسوس کرتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ گبن اور کارلائل ایسے لوگ بھی —جو اسلام کے حوالے سے کافی ہمدردانہ خیالات کے حامل تھے— قرآن سے پریشان ہوگئے تھے۔یہ کوئی بہت حیران کن بات نہیں، دوسری تہذیبوں کی مقدس کتابوں کی تحسین مشکل ہی ہوتی ہے۔

کارل ارنسٹ (Carl W Ernst، پیدائش 1950ء) نے مغرب کے بائبل کے مقابلے میں قرآن کی الہامی حیثیت کو تسلیم نہ کرنے پر اپنے ذاتی تجربے کے حوالے سے نقد کرتے ہوئے لکھا ہے:

> " I recall when, as a graduate student at Harvard, I first went to the Widener Library to do some research on the Quran. Much to my surprise, the card catalog listing for the Qur'an gave a cross-reference to Muhammad as the author of the text. In contrast, the Bible was listed without any author. This library listing created a subtle contrast; while the Bible may have been of divine origin,

the Quran was viewed as the composition of a human being.”[14]

(مجھے یاد ہے جب میں ہاورڈ یونیورسٹی کے گریجویٹ سٹوڈنٹ کی حیثیت سے قرآن پر کچھ تحقیق کے سلسلے میں پہلی دفعہ واڈنز لائبریری گیا تھا۔ میرے لیے یہ امر سخت حیران کن تھا کہ قرآن کی فہرست والے کارڈ کیٹیلاگ میں قرآن کو محمد ﷺ کی تصنیف ظاہر کیا گیا تھا۔ اس کے برعکس بائبل کا ذکر بغیر کسی مصنف کے تھا۔ لائبریری کی اس فہرست نے واضح تضاد پیدا کر دیا تھا، یعنی بائبل وحی خداوندی ہو سکتی تھی، لیکن قرآن محمد ﷺ کی تالیف تھا)۔

بائبل کو الہامی اور قرآن کو کلامِ محمد ﷺ قرار دینے کے مغربی رویے کی وجہ بتاتے ہوئے ارنسٹ نے واضح کیا ہے کہ دراصل قرآن کے معاملے میں مغرب یہ غلطی کرتا ہے کہ وہ اسے ایک عام کتاب کی طرح لیتا یا بائبل کے اسلوبِ بیان و ترتیب پر قیاس کرتا ہے۔ حالانکہ قرآن عام کتاب ہے اور نہ بائبل کی طرح اسے مختلف ادوار میں مختلف لوگوں نے ترتیب دیا ہے۔ یہ محمد ﷺ پر تئیس سالہ وحی کا مجموعہ ہے اور ایک متن کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں مختلف و متعدد لوگوں کی تصنیف ہونے کا شائبہ تک نہیں۔ اس کے الفاظ ہیں:

“It is, in fact, difficult to read the Qur’an as if it were an ordinary book. Its composition is very different from that of the Hebrew Bible or the New Testament; regardless of one’s view of revelation, both of these texts contain multiple documents of different types assembled over a period of time by different hands. The Hebrew Bible contains extensive narratives and histories, together with prophetic writings, poetry, and didactic literature. The New Testament has four gospels by different writers describing the life of Jesus, the pastoral letters of St. Paul and others, a history of the early Christian community in Acts of the Apostles, plus the apocalyptic Book of Revelation. In the case of the Christian scriptures, their selection and inclusion in the Bible (and the rejection of other writings) was the work of church councils. In contrast, the Qur’an is widely accepted as the accumulated revelations of the twenty-three years of the Prophet Muhammad’s career, and it therefore is much more homogeneous as a text, with no signs of multiple authorship. ”[15]

(درحقیقت قرآن کو ایک عام کتاب طور پر پڑھنا مشکل ہے۔ اس کی ترتیب عبرانی بائبل اور عہد نامہ جدید سے یکسر مختلف ہے۔ کسی کے تصورِ وحی سے قطع نظر، یہ دونوں متون مختلف طرح کی متنوع دستاویزات پر مشتمل ہیں؛ جنھیں ایک طویل عرصے کے دوران مختلف لوگوں نے جمع کیا۔ عبرانی بائبل بہت سے قصوں کے ساتھ ساتھ تاریخ ، پیغمبرانہ تحریروں ، شاعری اور اخلاقی ادب پر مشتمل ہے۔ عہد نامہ جدید کی چار اناجیل ہیں، جنھیں مختلف افراد نے مرتب کیا؛ یہ حیاتِ مسیح ، سینٹ پال اور دیگر کے صحرائی خطوط، پیغمبروں کی سیرت میں ابتدائی مسیحیت کی تاریخ بمع کتابِ وحی و قیامت کا مجموعہ ہے۔ مسیحی کتابوں کا معاملہ یہ ہے کہ ان کا انتخاب اور ان کی بائبل میں شمولیت (اور دیگر تحریروں کا مسترد کیا جانا) چرچ کونسل کا انجام دیا ہوا کام ہے۔اس کے بر عکس قرآن محمد ﷺ کے مشن کے تئیس سال کے دوران نازل ہونے والی وحی کا مجموعہ ہے؛ اس لیے یہ متن کے لحاظ سے بہت زیادہ یکسانیت کا حامل ہے ؛ جس میں مختلف مصنفین کی تصنیف ہونے کی کوئی علامت نہیں پائی جاتی)۔

منٹگمری واٹ، جنھوں نے قرآن کو یہود ونصاریٰ کی کتب سے ماخوذ قرار دیا تھا، بھی بالآخر اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ قرآن یہودی و مسیحی روایات پر مبنی نہیں بلکہ وحیِ الٰہی کا نتیجہ ہے۔ یہ دینِ ابراہیمی کی سچائیوں کو مستعار لے کر نہیں، اللہ تعالیٰ سے حاصل کر کے پیش کرتا ہے۔ان کے الفاظ ہیں:

"When it realized how little was known by Muhammad and the Meccan Arabs of the Jewish and Christian religions, the remarkable achievement of the Quran can be recognized. It may be said that it presents in its own way all the main truths of the religion of Abraham, which is followed also by Jews and Christians. I maintain that the only reasonable explanation of this fact is that Muhammad was as truly inspired by God as were the Old Testament prophets. "[16]

(اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ محمد ﷺ اور مکے کے عرب یہودی و مسیحی مذاہب سے کس قدر کم واقفیت رکھتے تھے، تو قرآن کی غیر معمولی کامیابی کو سمجھا جاسکتا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ دینِ ابراہیم کے حقائق کو اپنے انداز سے پیش کرتا ہے؛ جن کے یہود ونصاریٰ بھی پیروکار تھے؛ لیکن میرا خیال ہے کہ اس حقیقت

کی سب سے معقول توجیہ یہی ہے کہ محمد ﷺ وحیِ خداوندی کے حامل تھے؛ ایسے ہی جیسے عہد نامہ قدیم کے پیغمبر)۔

قرآن پیش ہونے والے حقائق کے تناظر میں قرآن کی حقانیت کا اقرار کرتے ہوئے واٹ نے ایک اور مقام پر تحریر کیا:

"...these points lead to the conclusion that the view of reality presented in the Qur'an is true and from God,... "[17]

(یہ نکات اس نتیجے پر پہنچاتے ہیں کہ قرآن میں پیش کردہ تصورِ حقیقت سچائی پر مبنی اور منجانب اللہ ہے...)

واٹ سے پہلے کے کئی اور مستشرقین کے ہاں بھی اس حقیقت کا اعتراف پایا جاتا ہے۔ مثلاً برطانوی مستشرق آر سی زائینر (Robert Charles Zaehner، 1913-1974) نے لکھا:

"The Quran is in fact the quintessence of prophecy. In it you have, as in no other book, the sense of an absolutely overwhelming Being proclaiming Himself to a people that had not known Him. "[18]

(قرآن رسالت کا جوہر ہے۔ اس میں آپ کو کسی بھی دوسری کتاب سے بڑھ کر ایک ایسی قادرِ مطلق ہستی کا احساس ہوتا ہے جو خود سے غافل لوگوں کو اپنا تعارف کروا رہی ہے)۔

ماخذِ قرآن پر استشراقی نظریات کا جائزہ

ماخذِ قرآن کے حوالے سے اوپر ذکر کردہ استشراقی نظریات سے واضح ہے کہ مستشرقین کے ہاں زیر بحث تناظر میں مختلف ادوار میں اور مختلف اہلِ قلم کی طرف سے مختلف نظریات پیش کیے جاتے رہے ہیں۔ عمومی طور پر انھوں نے قرآن کی الہامی حیثیت کا انکار کیا اور اسے یہود و نصاریٰ سے ماخوذ یا اپنے معاشرے کی اصلاح کے لیے محمد ﷺ کی فکر و خواہش کا نتیجہ باور کرانے کی کوشش کی۔ لیکن ان کہی کی صفوں میں کئی لوگ ایسے بھی سامنے آئے جنہوں نے قرآن کو وحی الٰہی تسلیم کیا۔ اس طرح قرآن کے ماخذ سے متعلق ان کے نظریات میں ایک ارتقا واقع ہوا ہے، ان کے بہت سے محققین کو قرآن کی الہامی حیثیت کے انکار کے عمومی استشراقی موقف سے اختلاف کرنا پڑا ہے۔ اگرچہ خود مستشرقین ہی کے نمایاں افراد کی طرف سے قرآن کے الہامی ہونے کا اقرار اس کے مخالف استشراقی نظریات کی تردید نہایت موثر طریقے سے کر رہا ہے، پھر بھی مخالفین کی غلطی اور اس کے اسباب و وجوہ کی تحقیق ضروری معلوم ہوتی ہے۔ ذیل کی سطور میں اس ضمن میں اہم نکات پیش کیے جاتے ہیں:

مغربی اہلِ قلم کے پاس قرآن کو یہود ونصاریٰ سے ماخوذ بتانے کے لیے سب سے بڑی بنیاد یہ ہے کہ اس میں پچھلی کتابوں کے واقعات مذکور ہیں؛ بہت سی ایسی باتیں جو بائبل میں موجود ہیں قرآن نے بھی بیان کیں ہیں۔ حالانکہ بائبل کی باتیں مذکور ہونے کی بنا پر کسی بھی منطق اور تجزیے کی رو سے قرآن کو غیر الہامی نہیں ٹھرایا جاسکتا۔ اگر اصول یہ ہے تو عہد نامہ جدید کو بھی غیر الہامی قرار دینا پڑے گا؛ کیونکہ اس نے کثرت کے ساتھ عہد نامہ قدیم کی باتیں دہرائی ہیں۔ اگر عہد نامہ جدید عہد نامہ قدیم کے واقعات ذکر کرنے سے غیر الہامی نہیں ہو جاتا تو قرآن ان دونوں کے واقعات ذکر کرنے سے غیر الہامی کیسے قرار دیا جاسکتا ہے، بالخصوص جبکہ اس نے جگہ جگہ اس بات کا اقرار و اعلان کیا ہے کہ وہ پچھلی الہامی کتب کی تصدیق کرتا ہے، اور وہی تعلیمات پیش کرتا ہے، جو پچھلے انبیا علیہم السلام نے پیش کی ہیں۔ ہاں البتہ اس نے اس بات کا بھی واضح اعلان کیا ہے کہ وہ پچھلی کتابوں کا محافظ بھی ہے اور ان کے ماننے والوں کی طرف سے ان میں کی گئی تحریفات کی نشاندہی اور ان تحریفات کے نتیجے میں ان میں راہ پاجانے والی غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ﴾[19]

(اور ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی، اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر محافظ و نگہبان ہے)۔

مستشرقین اس مھیمن کتاب کے ان بیانات کو غلط کہہ کر رد کر دیتے ہیں جو پچھلی کتابوں سے مختلف ہیں یا ان میں مذکور نہیں ہیں لیکن یہ سطحی اور غیر علمی دعوی کرتے وقت وہ اس حقیقت کو یکسر نظر انداز کر جاتے ہیں کہ پچھلی کتب کا محرف ہونا ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جس سے کوئی بھی حق پسند محقق کبھی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ یہاں اس ضمن میں مغرب ہی کے ایک محقق ڈاکٹر موریس بکائی (Maurice Bucaille، 1920-1998) کا حوالہ دیا جاتا ہے۔[20] ڈاکٹر موریس بکائی نے The Bible The Quran one Science میں نہایت محکم دلائل سے ثابت کیا ہے کہ بائبل بہت کچھ تحریف ہو چکی ہے اور اس کو کسی طور غیر محرف قرار نہیں دیا جاسکتا[21]۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بکائی نے بھی بائبل کی غلطیاں مسلمانوں کے حوالے سے نہیں، عیسائی مصنفین ہی کے حوالے سے گنوائی ہیں۔ وہ ایک جگہ اپنی کتاب میں اس نوع کے تفصیلی حوالوں کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "As we have already seen in the proceeding chapter, historical errors were found in the Bible and we have quoted several of these pinpointed by Jewish and Christian experts in exegesis. "[22]

(جیسا کہ اس باب میں ہم نے قبل ازیں دیکھا، بائبل میں تاریخی غلطیاں موجود ہیں؛ ہم نے ان غلطیوں میں سے متعدد کے حوالے بھی دیے ہیں؛ جن کی نشان دہی یہودی اور مسیحی ماہرین نے تفسیروں میں کی ہے)۔

موصوف نے ثابت کیا ہے کہ عہد نامہ قدیم صدیوں کے رد وبدل اور اضافے کے ذریعے بتدریج موجودہ مجموعے کی صورت میں تشکیل پذیر ہوا ہے۔[23] اور عہد نامہ جدید سے متعلق بھی اس حقیقت پر کسی حیرت واستعجاب کے اظہار کی ضرورت نہیں کہ راویانِ انجیل یسوع کی زندگی کے بعض واقعات کو ایک ذاتی نقطہ نظر کے تحفظ کی خاطر توڑ مروڑ کر پیش کر دیا کرتے ہیں، اور اناجیل میں مذکور دیگر متعدد واقعات بھی واضح طور پر فرضی نوعیت کے حامل ہیں۔[24] یوں یہ بات متحقق ہو جاتی ہے کہ قرآن نے جہاں جہاں بائبل سے اختلاف کیا وہاں وہاں اس نے دراصل بائبل میں راہ پا جانے والی غلطیوں کی اصلاح کر کے کتبِ سابقہ پر اپنے مھیمن ہونے کا حق ادا کیا ہے۔ اگر اہلِ کتاب نے اپنی کتابوں میں تحریف نہ کی ہوتی تو آج بائبل اور قرآن میں کوئی تضاد نظر نہ آتا۔ مستشرقین مشرکینِ مکہ کی تقلید میں بوکھلاہٹ کا شکار ہو کر یہ دعوی کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مختلف افراد مثلاً بحیری و نسطورا راہب اور ورقہ وغیرہ سے معلومات اخذ کیں۔ مستشرقین کے افکار سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ نہ صرف مستشرقین کے اس اعتراض کی نوعیت مشرکینِ مکہ سے ملتی جلتی ہے بلکہ انھوں نے نہایت دھڑلے سے اپنے نقطہ نظر کی تائید کے لیے مشرکینِ مکہ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مستشرقین تکذیبِ قرآن کی غرض سے وہ بودہ الزام بھی عائد کر گئے ہیں جو مشرکینِ مکہ سے بھی نہ بن پڑا تھا، ورقہ، بحیری اور نسطورا سے قرآن سیکھنے کا الزام تو مشرکینِ مکہ نے بھی حضور ﷺ پر عائد نہیں کیا تھا۔ مشرکینِ مکہ کہا کرتے تھے کہ بلعام لوہار یا فلاں فلاں عجمی غلام حضور ﷺ کو قرآن سکھاتا ہے اور قرآن نے ان کی اس یاوہ گوئی کے جواب میں فرمایا تھا:

﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ﴾۔[25]

(ہمیں بخوبی علم ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اسے کوئی آدمی (قرآن) سکھاتا ہے، (حالانکہ) جس کی طرف نسبت کر رہے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ واضح عربی زبان ہے)۔

یعنی اے اہلِ قریش ذرا عقل کے ناخن لو! کیا یہ ممکن ہے کہ جس عربی کلام کی عظمتوں کو تمہارے ولید بن مغیرہ اور لبید بن ربیعہ جیسے زبان آور، قرآن سے اپنی تمام تر دشمنی اور تعصب کے باوصف سلام کرتے ہیں، وہ کسی عجمی کی تعلیم سے وجود میں آیا ہو! کیا مردانِ حر کو زندگی کے گر سکھانے والا قرآن حکیم ان غلاموں کے ذہن کی اختراع ہو سکتا ہے، جنہیں اپنے مالکوں کی خدمت ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ یوں قرآن نے مشرکینِ مکہ کے مذکورہ غلط اور فضول اعتراض کی قلعی کھول کر رکھ دی۔ مستشرقینِ مغرب نے آنکھیں بند کر کے مشرکینِ

مکہ ہی کی طرح یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضور ﷺ نے فلاں فلاں لوگوں سے قرآن اخذ کیا۔ لیکن اپنے تخیل کی بلند پروازی اور جدیدیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ اعتراض بھی جڑ دیا جو کفارِ مکہ نے اپنے متذکرہ اعتراض سے بھی بے تکا اور یکسر نہ چل سکنے والا جھوٹ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا؛ کیونکہ اگر کسی دل میں اس سلسلے میں ادنی شک اور وہم بھی ڈالا جا سکتا کہ حضور ﷺ نے اہلِ کتاب یا عیسائی راہبوں سے قرآن سیکھا ہے تو کفارِ مکہ، جنہیں قرآن کو جھوٹا ثابت کرنے کی مستشرقین سے بے انتہا زیادہ ضرورت تھی، اور جو قرآن کی تردید کے لیے رائی کا پہاڑ بنانے میں ذرا تامل نہ کرتے تھے، کبھی اسے نظر انداز نہ کرتے۔ چنانچہ مستشرقین کا یہ اعتراض ایک تو اس بنا پر بھی بدیہاً غلط ٹھہرتا ہے کہ اگرچہ کفارِ مکہ نے حضور ﷺ پر دوسروں سے قرآن سیکھنے کا الزام لگایا تاہم انھوں نے کبھی یہ اعتراض نہ کیا کہ آپ نے ورقہ، بحیرہ، یا نسطورا وغیرہ اہلِ کتاب سے قرآن سیکھ لیا ہے۔ دوسرے مستشرقین کے اس الزام کی تردید قرآن حکیم کی مذکورہ بالا آیت ہی میں مضمر ہے۔ قرآن نے گویا کفارِ مکہ سے سوال کیا تھا کہ جن لوگوں کی طرف تم قرآن سکھانے کی نسبت کرتے ہو کیا وہ قرآن جیسی فصیح و بلیغ اور علوم و معارف کی جامع کتاب پیش کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں؟ اسی آیت کی روشنی میں ہم مستشرقین سے سوال کرتے ہیں کہ کیا بحیری، نسطورا اور ورقہ وغیرہ کو وہ علوم و معارف حاصل تھے، جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں؟ پھر اہل کتاب اور عیسائی راہبوں سے آپ کی ملاقاتیں ڈھکی چھپی نہیں بلکہ تاریخ کا حصہ ہیں۔ کوئی عقلمند آدمی باور نہیں کر سکتا کہ ان مختصر اور معمولی ملاقاتوں میں اہلِ کتاب اور عیسائی راہبوں نے آں حضور ﷺ کو قرآن میں جگمگ کرتے علوم و معارف کے بے مثل موتیوں سے بہرور کر دیا ہو گا۔ قرآن کے یہود و نصاری اور بائبل سے ماخوذ ہونے کے استشراقی الزام کی قلعی ڈاکٹر موریس بکائی کے اس بیان سے خوب کھل جاتی ہے جس کے مطابق مغرب کے یہودی نصرانی اور دہریے بغیر کسی ادنی شہادت کے یہ دعوی کر دیتے ہیں کہ قرآنی بیانات اور قصص بائبل کی نقل ہیں۔ لیکن یہ دعویٰ ایسی ہی کم عقلی اور نادانی ہے جیسے یہ کہا جائے کہ حضرت مسیح نے خود اپنے مواعظ کے دوران عہد نامہ قدیم سے تحریک پا کر اپنے ہمعصروں کو اُلو بنایا تھا۔[26] وہ قرآنی قصص اور تاریخی بیانات جو بائبل سے مختلف یا متصادم ہیں، ان سے متعلق مستشرقین نے یہ اعتراض کیا کہ یہ ان گری پڑی، غلط سلط اور غیر صحیح معلومات پر مبنی ہیں جو آں حضور ﷺ نے ادھر ادھر سے سن لی تھیں۔ لیکن اس اعتراض کی حقیقت بائبل کی تحریف سے متعلق پیش کردہ ان گزارشات سے واضح ہو جاتی ہے جو چند سطور اوپر درج کی گئی ہیں۔ جب بائبل ہے ہی محرف، تو اس سے اختلاف کہ بنا پر قرآن کیونکہ موردِ الزام ٹھہر سکتا ہے۔

قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کے نوع بنوع دلائل میں سے صرف تین دلیلوں ہی پر غور کر لیا جائے تو اس کا الہامی ہونا مبرہن ہو جاتا ہے۔ ایک دلیل اس کا اعجاز ہے؛ اور یہ اعجازِ قرآنی کوئی باریک اور پیچ در پیچ موشگافیوں پر مبنی دعوی نہیں۔ قرآن کھلے عام اور جگہ جگہ کہہ رہا ہے کہ وہ ایک بے مثل اور معجزانہ کلام ہے اور کسی انسان کے بس میں نہیں کہ اس کی مثال پیش کر سکے۔ وہ اپنے اعجاز کو اپنے نزول کے وقت سے لے کر قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے اپنے وحیِ خداوندی ہونے کے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتا ہے۔

وہ انسانی علوم و فنون کے تمام شعبوں کے ماہرین کے لیے چیلنج ہے؛ جن کو اپنی زبان دانی اور فصاحت پر ناز تھا، انہیں اس کی فصاحت و بلاغت اپنی مثل پیش کرنے کا چیلنج کر رہی ہے؛ جو اپنی کہانت اور مستقل بینی پر نازاں تھے ،ان سے اس کے مستقبل کے متعلق بیانات سوال کر رہے ہیں کہ کیا تاریخ کسی ایسے کاہن کو جانتی ہے جس کی مستقبل کے متعلق پیشگوئیاں اسی طرح صحیح ثابت ہوئی ہوں جس طرح اس کی پیشگوئیاں حرف بحرف سچ ثابت ہوئی ہیں؛ جو لوگ فلسفۂ یونان پر نازاں تھے ان کے سامنے وہ فلسفۂ یونان کے غلط نظریات کا پردہ چاک کر کے اپنی عظمت وجلالتِ قدر کا ثبوت مہیا کر رہا ہے۔ موجودہ ترقی یافتہ دور میں جن لوگوں کو اپنی سائنسدانی پر ناز ہے انہیں وہ باور کراتا نظر آتا ہے کہ تم نے جن حقیقتوں کا انکشاف آج کیا ہے میں نے ان میں سے بہت سی حقیقتوں کو اپنے پیروکاروں کو اس زمانے مین آگاہ کر دیا تھا جب ان کا تصور تک آدمی کے حاشیۂ خیال میں نہ تھا۔ الغرض قرآن کا چیلنج کہ :

﴿اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ﴾۔[27]

(اور اگر تمہیں اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو تم بھی اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ اور اللہ کے علاوہ اپنے مددگاروں کو بھی بلالو، اگر تم سچے ہو)۔

جس طرح لبید بن ربیعہ اور ولید بن مغیرہ جیسے فصیح اللسان عربوں کے لیے تھا اسی طرح عصر حاضر کے ماہرینِ علوم و فنون اور سائنسدانوں کے لیے بھی ہے، لیکن آج تک کوئی انسان اس کے چیلنج کا جواب پیش کر کے اس کا غیر الہامی ہونا ثابت نہیں کر سکا۔ یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں ہے ،بلکہ اس کی پشت پر محکم اور ناقابلِ تردید دلائل ہیں۔ یہاں مختصراً چند ایک کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ پہلی دلیل قرآن کا مانا ہوا معجزانہ اسلوب اور تاثیر ہے۔ قرآن حکیم کے پہلے مخاطب عرب تھے۔ قرآن نے انھیں چیلنج دیا کہ اگر تم اس کے وحیِ الٰہی ہونے کا انکار کرتے اور اسے انسانی ذہن کی اختراع قرار دیتے ہو تو اس جیسی کتاب بنا کر پیش کرو۔ اگر یہ نہیں کر سکتے تو اس جیسی دس سورتیں ہی لے آو۔ اگر یہ بھی نہیں تو اس جیسی ایک ہی سورت ہی بنالو۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ وہ عرب جنہیں اپنی فصیح البیانی اور قادر الکلامی پر ناز تھا، قرآن کے مقابلے میں ایک سورت بھی پیش کرنے سے عاجز آگئے۔ ان لوگوں نے آں حضور ﷺ کو زک پہنچانے اور قرآن کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے ہر حربہ آزمایا۔ قرآن کو سحر و کہانت اور آں حضور ﷺ کو ساحر و کاہن کہا لیکن وہ اتنا نہ کر سکے کہ قرآن کے مقابلے میں چند جملے پیش کر دیتے۔ یہی نہیں کہ وہ قرآن کے مقابلے میں اپنے عجز و درماندگی پر ہی خاموش بیٹھ گئے بلکہ قرآن کے اسلوب و تاثیر نے ان کے دلوں کو یوں اپنی گرفت میں لیا کہ بڑے بڑے دشمنوں نے بھی اس کے معجزہ ہونے کا اعتراف کر لیا۔ خود جارج سیل نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے :

"میں متعدد مثالوں میں سے ایک مثال یہ ظاہر کرنے کے لیے پیش کرتا ہوں کہ قرآن کے اسلوب کی تعریف میں وہ لوگ بھی رطب اللسان تھے جو اس کتاب کے متعلق فیصلہ کرنے کے لیے واقعی موزوں جج قرار پاتے ہیں۔ لبید بن ربیعہ جو محمد ﷺ کے زمانے میں عظیم عرب شعرا میں سے ایک تھا، کی ایک نظم خانہ کعبہ کے دروازے پر آویزاں کی گئی تھی اور خانہ کعبہ کے دروازے پر آویزاں ہونا ایک ایسا اعزاز تھا جو صرف ان ہی ادب پاروں کو نصیب ہوتا تھا جن کے مقابلے کی دوسرے شعرا میں ہمت نہ ہوتی تھی۔ لیکن جلد ہی لبید کی نظم کے ساتھ قرآن حکیم کی دوسری سورت آویزاں کر دی گئی۔ لبید اس سورت کی ابتدائی آیات پڑھ کر ہی اس کے لیے سراپا تعریف بن گیا اور فوراً اس دین پر ایمان لے آیا، جس کی تعلیم وہ سورت دے رہی تھی اور ساتھ ہی یہ اعلان کر دیا کہ یہ کلام صرف ایسے شخص ہی کی زبان سے نکل سکتا ہے جس پر خدائی وحی آتی ہو"[28]

-

عتبہ بن ربیعہ قریش کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھا۔ اہلِ قریش نے اسے اس زمانے کے مروجہ علوم و فنون مثلاً سحر کہانت اور شاعری وغیرہ میں یگانہ روزگا ہونے کی بنا پر آں حضور ﷺ سے مصالحت کی گفتگو کے لیے منتخب کیا۔ وہ حضور ﷺ سے گفتگو کے لیے آیا۔ اس کی بات ختم ہوئی تو حضور ﷺ نے سورۃ السجدہ کی تلاوت شروع کر دی۔ جب آپ ﷺ سورہ مذکورہ کی آیت تیرہ[29] پر پہنچے تو عتبہ کانپ اٹھا اور حضور ﷺ کے دہنِ مبارک پر ہاتھ رکھ کر رحم کی التجا کرنے لگا۔ جب اپنی قوم میں واپس آیا تو ان سے گویا ہوا:

کلمنی بکلام واللہ ما سمعت اذنای مثلہ قط فما دریت ما اقول لہ۔[30]

خدا کی قسم محمد ﷺ نے مجھے ایسا کلام سنایا ہے کہ میرے کانوں نے آج تک وہ کلام نہیں سنا۔ میری سمجھ میں ہی کچھ نہ آیا کہ میں اس کا کیا جواب دوں۔

ولید بن مغیرہ قرآن کا ایک بہت بڑا دشمن تھا۔ اس کی قادر الکلامی کی دھوم پورے مکے میں تھی۔ اس کے چچا ابو جہل نے اسے قرآن کی عظمتوں کے سامنے سرنگوں ہوتا دیکھ کر اسے تنبیہ کرنا چاہی تو اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم تم میں سے کوئی بھی اصنافِ سخن کا مجھ سے زیادہ شناسا نہیں لیکن محمد ﷺ جو کلام پیش کرتے ہیں اس کا تعلق ان اصناف میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں۔ یہ حق ہے اور بہت عظیم کلام ہے۔ یہ غالب آنے والا ہے مغلوب ہونے والا نہیں۔[31] اس قسم کے اور بھی متعدد واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے بڑے بڑے فصیح و بلیغ ادبا و شعرا نہ صرف یہ کہ قرآن کا معارضہ کرنے میں ناکام رہے بلکہ اس کی اثر انگیزی اور عدم مثلیت کا قولی و عملی اعتراف و اقرار کرنے پر بھی مجبور ہوئے۔ قرآن کے اعجاز کے منکر اور اسے

حضور ﷺ کا کلام کہنے والے مستشرقین ذرا سوچیں کہ کیا کسی انسانی کلام کے بارے میں اس کے کٹر مخالفین اس طرح کے اعتراف واقرار پر مجبور ہوئے ہیں۔

دوسری دلیل قرآن حکیم کی وہ پیش گوئیاں ہیں جو حرف بحرف پوری ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں ، یہاں سب کا استقصا تو ممکن نہیں، چند ایک کا اشارتاً ذکر کیا جاتا ہے۔ قرآن نے پیش گوئی کی:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾۔[32]

(کہیے ! اگر انسان اور جن اس پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل لے آئیں تو نہیں لا سکیں گے ، اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں)۔

چودہ صدیاں گزر گئیں۔ قرآن کا جواب کوئی پیش نہ کر سکا ،اور نہ قیامت تک کر سکے گا۔ قرآن نے رومیوں کے دس سال کے اندر ایرانیوں پر غالب آجانے کی اس وقت پیش گوئی کی جب رومی ایرانیوں سے سخت مغلوب ہو چکے تھے اور یہ پیشگوئی قطعی ناقابلِ یقین لگتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ابی بن خلف نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے شرط لگا لی لیکن تاریخ شاہد ہے کہ ٹھیک سات سال بعد قطعی غیر متوقع طور پر رومی ایرانیوں پر غالب آگئے۔

قرآن نے کہا تھا کہ یہ کلام تبدیلی و تحریف سے محفوظ رہے گا؛ باطل اس میں کسی طور راہ نہ پا سکے گا:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾۔[33]

ہم نے ہی اس ذکر (یعنی قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں

﴿لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ﴾۔[34]

(باطل اس کے آگے سے آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے کہ یہ حکیم و حمید کا نازل کردہ ہے)۔

اور اہلِ تحقیق کے ہاں یہ امر مسلم ہے کہ قرآن میں آج تک شوشہ بھر کی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ وعلی ہذا القیاس فتح مکہ کی خبر ، یہودیوں کی تمنائے موت نہ کرنے کی پیشگوئی، مسلمانوں کی عسکری کامرانیوں کی پیشگوئی ، جنگ بدر سے متعلق پیشگوئی اور بہت سے دیگر پیشگوئیاں ایسی ہیں جو حرف بحرف پوری ہوئیں۔ یہی نہیں بلکہ بہت سی پیش گوئیاں ایسی ہیں جو آیندہ زمانے میں پوری ہوں گی۔ مستقبل کے متعلق خبر دینا چونکہ انسانی عقل کے دائرے سے باہر ہے اس لیے اگر کوئی کتاب مستقبل کے متعلق بے شمار پیشگوئیاں کرے اور ان میں سے اکثر انہی لوگوں کے سامنے پوری ہو جائیں جن کے سامنے یہ پیشگوئیاں کی گئی تھیں، تو اس سے اس نتیجے پر پہنچنا مشکل نہیں کہ وہ کتاب کسی انسانی ذہن کی اختراع نہیں ہو سکتی۔ قرآن کا معاملہ یہی ہے ۔ اس کی اکثر پیشگوئیاں اس کے اولین مخاطبوں کے سامنے ہی پوری ہو گئیں اور کئی پیش گوئیاں مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ پوری ہو رہی ہیں، اور جوں

جوں انسانی ذہن ترقی کرتا جائے گا اسے معلوم ہوتا جائے گا کہ وہ جو کچھ آج دیکھ رہا ہے قرآن نے صدیوں پہلے اس کا پتہ دے دیا تھا۔ واضح رہے کہ کاہنوں اور مستقبل بینوں کی ان اٹکل پچو پیش گوئیوں کو، جن کے پورے ہونے کے متعلق ان کاہنوں اور مستقبل بینوں کو خود بھی یقین نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ درحقیقت اظہارِ امکان سے آگے بڑھ کر کچھ کہنے کی پوزیشن میں ہوتے ہیں، قرآن حکیم کی پیشگوئیوں سے کچھ علاقہ نہیں۔ مستشرقین اگر قرآن کو معجزہ اور کلام الٰہی ماننے کو تیار نہیں تو ذرا قرآن کی ان لاتعداد پیشگوئیوں کی توجیہ کریں جن کی شہادت تاریخِ عالم کے صفحات فراہم کر رہے ہیں۔

قرآن کے اعجاز اور کلام الٰہی ہونے کی تیسری دلیل، جس کا یہاں ذکر کرنا مطلوب ہے، وہ ساتویں صدی عیسوی کی کتاب میں ان معجزانہ سائنسی انکشافات کی موجودگی ہے ،جو سائنس کو اپنی موجودہ ترقی و عروج کے زمانے میں معلوم ہوئے ہیں ،اور بہت سے ایسے انکشافات کی موجودگی بھی جن تک ابھی تک موجودہ سائنس باوجود ترقی و کمال رسائی حاصل نہیں کر سکی۔ یہ محض خالی خولی دعوی نہیں ہے بلکہ موجودہ دور کے بڑے بڑے نامور اور محقق سائنسدانوں نے انہی سائنسی انکشافات کی موجودگی کی بناپر اس کتاب کو معجزہ اور کلامِ الٰہی تسلیم کیا ہے۔ بیسیوں صدی کے مشہور فرانسیسی سائنسدان اور محقق ڈاکٹر موریس بکائی کو قرآن کی اسی خصوصیت نے اپنا گرویدہ بنایا تھا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے قرآن سے متعلق اپنے ابتدائی تاثر کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابتداءً میں قرآن میں سائنسی نوعیت کے بیانات پا کر انتہائی حیرت میں ڈوب گیا۔ اس وقت تک میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ایسی تحریر میں جو تیرہ صدیاں پہلے مرتب ہوئی تھی اور جس میں انتہائی مختلف النوع مضامین بیان ہوئے ہیں، میرے لیے یہ ممکن ہو گا کہ میں سائنسی نوعیت کے اتنے بہت سے بیانات ڈھونڈ نکالوں گا۔ لیکن قرآن کا اعجاز ملاحظہ کریں کہ اس نے ڈاکٹر صاحب کو تشنہ نہیں رہنے دیا؛ جلد انھیں معلوم ہو گیا کہ قرآن میں بہ کثرت سائنسی مضامین بیان ہوئے ہیں ، اور ان میں کوئی بیان بھی ایسا نہیں جس کو جدید سائنس جھٹلا سکے، حالانکہ بائبل کے انھی موضوعات سے متعلق بیانات میں فاش غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ یہ جان لینے کے بعد میں نے ایک بار خود سے استفسار کیا کہ اگر کوئی انسان قرآن کا مصنف ہوتا تو وہ ساتویں صدی عیسوی میں ایسے حقائق کس طرح بیان کر دیتا جو آج کی جدید سائنسی معلومات سے پوری طرح مطابقت کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں! انسان کے پاس اس کی کیا توجیہ ہے کہ جس زمانہ میں فرانس میں شاہ ڈیگوبرٹ[35] حکومت کر رہا تھا اس زمانے میں میں جزیرۃ العرب کا ایک باشندہ بعض موضوعات پر ایسی سائنسی معلومات رکھتا تھا جو ہمارے زمانے سے بھی دس صدی بعد کے دور سے تعلق رکھتی ہیں۔[36] میرے نزدیک قرآن کی کوئی بشری توجیہ و تشریح ممکن نہیں۔[37]

ایسے ہی روشن اور ناقابل انکار حقائق ہیں جنہوں نے بالآخر بہت سے اہل مغرب کو قرآن کو کلام الٰہی تسلیم کرنے پر مجبور کیا۔ قرآن کے اعجاز کو ملاحظہ کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے بکائی ایسے سائنسدان

ہوں یا مسلمان ہوئے بغیر قرآن کو کلام الٰہی مان لینے والے واٹ ، کیرن اور کارل ارنسٹ وغیرہ ایسے مغربی فاضلینِ علومِ اسلامیہ ، سب ان عام اہلِ مغرب کے لیے روشن آیات ونشانات ہیں، جو واقعی حق کے متلاشی ہیں

خلاصہ بحث

ماخذِ قرآن سے متعلق بحث و تحقیق میں مستشرقین نے کئی نظریات پیش کیے، جن میں قرآن کے بائبل اور یہودی و نصرانی روایات سے ماخوذ ہونے، آں جناب ﷺ کے ذہن کی اختراع ہونے اور اللہ کی طرف سے وحی کا نتیجہ ہونے کے نظریات شامل ہیں۔ان نظریات کا مطالعے سے عیاں ہوتا ہے کہ زیرِ نظر موضوع پر مستشرقین کے نظریات میں ارتقا واقع ہوا ہے۔ قرآن کے وحی الٰہی نہ ہونے کے عمومی نظریے سے اختلاف کرتے ہوئے عصرِ حاضر کے متعدد نمایاں مستشرقین ، حتیٰ کہ ان لوگوں نے بھی جو اسے دیگر ذرائع سے ماخوذ بتاتے تھے، بعد میں تسلیم کیا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور آپ ﷺ پر بذریعہ روحی نازل ہوا تھا، جیسا کہ بائبل کے پیغمبروں پر وحی کے ذریعے کلام الٰہی نازل ہوتا تھا۔ مستشرقین کے افکار کے تجزیے سے عیاں ہوتا ہے کہ قرآن کے مصدر کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کہیں ڈھونڈنے والے مستشرقین کے خیالات اسلام کے خلاف روایتی تعصب ،اسلام اور قرآن کی سطحی تفہیم اور اسلامی ماخذات اور تاریخی تنقید کے اصولوں سے ناواقفیت یا تجاہل کا نتیجہ ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

1- George Sale, The Koran (New York: 1890), 50

2- J.M. Rodwell, The Koran (London: Dent, 1909), 14-45.

واضح رہے کہ قرآن کو حضور ﷺ کی تصنیف ثابت کرنے کے لیے کفارِ مکہ کے آپ ﷺ پر اس الزام کہ: آپ دیگر لوگوں سے سن کر قرآن بناتے ہیں، کو اپنے دعوے کی دلیل صرف سیل اور راڈویل ہی نہیں اور بھی متعدد مغربی مصنفین نے بنایا ہے۔مثال کے طور پر دیکھیے:

Richard Bell, The Origin of Islam in Its Christian Environment (London: Macmillan, 1926),110-112;William Muir, Life of Mahomet (London: Smith, 1860),II/100; F. J. L Menezes, The life and Religion of Muhammad, the Prophet of Arabia Sands (London: 1911),158; Norman Daniel, Islam and the West: The making of an Image (Edinburgh: Edinburgh University Press, 1966),34.

3- The New Encyclopaedia Britannica (Chicago: Encyclopaedia Britannica, 15th Edition, 1986) 22/ 9.

4- James Hastings, ed; *Encyclopaedia of Religion and Ethics* (New York: Charles Scribner's Sons), 1930, X/ 540.

5 - Richard Bell, *Introduction to the Quran* (Edinburgh: Edinburgh University Press, 1963), 161.

6- Bell, *Introduction to the Quran*, 161-165.

7- Watt, W. Montgomery Watt, *Muhammad: Prophet and Statesman* (London: Oxford University Press, 1961), 39.

8- Watt, Muhammad: Prophet and statesman, 40.

9- Watt, Muhammad: Prophet and Statesman, 14.

10- Watt, Muhammad: Prophet and Statesman, 17.

11- Muir, Mahomet and Islam, 58.

12- H. A. R. Gibb, Mohammedanism: An Historical Survey (New York: Oxfor University press, 1964), 25-26.

13- Armstrong, Muhammad: A Biography of the Prophet, 48-49.

14- Carl W Ernst, Following Muhammad: Rethinking Islam in the contemporary world (Chapel Hill & London: The University of North Carolina Press, 2003), 93.

15- Ernst, Following Muhammad, 93-94.

16- William Montgomery Watt, Companion to the Quran (England: Oneword publication, 1994),4.

17- William Montgomery Watt, Islam and Christianity Today: A Contribution to Dialogue (London: Routledge&Kegan Paul, 1983),60-61.

18- R. C. Zaehner, *At Sundry Times: An Essay in the Comparison of Religions* (London: Faber & Faber, 1958), 27.

19- المائدة48:5

20- اس کوایک مسلمان کا حوالہ اس لیے نہیں کہا جاسکتا کہ ڈاکٹر بکائی اگر مسلمان ہوئے تھے تو بھی زیرِ حوالہ کتاب کی تالیف تک ہر گز نہیں۔

21 - See for details: Maurice Bucaille, The Bible the Quran and Science, trans. Alastair D Pannell and the Author (N. D), 15-101

22 - Bucaille, The Bible the Quran and Science, 31.

23 - Bucaille, The Bible the Quran and Science, 48

24 - Bucaille, The Bible the Quran and Science,101.

25- النحل 103:16۔

26- Bucaille, The Bible the Quran and Science,113.

27- البقرہ23:2 ۔

28- Sale, The Koran, 47–48.

29- وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔

30- محمد رشید رضا،الوحی المحمدی(بیروت: موسسۃ عز الدین،1406ھ)،186-187۔

31- محمد رشید رضا،الوحی المحمدی،184۔

32- بنی اسرائیل88:17۔

33- الحجر9:15۔

34۔ فصلت41:42۔

35۔ ڈیگوبرٹ(Dagobert 1) کا عرصۂ حیات603ء-639ء اور عہدِ اقتدار 623ء-639ء ہے ۔فرانس کے علاقے میں اس کازمانۂ اقتدار629ء-639ء ہے۔

36- Bucaille, The Bible the Quran and Science, 109-110.

37- Bucaille, The Bible the Quran and Science, 114.

OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
mei.aiou.edu.pk
iri.aiou.edu.pk

نسخ پر استشراقی اعتراضات کا ناقدانہ جائزہ

(Critical analysis of Orientalist on *nasakh)*

***ڈاکٹر سلیم الرحمٰن**
چئیرمین شعبہ اسلامک تھیالوجی، اسلامیہ کالج پشاور
****ڈاکٹر محمد ریاض خان الازہری**
اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک اینڈ ریلجئیس سٹڈیز، ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

ABSTRACT

Prophet of *Allah* were send to specific race, area, for a limited period except the prophet *Muhammad* (SAW). The Prophet *Muhammad* (SAW) is the Prophet for all nation, all time periods and for whole world till before the day of Judgment. Other prophets were to preach previous *shariah* or send with minor changes in existing Commandments. But Prophet Muhammad (SAW) bring with him a new complete life, which all other. A Prophets (A.S) were sent for a limited period, specific race and area except the last prophet Muhammad (SAW). Some of them preached only the previous *Shariah*, while some others came with the partial or fully change in the previous *Shariah*. On the other hand, the last prophet Muhammad (SAW) was sent as Universal Prophet, whose Prophet hood is meant for all the people, the whole world and for all the times till the day of judgment. Consequent upon the Perfection of religion on prophet *Muhammad* (SAW), all the previous *Shariahs* were abrogated. However, the last Sharia reached its perfection through an evolutionary process, covering a span of 23 years. During this process some partial or complete modification took place through recited and non-recited revelation, as was advisable according to the knowledge and will of Allah Almighty. This change / modification is conventionally called *Nasakh.* The non-Muslims and orientalists make objection on the *Nasakh* and took it for that type of modification which takes place with the passage of time or after review on some work. They thought (misunderstood) it as change of opinion and termed it as the reason of imperfection of the knowledge of Allah, while in reality *Nasakh* is totally different from that. *Nasakh* actually discovers the predetermined time period of an abrogated command as suits to the wise principles and planning of *Allah* Almighty. .

As per its conventional meaning and terms and conditions, *Nasakh* is totally according to the wisdom of Allah Almighty, which denotes the perfection of His

knowledge, not the limitation. Its refusal is equal to the refusal of the wisdom of Shariah. The given article discusses and critically analyzes the reality of *Nasakh* and the objections of orientalists on it, which brings the misunderstanding of orientalists to true light.

Key words: *Nasakh*, Prophet, Orientalist, opinion, analyzes.

مشہور مستشرق جارج سیل (George Sale) جس نے قرآن کا ترجمہ بھی کیا جو اھل مغرب کے لئے علمی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے اس نے قرآن کو آنحضرت (ﷺ) کی تصنیف ہونے کا دعویٰ کیا۔

> "*Muhammad* was really the author and chief contriver of the *Quran* beyond dispute[1]"

موصوف اپنی کتاب کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں: "قرآن میں کچھ آیات ہیں جن میں باہمی تعارض ہے، ان پر وارد ہونے والے اعتراضات کا تدارک مسلمان علماء نسخ کے ذریعے کرتے ہیں، چنانچہ جواباً کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ احکام صادر کیے جن کو بعد میں معقول وجوہات کی وجہ سے منسوخ قرار دیا گیا[2]۔

مستشرقین ایک قدم آگے بڑھ کر ملفوف انداز میں یہ دعویٰ کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ قرآن مجید کی متعارض آیات اور تضادات کو حل کرنے کا یہ طریقہ مسلمانوں کے پیغمبر ﷺ نے خود وضع کیا تھا۔ "نسخ" کے اصطلاحی مفہوم سے دانستہ یا نادانستہ ناواقفیت کی وجہ سے بسا اوقات یہ تاثر دیتے ہیں کہ گویا نسخ اور نظر ثانی یا (Review) کے مترادف الفاظ ہیں۔ اور آنحضرت (ﷺ) قرآنی آیات پر نظر ثانی کے بعد ترمیم واضافہ کرتے تھے اور اپنی کتاب کی ترتیب کو نئی شکل دیتے تھے۔ اس تاثر کا اندازہ مشہور مستشرق منٹگمری واٹ کے مندرجہ ذیل اقتباس سے بخوبی ہو جاتا ہے:

> "محمد ﷺ کا یہ اعتقاد کہ آپ کے پاس من جانب اللہ وحی آتی ہے، آپ کو، ان مواد کو نئی ترتیب دینے یا دوسرے الفاظ میں حذف واضافہ کے ذریعے ان میں ترمیم کرنے سے باز نہیں رکھتا تھا۔ قرآن حکیم میں بعض ایسے حوالے موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا محمد ﷺ کو بعض آیات بھلوا دیتا تھا۔ قرآنی متن کے بغور مطالعہ سے یہ بات تقریباً یقین کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے کہ قرآن کے کچھ الفاظ اور آیات کا بعد میں اضافہ عمل میں لایا گیا۔ تاہم اس قسم کے اضافوں کو محمد ﷺ کی تالیف نہیں کیا جائے گا۔ البتہ یہ بات فرض کی جاسکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس کوئی ایسا ذریعہ موجود تھا کہ جب ان کو قرآن کے کسی حصے میں ترمیم یا حذف واضافہ کی ضرورت محسوس ہوتی تھی تو

آپ (ﷺ) وحی کے الفاظ سن لیتے تھے تاہم وحی کے بغیر آپ ترمیم نہیں کرتے تھے۔ روایت پسند مسلمانوں کے ہاں یہ امر مسلم ہے کہ قرآن کی کچھ آیات جن میں مسلمانوں کے لئے کچھ قوانین واحکام بیان کیے گئے تھے، وہ بعد میں آنے والی آیات کے ذریعہ منسوخ قرار دیے گئے "[3]۔

مندرجہ بالا اقتباس کو بغور پڑھنے سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ یہ کہ منٹگمری واٹ اور ان جیسے دیگر مستشرقین قرآن میں نسخ کے وجود کی بنیاد پر اپنی مزعومات کی بے بنیاد عمارت کھڑی کرنا چاہتے ہیں۔ الفاظ اور جملوں میں ہیرا پھیری سے کام لے کر وہ یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ قرآن حکیم میں حذف وترمیم کیا کرتے تھے تاہم اپنے پیروکاروں کو یہ تاثر دینے کی کامیاب ترکیب استعمال کرتے کہ یہ ترمیم یا نظرثانی آپ ﷺ اپنی طرف سے نہیں کرتے بلکہ قرآن میں کسی مقام پر ترمیم کی ناگزیر ضرورت پر آپ کسی نہ کسی طریقہ سے منبع وحی سے رابطہ کر لیتے ہیں اور وحی کی روشنی میں قرآن کریم میں ترمیم کر دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں "اصطلاحی نسخ" واقع ہوا ہے۔ قرآن کریم کی آیات میں نسخ کے وجود پر خود قرآن بھی شاھد ہے۔ جمہور علماء اس کو تسلیم بھی کرتے ہیں لیکن منٹگمری واٹ یا استشراقی قلم انتہائی چالاکی کے ساتھ "قرآن کی شہادت اور جمہور علماء کی تصدیق" کی دلیل کو، اصطلاحی نسخ کی بجائے اپنی مزعومہ دعویٰ کہ "پیغمبر اسلام اپنی طرف سے قرآنی آیات میں حذف وترمیم کرتے اور لوگوں کو باور کراتے کہ وحی کے ذریعہ آپ یہ کام کر رہے ہیں" پر منطبق کیا ہے اور قرآن کریم کو داعی اسلام کی تصنیف قرار دے کر اپنے ان مزعومات کو قرآن کریم اور روایت پسند علماء کے سر تھوپ کر اپنی روایتی علمی خیانت کا ثبوت پیش کیا ہے۔

نسخ کو قرآن میں تضادات کی موجودگی کی دلیل اور تضادات کی موجودگی کو آپ (ﷺ) کی طرف سے نظرثانی اور ترتیب نو کی دلیل، نظرثانی اور نسخ کو مترادف قرار دینے کے بعد قرآن کو باآسانی آپ (ﷺ) کی تصنیف وتالیف بنایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ منٹگمری واٹ، جارج سیل اور دیگر مستشرقین کے اس دعویٰ کو ماننے کے بعد قرآن کریم کو کلام خداوندی ماننے کی گنجائش نہیں رہتی۔

نسخ پر ملحدین کے اعتراض

نسخ کے مسئلے پر ہمیشہ ملحدین کی طرف سے اعتراض ہوتا رہا کہ نسخ اللہ تعالیٰ کے علم کو ناقص قرار دینا ہے کیونکہ نسخ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ جس حکم کو اپنے بندوں کے لئے لائق اور مناسب جانا وہ بندوں کے لئے ناموزوں اور نامناسب ثابت ہوا، چنانچہ خدا اس بات پر مجبور ہوا کہ پہلے حکم کی بجائے دوسرا

حکم دے، ظاہر ہے ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ کے علم کا نقص ظاہر ہوتا ہے اور اس کے علیم اور خبیر ہونے پر حرف آتا ہے[4]۔

نسخ پر یہود کا اعتراض

نسخ کے بارے میں یہودیوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں نسخ نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے خیال کے مطابق اگر نسخ کو تسلیم کیا جائے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی رائے میں تبدیلی کر لیتا ہے۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ احکام الہٰی میں ناسخ و منسوخ اگر تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک حکم مناسب سمجھا تھا بعد میں (معاذ اللہ) اپنی غلطی واضح ہونے پر اسے واپس لے لیا، جیسے اصطلاح میں "بداء" بھی کہتے ہیں[5]۔

تحویل قبلہ کے موقع پر اسی چیز کو بنیاد بنا کر یہود نے اسلام اور پیغمبر اسلام پر زبان طعن دراز کی۔ ابتداء میں مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ تقریباً ۱۷ مہینے مسلمانوں نے بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھیں۔ پھر یہ حکم منسوخ ہوا اور بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ ارشاد فرمایا:

﴿مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[6]۔

(جس آیت کو بھی ہم منسوخ کریں گے یا بھلائیں گے، اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آئیں گے کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

نسخ پر مستشرقین کا اعتراض

یہود نے اپنے بغض و عناد اور مشرکین نے اپنی جہالت اور ناواقفیت کی وجہ سے الزامات لگائے۔ اہل استشراق نے تحقیق کے نام پر اس سلسلے کو آگے بڑھایا۔ اور احکام الٰہیہ میں نسخ کو انسانی قوانین میں ترامیم پر قیاس کرتے ہوئے ان الزامات کو علمی رنگ میں پیش کرنے کا اسلوب اپنایا۔ اور احکام شریعت میں نسخ اس طور سے پیش کیا، جیسے قانون ساز حضرات وقت گزرنے کے ساتھ اور مختلف خرابیوں کے پیش آنے کی وجہ سے یا متوقع فوائد کے حصول کے لئے اپنے بنائے ہوئے قوانین میں ترمیم کرتے ہیں۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی آراء میں تبدیلی آجاتی ہے۔ اس طرح مسلمانوں کے ہاں قرآنی آیات اور قوانین میں بھی ہوتا رہا۔ اس لئے نسخ کو اگر خدا کا فعل قرار دیا جائے تو خداوند قدوس کا نقص علم نظر آتا ہے۔ لہٰذا انتہائی ہوشیاری کے ساتھ اسے مسلمانوں کے پیغمبر کی طرف سے نظر ثانی یا حذف و ترمیم بنا کر پیش کرنے لگے۔ جیسے مؤلفین اور مصنفین اپنی کتابوں کو نظر ثانی کے بعد ترتیب نو دیتے ہیں۔ ایسے ہی پیغمبر اسلام ﷺ قرآن پر نظر ثانی کر کے نئی ترتیب دیتے تھے۔ مستشرقین نے مختلف اسالیب اور پیرایوں میں "نسخ" اس انداز سے پیش کیا ہے۔ گویا نسخ اسلام اور پیغمبر

اسلام کے پاس ایسی بے رحم اور بے قید قانونی چھری ہے جس کی بنا پر جس عقیدہ کو چاہے باطل ٹھہرائے جس حکم کو چاہے ختم کر دے۔ جس قانون کو چاہے کالعدم قرار دے اور جس اخلاقی ضابطہ کو چاہے قلمزد کر دے۔ جو حکم جس وقت اور جس حالت میں خلاف مصلحت نظر آئے منسوخ کر دے۔

نسخ کی حقیقت

نسخ کا مندرجہ بالا تصور "نسخ" سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ نسخ ایک دینی شرعی اصطلاح ہے۔ جس کی مخصوص تعریف، حدود و قیود اور شرائط ہیں۔ اور اپنے دائرہ کار میں قرآن کریم میں موجود ہے۔ اور اسی اصطلاحی مفہوم میں حکمت خداوندی کے عین مطابق ہے۔ جس کا انکار کرنا اللہ تعالیٰ کے حکمت تشریع اور فلسفہ دین کے انکار کے مترادف ہے۔ اصول نسخ نہ صرف دین اسلام میں بلکہ تمام سابقہ الہامی مذاہب میں پایا جاتا ہے۔

لغت میں "نسخ" تبدیل کرنے، کسی چیز کو اٹھا دینے (رفع)، ہٹا دینے (ازالہ) اور نقل کرنے کے معانی میں استعمال کیا جاتا ہے[7]۔ ایک چیز کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسری چیز لانے کو بھی نسخ کہا جاتا ہے۔ اس طرح نسخ کے لغوی معنی کے دو جز ہیں: مٹانا اور لانا۔ کبھی یہ لفظ دونوں مفہوموں کو ادا کرتا ہے اور کبھی ایک یعنی صرف مٹانا یا صرف بنانا اور لانا([8])۔ اس لحاظ سے نسخ کا مطلب یہ ہے کہ بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ کسی زمانے کے حالات کے مناسب ایک شرعی حکم نافذ فرماتا ہے۔ پھر کسی دوسرے زمانے میں اپنی حکمت بالغہ کے پیش نظر اس حکم کو ختم کر کے اس کی جگہ کوئی نیا حکم عطا فرما دیتا ہے۔ اس عمل کو "نسخ" کہا جاتا ہے۔ اور اس طرح جو پرانا حکم ختم کیا جاتا ہے اسے منسوخ اور جو نیا حکم آتا ہے اسے ناسخ کہتے ہیں[9]۔

اصطلاح شریعت میں نسخ کی تعریف کی جاتی ہے: "رفع الحکم الشرعی بدلیل شرعی متأخر"[10]۔ (بعد میں آنے والی دلیل شرعی کی بناء پر پہلے سے موجود حکم شرعی کے ختم کرنے کو نسخ کہتے ہیں)۔

نسخ کی اصطلاحی تعریف میں گو اہل علم کی تعبیرات مختلف ہیں لیکن ان کا حاصل یہ ہے کہ نسخ شریعت کے ایسے احکام لانے کا نام ہے جس کا مقصد شارع کی جانب سے آنے والے پہلے حکم کو ختم کرنا ہو اور پہلے حکم سے متصل نہ ہو بلکہ ایک وقتی فاصلہ پر ہو[11]۔

حکم شرعی عام ہے قرآن ہو یا حدیث اور حدیث قولی ہو یا حدیث فعلی، چنانچہ نسخ کی تعریف سے واضح ہے کہ ناسخ و منسوخ قرآن و حدیث کی نص ہو سکتی ہے۔ اجماع و قیاس نہ ناسخ بن سکتے ہیں اور نہ منسوخ۔ گویا نسخ کا تعلق صرف اور صرف وحی سے ہے۔ وحی سے قطع نظر نہ کسی حکم کو منسوخ کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی حکم کو ناسخ قرار دیا جا سکتا ہے۔ نسخ میں اجتہاد کا دخل نہیں ہوتا۔ اجتہاد کے ذریعہ کسی حکم کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا قیاس جو کہ اجتہاد ہی کی ایک شکل ہے اور اجماع امت جو کہ متفقہ قیاس کا دوسرا نام ہے۔ ان کے ذریعہ "نسخ" نہیں ہو

سکتا۔ نسخ کا حکم براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف "وحی متلو" کی صورت میں آتا ہے۔ یا بلواسطہ پیغمبر علیہ الصلوۃ السلام کی طرف وحی غیر متلو کی شکل میں وجود پذیر ہوتا ہے۔ اس طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ناسخ یعنی بعد میں آنے والا حکم، پہلے سے موجود (منسوخ) حکم سے کس قدر مؤخر ہو۔ متصل نہ ہو کیونکہ متصل ہونے کی صورت میں دوسرے حکم کو استثناء یا قید کہا جاتا ہے۔ نسخ نہیں کہا جاتا۔

نسخ کا ثبوت وجواز

امام سرخسیؒ نے قرآن وحدیث میں نسخ کے جائز ہونے پر اجماع نقل کیا ہے[12] علامہ آلوسی نسخ کے جواز پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "واتفقت أهل الشرائع على جواز النسخ ووقوعه وخالفت اليهود غير العيسوية في جوازه وقالوا: يمتنع عقلا"[13]۔

تمام اہل شرائع کا نسخ کے جواز اور وقوع دونوں پر اتفاق ہے۔ صرف یہودیوں نے بجز فرقہ عیسویہ کے نسخ کے جواز میں اختلاف کیا ہے۔ ان حضرات کے ہاں نسخ عقلاً ممتنع اور محال ہے۔ معتزلہ میں ابو مسلم اصفہانی وقوع نسخ کے قائل نہیں ان کے نزدیک اگرچہ احکام الٰہیہ میں نسخ عقلاً جائز ہے مگر کہیں واقع ہوا نہیں۔

"وأبو مسلم الأصفهاني في وقوعه فقال: إنه وإن جاز عقلا لكنه لم يقع"[14]۔

ابو مسلم اصفہانی نے وقوع نسخ کا انکار کیا ہے۔ ان کے ہاں نسخ عقلاً جائز ہے۔ نسخ کسی عیب یا اللہ تعالیٰ کی صفت علم کے منافی نہیں۔ لیکن عملاً واقع ہوا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کے طرح صفت علم بھی کامل ہیں۔ اس میں ماضی، حال اور استقبال، یا حالات وواقعات کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں آتا۔ اس لئے قرآن کریم میں نسخ کے وقوع کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں نسخ کے جواز بلکہ اس کے پائے جانے پر متعدد شواہد اور دلائل موجود ہیں، جن کے ہوتے ہوئے نسخ کے انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔ قرآن کریم میں صراحۃً نسخ کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[15]۔

(جس آیت کو بھی ہم منسوخ کریں گے یا بھلائیں گے، اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آئیں گے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے)۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لاَ يَعْلَمُونَ﴾[16]۔

(جب ہم آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں اور اللہ خوب جانتے ہیں جو نازل فرماتے ہیں تو وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ تم گھڑ کر لانے والے ہو۔ بلکہ ان میں سے اکثر اس حقیقت کا ادراک نہیں رکھتے)۔

امام ابو بکر حازمی نے نسخ کے جواز پر متعدد آیات وآثار نقل کیے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے طریق سے آپ (ﷺ) کا ارشاد نقل کیا ہے: ''ان احادیثی ینسخ بعضھا بعضاً''[17] میری احادیث بعض بعض دوسروں کو منسوخ کر سکتی ہیں۔

نسخ کی صورتیں قرآن وحدیث کے تناظر میں

ناسخ اور منسوخ میں عقل و قیاس کا کوئی دخل نہیں۔ نسخ صرف قرآن یا حدیث کی نص سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس اعتبار سے نسخ کی چار صورتیں بنتی ہیں: اول: قرآن کا نسخ قرآن سے، دوم: حدیث کا نسخ حدیث سے، سوم: حدیث کا نسخ قرآن سے، چہارم: قرآن کا نسخ حدیث سے، ان میں پہلی دو صورتوں پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ کہ قرآن سے قرآن کا نسخ اور حدیث سے حدیث کا نسخ بالاتفاق جائز ہے۔ لیکن آخری دو صورتیں یعنی حدیث کا نسخ آیت قرآنی سے اور آیت قرآنی کا نسخ حدیث کے سلسلے میں اہل علم کا اختلاف ہے[18]۔

نسخ القرآن بالقرآن

یعنی کسی قرآنی آیت سے دوسری آیت قرآنی یا قرآنی حکم سے دوسرے حکم قرآن کا نسخ جائز ہے اور اس کے وجود وجواز پر متعدد شواہد موجود ہیں۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۰ جو کہ آیت وصیت کہلاتی ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ سورہ النساء کی مفصل احکام میراث پر مشتمل آیت نمبر ۷ ﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاء نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ یعنی آیت نمبر ۷ سے منسوخ ہے[19]۔

نسخ الحدیث بالحدیث

حدیث سے حدیث کی نسخ کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ زیارت قبور کی ممانعت کے بعد اس کی اجازت دے کر پہلی روایت کو منسوخ قرار دیا گیا۔ امام مسلم نے آپ (ﷺ) کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ "کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا"[20] میں تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا پس اب تم قبروں کی زیارت کر سکتے ہو۔

نسخ الحدیث بالقرآن

آیات سے احادیث کے منسوخ کیے جانے کے سلسلے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ جمہور فقہاء و متکلمین اور بعض شوافع کے نزدیک قرآنی آیت سے حدیث کا نسخ درست اور جائز ہے۔ اگرچہ امام شافعیؒ کا ایک قول عدم جواز کا بھی ہے۔ تاہم مشہور قول جواز کا ہے[21]۔

نسخ کی یہ صورت اس لئے جائز ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد بھی در حقیقت وحی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى، فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّى عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا﴾[22]۔

آپ ﷺ اپنی خواہش اور مرضی سے نہیں بولتے۔ آپ ﷺ کا بولا ہوا در حقیقت وحی ہی ہے جو آپ ﷺ کی طرف کی جاتی ہے۔ آیت کریمہ کی رو سے آپ ﷺ کا نطق "وحی" کا نتیجہ ہے۔ اور آپ ﷺ نے صرف قرآن حکیم ہی کا نطق نہیں کیا بلکہ قرآن حکیم کے علاوہ بھی بہت سی تعلیمات سنائی ہیں۔ وہ بھی وحی کا نتیجہ ہی ہوگا۔ لہٰذا آپ ﷺ کا بولا ہوا اول الذکر "وحی متلو" اور مؤخر الذکر "وحی غیر متلو" قرار پائے گا۔ یا پہلا قرآن اور دوم حدیث ہوگا۔ اس لحاظ سے قرآن اور حدیث دونوں وحی کی قسمیں اور ان سے ثابت شدہ احکام اللہ تعالیٰ کے احکام ہوئے۔ لہٰذا قرآن سے حدیث کا نسخ ایسا ہے جیسا کہ ایک حکم الٰہی سے دوسرے حکم الٰہی کا نسخ ہے کہ اس صورت کے جواز میں بظاہر کوئی اشکال نظر نہیں آتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں ماہ رمضان میں رات کو سو کر اٹھنے کے بعد شب میں بھی کھانے پینے اور بیویوں کے پاس جانے کی ممانعت تھی تاہم اس بات کا ذکر قرآن حکیم میں نہیں تو ظاہر ہے یہ حکم فرمان رسول پر ہی مبنی تھا اور بعد میں قرآنی حکم ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ فَالآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُواْ مَا كَتَبَ اللهُ لَكُمْ وَكُلُواْ وَاشْرَبُواْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّواْ الصِّيَامَ إِلَى الَّليْلِ وَلاَ تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللهِ فَلاَ تَقْرَبُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا"[23]۔

نسخ القرآن بالحدیث

احادیث کے ذریعہ قرآنی آیات کے منسوخ ہونے کے مسئلہ میں اختلاف ہے۔ فقہاء احناف متکلمین، اکثر علماء اصول اور بعض شوافع کے نزدیک نسخ کی یہ صورت جائز ہے۔ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ صورت درست نہیں[24]۔

اہل علم کے نزدیک اس صورت کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے آپ ﷺ کا منصب ومقام متعین کر کے یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ لوگوں کے لئے قرآنی احکام کی توضیح و تبیین کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾[25] اور نسخ بھی درحقیقت بیان ہی کی ایک صورت ہے۔ جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ اس حکم کی مدت اب ختم ہو چکی ہے[(26)]۔ اس لئے بعض اصولیین نے نسخ کی تعریف ہی اس طرح کی ہے کہ نسخ حکم شرعی کے انتہاء مدت کو بیان کرنے کا نام ہے[27]۔

حدیث سے آیت کے نسخ کی مثال وارث کے لئے وصیت کا مسئلہ ہے۔ کتاب اللہ نے وصیت کے حکم کو عام رکھا ہے۔ اس میں وارث اور غیر وارث کا کوئی فرق نہیں۔ ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ" [28] لیکن حدیث میں واضح کیا گیا کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔ "لاوصیۃ للوارث[29] بلکہ حدیث میں یہ بھی واضح کیا گیا کہ ایک تہائی ترکہ تک وصیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس سے زائد نہیں[30]۔ جبکہ قرآن مجید میں وصیت کو مطلق رکھا گیا تھا۔ کوئی تحدید نہیں کی گئی تھی۔ تاہم حدیث نے تحدید کی کہ ایک تہائی تک جائز وصیت کا نفاذ ورثاء کے ذمہ ضروری ہے۔

نسخ کے حدود وقیود

نسخ ایک شرعی اصول ہے۔ اس کے بروئے کار لانے کی مخصوص حدود وقیود ہیں۔ نسخ کا دائرہ کار صرف عملی احکام ہیں۔ "النسخ لا یکون فی جمیع الأحکام بل فی الأحکام الشرعۃ التکلفیۃ الجزئیۃ التی تحتمل الوجود والعدم ای تحتمل کونہا مشروعۃ او غیر مشروعۃ فی نفسہا فی زمن النبوۃ بمعنی ان مصلحتہا تتغیر فتکون فی وقت نافعۃ وفی آخر ضارۃ"[31]۔

(نسخ کا اجراء تمام احکام میں نہیں بلکہ ان جزئی تکلیفی (عملی) احکام میں ہوتا ہے جن میں وجود اور عدم وجود کا احتمال پایا جاتا ہے۔ یعنی عہد نبوت میں اس کے نافذ العمل ہونے اور نہ ہونے کے دونوں احتمال ہو سکتے تھے کیونکہ ایسے احکام کی مشروعیت کی حکمت تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا کسی وقت میں مفید اور کسی اور موقع پر غیر مفید ہوتے ہیں)۔

یہی وجہ ہے کہ اہل علم نے "نسخ" کی کچھ شرطیں متعین کی ہیں، جو اس اصول نسخ سے متعلق قواعد کا احاطہ کرتی ہے۔ وہ شرائط یہ ہیں:

ا۔ ناسخ قرآن کریم کی آیت یا آپ (ﷺ) کی قولی یا فعلی سنت ہو۔

۲۔ منسوخ حکم شرعی ہو محض عقل پر مبنی نہ ہو۔

۳۔ منسوخ حکم ایسا ہو جو مشروع ہونے اور نہ ہونے کا احتمال رکھتا ہو۔ جس حکم کے بارے میں مشروع ہونا ہی متعین ہو۔ جیسے توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان تو ایسے احکام میں نسخ جائز نہیں ہوتا۔

۴۔ منسوخ فروعی مسائل میں سے ہو۔ عقائد اور اصول میں نسخ واقع نہیں ہوتا۔

۵۔ ایسے احکام میں نسخ واقع نہیں ہوتا جو ابدی اور دوامی ہو۔ ان کی ابدیت خود نص سے ثابت ہو۔ جیسا کہ ازواج مطہرات سے نکاح کی حرمت کا مسئلہ قرآن کریم نے عبارت النص سے واضح کیا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمًا﴾[32] آیت کریمہ میں لفظ "ابداً" سے بتلا دیا کہ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے ساتھ نکاح ابدی طور پر حرام ہے ۔ اس طرح وہ احکام بھی منسوخ نہیں ہو سکتے جن کو مشروع چھوڑ کر آنحضرت ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے ہو۔ ایسے احکام ابدی متصور ہوں گے کیونکہ سلسلہ نبوت ختم ہونے کے بعد یہ احکام محکم ہوگئے اور اب ان میں نسخ کا احتمال ختم ہوا۔

۶۔ نسخ کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ ناسخ، منسوخ سے نزول میں مؤخر ہو اور دونوں کے وردو کے درمیان کسی قدر فاصلہ ہو۔

۷۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ناسخ اپنے ذریعہ ثبوت کے اعتبار سے منسوخ سے قوی یا اس کا ہم درجہ ہو۔

۸۔ اگر کسی حکم کی مشروعیت کی مدت متعین ہو۔اس مدت کے ختم ہونے کے بعد اگر نیا حکم آجائے تو اس کو نسخ نہیں کہا جائے گا۔

۹۔ منسوخ مکلّف کے علم میں آچکا ہو خواہ اس پر عمل کی نوبت آئی ہو یا نہ آئی ہو[33]۔

مندرجہ بالا شرائط سے نسخ کا دائرہ کار متعین ہو جاتا ہے۔ کہ اصول، عقائد، اخبار سابقہ، قصص، شریعت کے احکام کلیہ اور مکارم اِخلاق میں نسخ جاری نہیں ہوتا۔ صرف عملی فروعی احکام میں نسخ کا اصول رو بعمل لایا جاتا ہے۔ اصولی طور پر تین قسم کے نصوص ایسے ہیں جن میں نسخ کا احتمال نہیں ہوتا[34]۔

اول: وہ نصوص جو اساس احکام کا درجہ رکھتے ہیں۔ اشخاص وادوار کے فرق کی وجہ سے ان میں تغیر نہیں آتا، جیسے عقائد، مکارم اخلاق، عدل وانصاف، امانت وصداقت کے احکام اس طرح شرک، خون ناحق، جھوٹ، خیانت، ظلم، دھوکہ، والدین کی نافرمانی کی ممانعت۔

دوم: وہ نصوص جن کا تعلق ماضی یا مستقبل کے اخبار سے ہو جیسے انبیاء سابقین علیہم السلام اور گذشتہ امتوں کے واقعات اور قصے، علامات قیامت اور فتنوں کے بارے میں آپ (ﷺ) کے فرمودات۔

سوم: وہ نصوص جن میں ابدیت اور دوامیت کی صراحت کے ساتھ حکم دیا گیا ہو جیسے ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کی حرمت کا مسئلہ اس میں ابدیت کی صراحت کر دی گئی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمًا﴾[35] اور ہمیشہ کے لیے آپ ﷺ کی ازواج سے تمہارے لیے نکاح کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے یا جیسے عورتوں پر تہمت لگانے والوں کو ہمیشہ کے لیے بطور سزا مردود الشہادۃ قرار دیا گیا ہے۔﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾[36] یہ حکم ناقابل نسخ ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قابل عمل اور محکم رہے گا۔

متقدمین اور متاخرین کے ہاں نسخ کی تعداد

بعض اہل علم بالخصوص متقدمین کے نزدیک نسخ کے مفہوم میں بہت وسعت ہے۔ ان حضرات کے نزدیک عام کی تخصیص یا کسی مطلق کی تقیید یا اجمال کی تفصیل بھی نسخ کہلاتا ہے۔ کسی حکم کی جگہ مکمل طور پر دوسرا حکم دیا جانا ہی نسخ نہیں۔ امام شاطبیؒ کہتے ہیں:

"فقد يطلقون على تقييد المطلق نسخاً وعلى تخصيص العموم بدليل متصل او منفصل وعلى بيان المبهم والمجمل نسخاً، كما يطلقون على رفع الحكم الشرعي بدليل شرعي متاخر نسخاً"[37]۔

(متقدمین حضرات مطلق کے مقید کرنے، عام کے دلیل متصل یا منفصل کی بناء پر تخصیص کرنے اور مبہم و مجمل کے بیان پر بھی نسخ کا اطلاق کرتے تھے جیسا کہ متأخر حکم شرعی کے ذریعہ حکم متقدم کے ختم کرنے پر نسخ کا اطلاق کرتے تھے)۔

متقدمین کے ہاں نسخ کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ مکمل ترمیم، جزوی ترمیم، تخصیص، تقیید، تفصیل کے علاوہ زمانہ جاہلیت سے مروج طریقوں کی ممانعت اور سابقہ شریعتوں کے احکام کی تبدیلی کو بھی دائرہ نسخ میں داخل سمجھتے ہیں۔ لیکن متأخرین نے اس کو محدود مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ صرف بعد میں آنے والی دلیل شرعی کی بنا پر پہلے سے موجود حکم شرعی کے اٹھا دینے کو یہ حضرات نسخ قرار دیتے ہیں۔ نسخ کے اس اصطلاحی مفہوم کا منسوخ آیات کی تعداد پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ متقدمین کے اصطلاح کے مطابق منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو ہیں۔ امام شاہ ولی اللہؒ کے مطابق اگر مزید غور وخوض سے کام لیا جائے تو ایسی آیتیں مزید بڑھ جائیں گی[38]۔ متأخرین کی نزدیک منسوخ آیات کی تعداد اتنی نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک ان ہی آیات کو منسوخ شمار کیا جائے گا۔ جن پر اب بالکل ہی عمل نہیں ہوتا، اور ان کو مکمل طور پر اٹھا دیا گیا ہے۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطیؒ کے نزدیک بیس آیات منسوخ ہیں[39]۔ بلکہ امام شاہ ولی اللہؒ نے اس موضوع پر محققانہ بحث کرتے ہوئے صرف پانچ آیتیں منسوخ قرار دی ہیں[40]۔

نسخ کا فلسفہ وحکمت اور اس پر وارد شبہات کا جائزہ

مستشرقین مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کریم کے تضادات کو جواز مہیا کرنے کے لیے "نسخ کا اصول" وضع کیا ہے۔ اور اس کے ذریعہ قرآن پر وارد ہونے والے اعتراضات کا تدارک کرتے ہیں۔ مستشرقین یہ تاثر بھی دینے کی کوشش کرتے ہیں، کہ پیغمبر اسلام ﷺ قرآن کریم میں ترمیم یا اضافہ کر کے اس کو ترتیب نو دیتے تھے اور اپنی طرف سے ترمیم واضافہ یا بالفاظ دیگر نظر ثانی کر کے لوگوں کو تاثر دینے کی کوشش کرتے۔ کہ جس مقام پر ترمیم کی ضرورت ہو کسی نہ کسی ذریعے سے منبع وحی سے رابطہ کر لیتے ہیں اور وحی کے ذریعہ قرآن کریم میں ترمیم کر دیتے ہیں۔ اور اسی کو نسخ کا نام دیتے تھے۔

مستشرقین کے ان اعتراضات سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ حضرات قرآن کریم کو آسمانی کتاب ماننے سے انکار کرتے ہیں اور اسے انسانی کلام قرار دیتے ہیں۔ عرب کے قدیم یہود ونصاریٰ کی ہی تقلید میں مستشرقین جدت کا لبادہ اوڑھ کر دور حاضر میں قرآنی نظم ومتن کو غیر محفوظ قرار دینے کی کوشش میں مصروف عمل نظر آتے ہیں۔ تاہم استشراقی منہج واسلوب ان علمی نزاعات میں ترقی یافتہ اور بظاہر غیر جانبدار روپ دھارے ہوئے نظر آتا ہے۔ چنانچہ نسخ پر مذکورہ بالا دو اعتراضات کی بنیاد نزول قرآن کے زمانہ میں یہود کی طرف

سے بطور خاص اس وقت نمایاں ہو کر سامنے آ گئی جب ۱۶ یا ۱۷ مہینے بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھنے کے بعد خانہ کعبہ کو قبلہ بنا کر تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا، اور پہلا حکم منسوخ کیا گیا۔ یہ اور اس جیسے دیگر واقعات نے یہود پر اعتراض کیا کہ نسخ اللہ تعالیٰ کے علم کو ناقص قرار دینے کے مترادف ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: یہودی مسلمانوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالنے کی کوشش کرتے رہے اور ان کا اعتراض یہ تھا کہ اگر پچھلی کتاب بھی خدا کی طرف سے آئی تھی اور یہ قرآن بھی خدا کی طرف سے ہے تو ان کے بعض احکام کی جگہ اس میں دوسرے احکام کیوں دئے گئے؟ ایک ہی خدا کی طرف سے مختلف وقتوں میں مختلف احکام کیسے آ سکتے ہیں؟ پھر تمہارا قرآن یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہودی اور عیسائی اس تعلیم کے ایک حصے کو بھول گئے جو انہیں دی گئی تھی۔ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کی دی ہوئی تعلیم اور وہ حافظوں سے محو ہو جائے یہ ساری باتیں وہ تحقیق کی خاطر نہیں بلکہ اس لیے کرتے تھے کہ مسلمانوں کو قرآن کے من جانب اللہ ہونے میں شک ہو جائے۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں مالک ہوں، میرے اختیارات غیر محدود ہیں، میں اپنے جس حکم کو چاہوں منسوخ کروں اور جس کو چاہوں حافظہ سے محو کر دوں۔ مگر جس چیز کو منسوخ کرتا ہوں، اس سے بہتر چیز اس کی جگہ لاتا ہوں یا کم از کم وہ اپنے محل میں اتنی ہی مفید ہوتی ہے اور مناسب ہوتی ہے، جتنی پہلی چیز اپنے محل میں تھی[41]۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس جواب کو مختصر کر کے ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

> "یہ بھی یہود کا طعن تھا کہ تمہاری کتاب میں بعض آیات منسوخ ہوتی ہیں، اگر یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہوتی تو جس عیب کی وجہ سے اب منسوخ ہوئی اس عیب کی خبر کیا خدا کو پہلے سے نہ تھی" اللہ تعالیٰ نے فرمایا" عیب نہ پہلی بات میں تھا نہ پچھلی میں، لیکن حاکم ،مناسبت وقت دیکھ کر جو چاہے حکم کرے۔ اُس وقت وہی مناسب تھا اور اب دوسرا حکم مناسب ہے"[42]۔

اہل کتاب اور ان کے زیر اثر مستشرقین کے نزدیک اگر نسخ کو تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رائے میں تبدیلی کر لیتا ہے۔ پہلے ایک حکم مناسب سمجھا تھا، بعد میں غلطی واضح ہونے کے بعد اسے واپس لے لیا۔ چنانچہ خدا اس بات پر مجبور ہوا کہ پہلے حکم کی بجائے دوسرا حکم دے اس سے اللہ تعالیٰ کے علم کا نقص ظاہر ہوتا ہے اور اس کے علیم و خبیر ہونے پر حرف آتا ہے۔ مسلمانوں میں فرقہ معتزلہ کے بعض لوگوں نے

شاید ان مخالفین کے طعن سے بچنے کی راہ یہ نکالی۔ کہ احکام الٰہیہ میں نسخ ہونے کا امکان تو ہے کوئی امر اس امکان کے لیے مانع نہیں لیکن پورے قرآن میں نسخ کا وقوع نہیں ہوا للذا نہ کوئی آیت ناسخ ہے نہ منسوخ[43]۔

جو حضرات قرآن کریم میں نسخ کے وجود کے قائل نہیں دراصل وہ سمجھتے ہیں کہ نسخ ایک عیب ہے جس سے قرآن کریم کو خالی ہونا چاہیے۔ لیکن نسخ کو عیب سمجھنا کوتاہ نظری کی بات ہے پھر عجیب بات یہ ہے کہ معتزلہ میں ابو مسلم اصفہانی اور ان کے متبعین عموماً یہودی ونصاریٰ کی طرح اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے احکام میں نسخ واقع ہوا ہے بلکہ وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں نسخ نہیں ہے، اب اگر نسخ کوئی عیب ہے تو غیر قرآنی احکام میں یہ عیب کیسے پیدا ہو گیا؟ جبکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے احکام ہیں[44]۔ چنانچہ قرآن میں وقوع نسخ کے انکار سے یہود کا اعتراض ختم نہیں ہو گا۔

جمہور اہل علم کے نزدیک 'نسخ' شریعت کا اہم اصول ہے۔ اپنی حدود وقیود میں (جن کا تذکرہ کیا جا چکا) نہ صرف یہ کہ اس کا امکان پایا جاتا ہے بلکہ قرآنی اور غیر قرآنی احکام میں واقع ہوا ہے۔ کبھی اپنے محدود مفہوم یعنی کلی ترمیم اور ازالہ حکم (رفع الحکم الشرعی بدلیل شرعی متأخر) اور کبھی وسیع مفہوم (تخصیص، تقیید، تفصیل) جزوی ترمیم کے دائرہ کار میں روبعمل لایا گیا ہے۔ اس کو رائے کی تبدیلی، یا انسانی نظر ثانی، یا وضعی قوانین میں ترمیم جیسا سمجھنا، نسخ سے ناواقفیت ہے۔ شارع کی طرف ان امور کی نسبت کر کے اس کے صفت علم میں نقصان اور عیب کا سبب ظاہر کرنا محض ایک مغالطہ ہے۔ جو مخالفین اسلام کا پیدا کردہ ہے۔ ''نسخ'' کی حقیقت کو دیکھا جائے تو یہ انسان کے علم کے اعتبار سے حکم میں تبدیلی ہے، اللہ تعالیٰ کے علم کے اعتبار سے کوئی تبدیلی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ وقدرت وعلم سے نہ حال پوشیدہ ہے، اور نہ مستقبل۔ اپنے منصوبہ کے مطابق پہلے ہی سے جس حکم کے لئے جو مدت مقرر تھی۔ اس کے لامحدود علم کے مطابق اس حکم کی افادیت اسی وقت تک تھی۔ اس حکم کو منسوخ کرنا در حقیقت اس مدت افادیت حکم کی اسی مدت کا بیان واظہار ہے۔ اس لئے بعض اصولیین نے نسخ کی تعریف ہی یہی کی: "ھو بیان انتہاء الحکم الشرعی"[45] کہ نسخ حکم شرعی کی (شارع کے نزدیک مقررہ مدت) کی انتہاء کا دوسرا نام اور اصطلاحی عنوان ہے۔

اس کے بعد قدرت لایزال کے علم کے مطابق کون سا حکم مناسب اور مفید رہے گا دوسرا حکم "ناسخ" قرار دے دیتے ہیں۔ اور اسی بیان پر عموماً نسخ کی تعریف یہ سامنے آ جاتی ہے۔ "رفع الحکم الشرعی بدلیل شرعی متأخراً"[46]۔

''نسخ'' کی اس حقیقت کو علم ربانی اور حکمت الٰہی کے نقصان کے ساتھ جوڑنا محض علمی مغالطہ اور شیطانی وسوسہ کے سوا کچھ نہیں۔ نسخ کا معاملہ حاذق اور ماہر معالج کے مرحلہ وار علاج کی طرح ہے۔ جیسے ایک دانا

طبیب مریض کے مرض کو دیکھ کر مرحلہ وار علاج طے کرتا ہے اور ہر ہر مرحلہ پر اس کی مناسب دوا تجویز کرتا ہے اور مریض کو بیک وقت مختلف مراحل میں آنے والی دواؤں سے آگاہ نہیں کرتا بلکہ ایک نسخہ لکھتا ہے۔ پھر چند دنوں کے بعد اس کی جگہ دوسری دوا تجویز کرتا ہے۔ مریض کو یہ مغالطہ پیش آسکتا ہے کہ یہ تو دوا میں تبدیلی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ کوئی تبدیلی نہیں۔ معالج پہلے سے جانتا ہے کہ ایک ماہ بعد مریض کے لیے یہ دوائیں موزوں ہو جائیں گی اور اس کے لیے دوسری دوائیں تجویز کی جائے گی۔ تقریباً یہی حال احکام شریعت میں نسخ کا ہے کہ شارع کی حکمت بالغہ کا تقاضا یہی تھا کہ جیسے جیسے انسانی تمدن ارتقائی منازل طے کرے گا شریعت کے اصولِ تدریج بروئے کار لا کر اسی کے مطابق اس کے لئے زندگی کے احکام تجویز کیے جائیں گے۔اور جیسے یہ بات عقل و دانش اور حکمت تربیت کے خلاف ہے کہ نابالغ بچہ کو پانچ دس سال کی عمر میں بالغ ہونے کے اور نکاح کرنے کے بعد کے مسائل سے روشناس کیا جائے اس طرح یہ بات بھی حکمت کے خلاف تھی کہ انسان کو ابتداء کائنات سے آخر تک مرحلہ وار آنے والے احکام سے آگاہ کیا جائے، اس لیے حقیقت یہ ہے کہ نسخ علم ربانی اور حکمت الٰہی کے نقص کو نہیں بلکہ کمال کو ظاہر کرتا ہے [47]۔

البتہ پیغمبر اسلام خاتم النبیین ﷺ کے سر پر ختم نبوت کا تاج رکھ کر تربیت ربانی کی تکمیل کا اعلان کر دیا گیا اور آپ ﷺ سب سے آخر میں اس وقت مبعوث کیے گئے جب انسانی تہذیب اپنے ارتقاء کے مراحل طے کر چکی تھی اور وہ عہد طفولت سے عہد کہولت تک پہنچ چکی تھی۔اس لئے آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے بعد نسخ کی نہ ضرورت باقی رہی اور نہ گنجائش (48)۔

آخری شریعت میں نسخ کے وجود کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن حکیم کے بہت سے احکام تدریج کے ساتھ نازل ہوئے ہیں، مثلاً نزول قرآن کے وقت عربوں میں شراب بہت عام تھی اور ان کی معاشرت کا حصہ بن چکی تھی۔ اسلام نے شراب کو فوراً حرام قرار نہیں دیا بلکہ بتدریج حرام قرار دیا۔ پہلے کہا گیا کہ اس میں گناہ کے ساتھ ساتھ کچھ منافع بھی ہیں۔ سرور کی لذت سے انسان تھوڑی دیر کے لئے بے خود ہو جائے۔ لیکن پھر آیت آئی "واثمھما اکبر من نفعھما" بتلا دیا کہ اس کا گناہ اس کے محدود نفع سے بڑھ کر ہے۔ گویا اس آیت کے ذریعہ پیغام دیا گیا کہ اسلام شراب کو پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ شراب کو اسلامی مزاج کے خلاف سمجھنے والے صاحبِ شعور لوگوں نے فوراً شراب چھوڑ دی۔اس کے بعد حکم آیا کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔"لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ" گویا ایک اور بندش آ گئی۔اس کے بعد آخر میں حتمی حکم نازل کیا گیا۔ "انما الخمر والمیسر۔۔۔۔" کہ شراب جوا وغیرہ یہ سب کے سب شیطانی کام ہیں اور ناپاک ہیں۔ لہٰذا ان سے بچو۔ اب اگر "نسخ" کے تناظر میں یہ تدریجی سلسلہ سامنے نہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص شراب کی طرف جائے۔ اگر قرآن تسلیم کرتا ہے کہ شراب

میں کوئی فائدہ بھی ہے تو چلو اس فائدہ کی خاطر شراب نوشی کریں۔ یا شاید نماز کے وقت کے سوا حلال ہونے کے وسوسہ میں مبتلا ہو۔ ایسا سمجھنا قرآں کی غلط تفسیر ہو گی۔ بلکہ یہ ایک تدریج تھی جس میں ایک ایک کر کے احکام دیئے گئے۔ اب وہ احکام ختم ہو گئے۔ اس حد تک اجازت منسوخ کر دی گئی۔ اگر یہ آیات اب بھی قرآن حکیم میں موجود ہیں۔ لیکن ان سب آیات کے باوجود حتماً اب شراب حرام ہیں اور آخری آیت "انما الخمر والمیسر۔۔۔" سے باقی آیت کو منسوخ کر دیا[49]۔

اب اگر نزول احکام میں تدریج نہ ہو تو یکبارگی شریعت پر عمل نہ ہو سکے۔ اور اگر تدریج کو روبعمل لا یا جائے تو اس سلسلے سے تعلق رکھنے والے احکام کے لیے نسخ ناگزیر ہو گا۔ اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ نسخ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوا قرآنی اصول علام الغیوب کا حاکمانہ اختیار اور حکیمانہ قانون ہے۔ نہ مسلمانوں کی اختراع ہے اور نہ خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے وضع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[50] جب ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کی مثل بھیج دیتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾[51] (جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں اور اللہ خوب جانتے ہیں جو نازل فرماتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ تم گھڑ کر لائے ہو، بلکہ ان میں سے اکثر بے علم ہیں)۔

حامل کتاب حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا معاملہ صاحب تصنیف اور ارباب تالیف کا نہیں کہ قرآن مجید آپ کی تالیف ہو ([52])۔ اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس پر وقتاً فوقتاً نظر ثانی کرتے ہو۔ اور غور و فکر کے بعد اس میں حذف و ترمیم کر کے قرآن کو ترتیب نو دیتے ہو۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حیثیت قرآن کے مبیّن، شارح، معلّم اور مہبط وحی کی ہے۔ اور بحیثیت پیغمبر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر وحی متلو اور وحی غیر متلو، دونوں اقسام کا نزول ہوتا رہا ہے۔ لہٰذا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیغمبرانہ احکام محض آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذاتی ادراک پر مبنی نہیں بلکہ وحی پر مبنی ہوتے یا پھر وحی سے تصدیق شدہ ہوتے تھے اور جب وحی کی یہ دونوں اقسام ہی ان احکام شریعت کا اصل مآخذ ہیں تو ان احکامات کے آسمانی ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ قرآن کی ساری آیات اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بتائے ہوئے احکام سب منزل من اللہ ہیں۔ جس طرح خالق کائنات نے سابقہ شریعتوں اور الہامی کتب میں زمانہ کے حالات اور انسانوں کے تقاضا کے مطابق تبدیلیاں کی ہیں اور یہ تبدیلیاں اپنی حکمت کے تحت کی ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ حکیم اور ہر نقص سے پاک ہیں۔ شرائع تبدیل کرنے میں نہ غلطی کی ہے، نہ بھولا ہے اور نہ رائے میں تبدیلی واقع ہوئی ہے بلکہ اپنے ازلی منصوبہ کے تحت مختلف اوقات میں ان کے مناسب احکام نازل کیے۔ احکام کا یہ اختلاف بغرض تکمیل تھا۔ غلطی یا

بھولنے کا نتیجہ نہیں تھا۔ لہٰذا نسخ امت محمدیہ (ﷺ) کی خصوصیت نہیں بلکہ سابقہ شریعتوں میں بھی ناسخ و منسوخ کا سلسلہ چلتا رہا۔ لہٰذا آخری شریعت میں وجود نسخ کی بنیاد پر اعتراضات کی گنجائش نہیں رہتی۔

توضیح کے لئے ایک دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ سیدنا آدم علیہ السلام کے زمانہ میں بھائی اپنی حقیقی بہن کے ساتھ نکاح کر سکتا تھا۔ حضرت سارہ جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بیوی تھی۔ آپ کی باپ شریک (علاتی) بہن بھی تھی۔ گویا ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی علاتی بہن کے ساتھ نکاح جائز تھا۔ بائبل کے مطابق حضرت سارہ کے بارے میں سیدنا ابراہیم (ﷺ) کا بیان ہے۔

> "And besides, she my sister Sirker, the daughter of my father, only, not the daughter of my mother and she became my wife".[53]

مزید برآں وہ میری بہن ہے، وہ صرف میرے باپ کی بیٹی ہے اور میری ماں کی بیٹی نہیں ہے، وہ میری بیوی بن چکی ہے۔

لیکن موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بہنوں سے نکاح حلال نہیں، بلکہ مطلّقاً حرام ہے، خواہ وہ بہن ماں کی طرف سے (اخیافی ہو)، یا باپ کی طرف سے (علاتی) ہو یا ماں باپ دونوں کی طرف سے (حقیقی) ہو[54]۔

۱۔ بائبل کے مذکورہ بالا دو حوالہ جات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے شریعتوں میں بہن کے ساتھ نکاح جائز تھا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی شریعت نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور بہن سے نکاح کو مطلّقاً حرام قرار دے دیا۔ خواہ بہن فقط ماں شریک یا فقط باپ شریک یا ماں باپ شریک کوئی بھی ہو۔ گویا پہلے حکم میں مکمل ترمیم ہوئی اور سابقہ حکم منسوخ قرار دیا گیا۔

۲۔ سیدنا نوح علیہ السلام کے دین میں ہر چلتا پھرتا جانور حلال تھا[55]۔ لیکن سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں کئی جانور حرام قرار دیئے گئے۔

۳۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں رکھنا جائز تھا اور آپؑ نے اپنے ماموں کی دو بیٹیوں "لیاہ" اور "راحیل" کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کیا تھا[56]۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ایک ساتھ دو بہنوں کو نکاح میں رکھنا جائز نہیں تھا[57]۔ اور شریعت اسلامی کا بھی یہی حکم ہے۔ ﴿وان تجمعوا بین الأختین﴾[58]۔

۴۔ حضرت موسیٰ علی السلام کی شریعت میں طلاق کی عام اجازت تھی[59]۔ لیکن مسیح علیہ السلام کی شریعت میں عورت کے زنا کارہ ہونے کے علاوہ کسی حالت میں بھی طلاق دینے کی اجازت نہیں[60]۔

آفرنیش عالم سے لے کر آخری پیغمبر تک جتنے بھی سچے معلّمین خدا کی طرف سے حق وصداقت کی اشاعت پر مأمور ہوئے اور ان میں متعدد کو کتب اور صحائف دیئے گئے اور مختلف ادوار میں زمان ومکان اور مزاج کی رعایت کرتے ہوئے ان کی تربیت اور رہنمائی کے لئے وحی پر مبنی جو آسمانی نصاب اور منہج ربانی دیا گیا۔ ان کا ایک حصہ نظریاتی زندگی کو غیر متبدل اور دوسرے حصہ مثلاً عملی زندگی کو قابل تبدیلی بنایا گیا۔ اور انسانی تمدن کے ارتقاء کے باعث نئے احکام دیئے گئے۔ انسانوں نے جب بھی ان آسمانی نصاب میں اپنی طرف سے آمیزشیں کی۔ ان تحریفات اور امیزشوں سے پاک کرنے کی غرض سے رب کائنات کی طرف سے انسانیت کے لئے نئے بے آمیز ہدایت نامے آئے۔ اس سلسلہ کی آخری کتاب قرآن مجید کی صورت میں پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ (ﷺ) پر نازل ہوئی۔ چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کوئی نیا قانون اور مکمل نئی شریعت نہیں بلکہ اسی قانون کا تسلسل ہے۔ جو مختلف ادوار میں پیغمبروں کے واسطہ سے انسانیت تک پہنچتا رہا۔ جس میں اصولی اعتقادی ہدایات دی گئیں جن میں قواعد اور مقاصد کی رہنمائی کی گئی۔ کہ یہ قیامت تک قابل عمل اور ناقابل تبدیل ہیں۔ اسی لئے قرآن نے اشارہ کیا کہ قرآنی ہدایت کے ذریعہ دین پایہ کمال کو پہنچ گیا ہے۔ حج کے موقع پر عرفہ کے دن میدان عرفات میں اس کا اعلان کر دیا گیا۔ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾[61]۔

اور حامل قرآن محمد رسول اللہ (ﷺ) پر سلسلہ نبوت ختم کر دیا گیا۔ ﴿مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ﴾[62] اس سے پہلے بے شک ایسا ہوتا رہا کہ موسوی شریعت نے سابقہ شریعتوں کے کچھ احکام کو منسوخ کیا۔ عیسوی شریعت نے بھی موسوی شریعت کے بے شمار احکام کو منسوخ کیا۔ ایسے ہی اسلامی شریعت نے سابقہ شریعتوں کے احکام کو منسوخ کیا۔ لیکن شریعت اسلامی کے بعد خالق کائنات کی طرف سے کسی نئی شریعت کے آنے کا امکان باقی نہیں رہا۔ انسانی شعور اور تمدن اپنے اوج کمال کو پہنچ گیا۔ اسے شریعت محمدی سے نوازا گیا۔ اب یہ انسانی سماج کے لئے ایسا موزوں قانون ہے کہ قیامت تک اس کی موزونیت اور اس کی افادیت کم نہیں ہو سکتی"[63]۔

مستشرقین کو سابقہ شریعتوں میں قانون نسخ پر کوئی اعتراض نہیں۔ آخری شریعت نے نسخ کے قانون کو حدود وقیود کے ساتھ مشروط کر کے صرف ایسے عملی احکام تک محدود رکھا ہے۔ جن میں ابدی ہونے کی صلاحیت

نہ ہو۔ان پر بے تکے اعتراضات کرتے ہیں چنانچہ قانون نسخ کی طرح دیگر پہلوؤں سے قرآن اور دین اسلام پر اعتراضات کی جو وجہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ مستشرقین کی اکثریت یہودیت اور عیسائیت سے تعلق رکھتی ہے۔ وجود خداوندی کے قائل ہیں۔ فلاح انسانیت کے لئے آسمانی رہنمائی کی اہمیت پر یقین رکھتے ہیں۔ اس بات پر بھی کامل یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اگر وہ قرآن کریم کو اللہ کی کتاب مان لیں تو دین اسلام کی مخالفت کا ان کا سارا منصوبہ خاک میں مل جاتا ہے۔ قرآن ماننے کے بعد حضور اکرم (ﷺ) کی رسالت کے انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔ انہیں قرآن کریم میں بیان کردہ حقائق پر بھی ایمان لانا پڑتا ہے۔

قرآن کریم کو کلام الہیٰ مان لینے کے بعد انہیں یہودیت اور نصرانیت کا طوق اپنے گلے سے اتار کر خاتم الانبیاء علیہ الصلوۃ السلام کی تعلیمات پر عمل کرنا پڑتا ہے۔ اس کے لیے وہ تیار نہیں، یا یہ دولت ان کے نصیب میں نہیں۔ اس لئے من گھڑت، بے تکے اور بلا دلیل سطحی اعتراضات کا سہارا لیتے ہیں اور اس کے لئے اپنی تمام قلمی صلاحیتیں، ادبی مہارتیں بروئے کار لا کر علمی خیانت اور تلبیس سے کام لیتے ہیں تاکہ ان اعتراضات سے عام مسلمان شکوک و شبہات کا شکار ہو اور غیر مسلم قرآن کو آخری الہامی کتاب سمجھ کر قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو۔

نتائج

۱۔ قرآنی احکام میں "نسخ" پر یہود نے بھول پن کا نتیجہ قرار دے کر اعتراض کیا اور اسے علم الہیٰ کے نقص کا سبب سمجھ کر خلاف عقل قرار دیا اور امکان نسخ کا انکار کیا۔

۲۔ ابو مسلم اصفہانی نے اگرچہ مکان نسخ کو تسلیم کیا لیکن قرآن میں وقوع نسخ کا انکار کیا۔

۳۔ مستشرقین نے اسی اعتراض کو تحقیق کے نام سے جدت کا جامہ پہنا کر مختلف اسالیب میں دھرایا۔ بعض مستشرقین نے اسے مسلمانوں کی ایجاد جبکہ منٹگمری واٹ نے پیغمبر اسلام کا از خود وضع کردہ اصول قرار دیا۔ آنحضرت (ﷺ) پر ارباب تصنیف و تالیف کی طرح قرآن کی ترتیب نو کا ملفوف الزام لگایا اور قرآن کو آنحضرت (ﷺ) کی تصنیف قرار دیا۔

۴۔ نسخ دینی اصطلاح ہے ،اس کے اپنے حدود و قیود ہیں۔ سابقہ شریعتوں میں بھی واقع ہوتا آیا ہے اور قرآن اور اسلامی شریعت میں بھی روبعمل لایا گیا ہے۔ (معاذ اللہ) نسخ اللہ تعالیٰ کے نسیان، تبدیلی رائے اور نقصان علم کی علامت نہیں بلکہ اپنے اصطلاحی مفہوم میں اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے تحت تکمیل شریعت کا قانون ہے۔ اس سے علم ربانی اور حکمت الہیٰ کا نقص نہیں کمال ظاہر ہوتا ہے۔

۵۔ نسخ صرف فروعات اوران احکام میں جو صرف مخصوص وقت اور دور کے لیے تھے، واقع ہوا ہے۔ یہ نسخ دین اسلام کی طرح سابقہ شریعتوں میں بھی ہوتا آیا ہے۔ عقائد، اصول، قصص، اخبار اور دوامی نوعیت کے فروعی احکام میں نسخ نہیں ہوتا۔

حوالہ جات وحواشی

1 ۔ George Sale, The Koran, P.49. Fredrick Worn and Company, New york, 1890

2 ۔ The Kuran, Page: 52.

3 ۔ M. N Watt, W. Montgomery: Muhammad Prophet and Statesman, P. 18.

4 ۔ خالد سیف اللہ، رحمانی، قاموس الفقہ، ستمبر ۲۰۰۷، زم زم پبلشرز، کراچی، ج۸، ص۱۷۷۔۱۸۸

5 ۔ محمد تقی عثمانی، علوم القرآن، دار العلوم کراچی، ۲۰۱۰ء، ص ۱۶۰

6 ۔ البقرۃ۲:۱۰۶

7 ۔ علی بن محمد الشریف ، الجرجانی، کتاب التعریفات، ص۳۱۰، مکتبہ لبنان، ساحد ریاض الصلح، بیروت، ۱۹۶۹، لسان العرب، دار صادر، بیروت، ج ۳، ص۶۱

8 ۔ محمد عبید اللہ، الاسعدی، مفتی، اصول الفقہ، مکتبہ ادارہ معارف، ۲۰۱۱، کراچی، ص۱۸۵،

9 ۔ محمد تقی عثمانی، علوم القرآن، مکتبہ دار العلوم کراچی، ۲۰۱۰، ص ۱۵۹

10 ۔ الشاطبی ابو اسحاق، ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات فی اصول الشریعۃ، تقدیم، شیخ عبداللہ دراز، بیروت، دار المعرفۃ، ج ۲، ص ۸۳

11 ۔ فخر الدین الرازی، المحصول فی علم اصول الفقہ، ج ۳، ص ۲۸۲، البخاری ، عبدالعزیز احمد بن محمد، کشف الاسرار عن اصول فخر الاسلام بزدوی، دار الکتب العلمیہ بیروت، ج ۳، ص ۲۹۹

12 ۔ محمد بن احمد بن ابی سہل، السرخسی، اصول السرخی، تحقیق: ابوالوفاء الافغانی، دار المعرفۃ بیروت، ج ۲، ص ۵۲

13 ۔ محمود آلوسی، ابوالفضل، تفسیر روح المعانی، مکتبہ دار العلوم، ج۱، ص ۵۲

14 ۔ آلوسی، تفسیر روح المعانی، ج۱، ص ۵۲

15 ۔ البقرۃ۲:۱۰۶

16 ۔ النحل۱۶:۱۰۱

17 ۔ ابو بکر حازمی، الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الاثار، ص ۲۲

18 ۔ السرخسی، اصول السرخسی، ج ۲، ص ۲۷

19 ۔ مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں دستور تھا کہ مردہ کا تمام مال اس کی بیوی اور اولاد بلکہ خاص بیٹوں کو ملتا تھا۔ ماں، باپ اور سب اقارب محروم رہتے تھے۔ ماں باپ اور جملہ اقارب کو انصاف کے ساتھ ترکہ ملنے کے لئے اس کے موافق وصیت فرض ہوئی اور یہ وصیت اس وقت فرض تھی وقت تک سورۃ نساء کی آیات میراث نازل نہیں ہوئی۔
(شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی، مطبوعہ، مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف، ۳۵، تحت آیت نمبر ۱۸۰)

20 ۔ مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح المسلم، حدیث ۹۷۷، کتاب الجنائز، باب بیان ما کان من النهي عن اكل لحوم الاضاحي بعد ثلاث في اول الإسلام وبيان نسخه وإباحته إلى متى شاء

21 ۔ امیر بادشاہ، محمد آمین، تیسر التحریر، ۱۳۰۵ھ، طبع مصر، ج ۳، ص ۲۲۲، الرازی، المحصول، ج ۲، ص ۵۳۳

22 ۔ النجم ۵۳: ۴-۳

23 ۔ علامہ عثمانی کہتے ہیں: شروع میں یہ حکم تھا کہ رمضان میں اول شب میں کھاتے پینے اور عورتوں کے پاس جانے کی اجازت تھی مگر سونے کے بعد ان چیزوں کی ممانعت تھی۔ بعض لوگوں نے اس حکم کے خلاف ورزی کر کے بعد میں توبہ کی۔ ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اور احکام خداوندی کی تاکید فرمادی گئی اور حکم سابق منسوخ فرماکر آئندہ کو اجازت دی گئی۔
(شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی، ص ۳۶، تحت آیۃ احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم)۔

24 ۔ اصول السرخسی، ج ۲، ص ۶۷

25 ۔ النحل ۱۶: ۴۴

26 ۔ السرخسی، اصول السرخسی، ج ۲، ص ۲۷

27 ۔ عبدالعزیز بن احمد بن محمد، کشف الاسرار، ج ۳، ص ۳۰۰

28 ۔ البقرۃ ۲: ۱۸۰

29 ۔ ابوداؤد، حدیث: ۲۸۷۰، باب ما جاء في الوصية للوارث

30 ۔ ابوداؤد، حدیث: ۲۸۶۴، باب ما جاء في الوصية للوارث

31 ۔ محمد مصطفیٰ شلبی، الدکتور، اصول الفقہ الاسلامی، ج ۱، ص ۵۵۳

32 ۔ الاحزاب ۳۳: ۵۳

33 ۔ عبدالعزیز بن احمد بن محمد، علاء الدین، کشف الاسرار، ج ۳، ص ۳۲۳، ، الاحکام فی اصول الأحکام ج ۲، ص ۱۲۲، وھبہ الزحیلی، الدکتور، اصول الفقہ الاسلامی، ج ۲، ص ۹۵۵ ـ ۹۵۸، الخلاف، اصول الفقہ، ۲۲۷، الشلبی، اصول الفقہ الاسلامی، ج ۱، ص ۵۵۴

34 ۔ عبدالوھاب خلاف، اصول الفقہ، ط/ ۲۰، کویت، دار القلم، ص ۲۶ـ۲۷

35 ۔ الاحزاب ۳۳: ۵۳

36 ۔ النور ۲۴: ۴

37 ۔ الشاطبی، الموافقات، ج ۳، ص ۷۳

38 ۔ شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر، مکتبہ رحیمیہ، دیوبند، ص ۱۹

39 ۔ جلال الدین السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، سہیل اکیڈیمی لاہور، ج ۲، ص ۳۲،

40 ۔ وہ پانچ آیتیں یہ ہیں۔ البقرہ آیت نمبر ۱۸۰ اور ۲۴۰، الانفال ۶۵، الاحزاب ۵۲، المجادلہ ۱۲، الفوز الکبیر فی اصول تفسیر (اردو ترجمہ) مولوی رشید احمد، مکتبہ العلم اردو بازار لاہور، م۔ ص ۳۸۔ خالد سیف اللہ، قاموس الفقہ، ج ۵، ص ۱۹۳

41 ۔ اسماعیل بن کثیر، ابوالفداء، تفسیر ابن کثیر، مکتبہ فاروقیہ لاہور، ج ۱، ص ۱۰۱،

42 ۔ شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی، تحت آیۃ ما ننسخ من آیۃ الخ، ص ۲۰

43 ۔ آلوسی، روح المعانی، ، مکتبہ دار العلوم، ج ۱، ص ۵۲

44 ۔ عبدالصمد رحمانی، مجلس معارف القرآن، دیوبند، ۱۳۸۶ء، ص ۱۲۰۰

45 ۔ عبدالعزیز بن احمد بن محمد، کشف الاسرار، ج ۳، ص ۳۰۰، السرخسی اصول السرخسی، ج ۲، ص ۵۴

46 ۔ شاطبی، الموافقات، ج ۲، ص ۸۳

47 ۔ خالد سیف اللہ رحمانی، قاموس الفقہ، ج ۵، ص ۱۸۸، السرخسی، اصول السرخسی، ج ۲، ص ۱۵۲

48 ۔ خالد سیف اللہ رحمانی، قاموس الفقہ، ج ۵، ص ۱۸۸

49 ۔ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاظراتِ قرآنی، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، ص ۲۹۸، ۲۹۹

50 ۔ البقرۃ ۲ : ۱۰۶

51 ۔ النحل ۱۶ : ۱۰۱

52 ۔ کفار مکہ نے جب قرآن کو انسانی اختراع قرار دینے کی کوشش کی تو اس سلسلے میں قرآن مجید نے سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۳ میں چیلنج دیا ہے "وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ" اگر تمہیں اس امر میں شک ہو کہ جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے تو تم اس کی مانند کوئی سورت بنا لاؤ اور اپنے مددکاروں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو پس اگر تمہیں اس کی مثل پیش نہیں کر سکتے اور یاد رکھو نہ پیش کر سکتے۔ تو تصدیق کرو کہ یہ ہماری کتاب ہے کسی بشر کی تصنیف واختراع نہیں۔ یہ چیلنج جس طرح لبید، ولید بن مغیرہ، جیسے فصیح اللسان عربوں کے لیے تھا۔ موجودہ دور کے معاندین اور مستشرقین اور عرب ادبا وفضلاء کے لیے بھی ہے۔ اسی طرح سورۃ اسراء میں آیت ۸۸ میں قرآن مجید کو انسانی تصنیف قرار دینے کی نفی کی گئی اور ارشاد وارد ہوا: "قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا" کہ دے کہ اگر ساری دنیا کے انس وجن جمع ہو جائیں قرآن کی مثل لانے کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں اور طاقتیں خرچ کرے تب بھی قرآن کی مثل نہیں بنا سکتے۔ خواہ اس کام کے لیے وہ ایک دوسری کی مدد کے لئے آخری حد تک کیوں نہ جائے۔

53 ۔ بائبل، کتاب پیدائش: ۲۹، ۳۰

54 ۔ عہد نامہ قدیم، کتاب الاحبار، باب : ۲۰، آیت : ۱۷

55 ۔ بائبل، کتاب پیدائش، باب:۹، آیت: ۳
56 ۔ کتاب پیدائش، باب:۱۹
57 ۔ بائبل، کتاب الاحبار، باب: ۱۸، آیت: ۱۸
58 ۔ بائبل، کتاب الاحبار، باب ۷، آیت ۱۸
59 ۔ بائبل، کتاب پیدائش، باب:۱۹
60 ۔ انجیل متی: ۱۹، ۱۵
61 ۔ المائدۃ۵: ۳
62 ۔ الاحزاب۳۳: ۴۰
63 ۔ خالد سیف اللہ رحمانی، قاموس الفقہ، ج۱، ص ۳۲۳، ۳۲۲

OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
mei.aiou.edu.pk
iri.aiou.edu.pk

معاشرتی معاملات میں کفارہ کا اسلامی تصور: فقہاء مفسرین کی آراء کا تجزیاتی مطالعہ

(An Islamic Concept of "Atonement" In Social Relation
(An Analytical Study of Jurisprudents Opinions)

حافظ محمد ارشد اقبال
پی ایچ ڈی سکالر، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ABSTRACT

Allah sent the Prophet (P.B.U.H) with a comprehensive divine system which is a means of worldly welfare and salvation in Hereafter. Man has been given the status of crown of creation, among all creatures and has been made answerable for all deeds in shariah. However, crimes and sins are part of human nature, due to human fallibility. Due to sinful man becomes disappointment. Allah has facilitated man in such condition by blessing him with a deed, which if done masks his signs. It is called atonement and it has the status of both religious and economic worship. Thus atonement is a means bestowed by Allah. Allah has made certain deeds obligatory as a way of atonement to dispel the evil impact of the sign committed. These include: setting a slave free, observing fasts, and feeding the poor and the hungry. The atonement for breaking an oath and dhihar as to feed the destitute. Or provide them with clothes or is to set a salve free. Atonement is also obligatory for intentionally breaking a fast of sacred Ramdan and to ensure continuity of human life. Similarly, in Ihram, atonement is also enjoined not only for hunting during the Hujj but also on providing assistance in it. How ever the jurists differ about the performance of atonement in setting a salve faree, on the amount of food to be fed and the continuous observance of fasting. So conclude man reforms himself by getting rid of sins through atonement.

KEY WORD. Atonement, sins, setting a slave free, continuous observance of fasting, poor and needy, Destitute

ہدایات ربانی کا سلسلہ الہامی کتب و صحائف کی شکل میں حضرت آدمؑ سے جاری ہوا اور اس کی تکمیل آخری آسمانی کتاب قرآن مجید کی صورت میں ہوئی جو دین اسلام کی بنیاد ہے۔اسلام کی مکمل اتباع اور پیروی کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک خاص مقصد حیات (عبادت ورضائے الٰہی) کے ساتھ دنیا میں مبعوث فرمایا۔اس

لیے انسان ہر حال میں شریعت کے تمام احکام کا مکلّف ہے۔ تاہم بتقاضائے بشریت خطاء اور نسیان انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ بعض اوقات انسان دنیا کی ظاہری رنگینیوں میں کھو کر اپنے خالق و مالک کی رضاء کے خلاف کسی خطاء یا گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ خطاء بھی دو قسم کی ہے: ایک وہ غلطی جو بغیر ارادہ کے انسان سے سہواً سرزد ہو جاتی ہے جس کی تلافی توبہ، استغفار اور نیک اعمال کو بجالانے سے ہوتی ہے، دوسری وہ غلطی جو انسان اپنی خواہش کے تابع ہو کر عملاً کر بیٹھتا ہے اور گناہگار ہو جاتا ہے۔ غلطیوں اور گناہوں کے ارتکاب سے اس پر مایوسی کے بادل چھا جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں اللہ رب العزت نے سہولت کے طور پر انسان کو وہ عمل عطاء کیا جس کی ادائیگی سے گناہوں پر پردہ آ جاتا ہے اس عمل کو قرآن مجید میں کفارہ کا نام دیا گیا۔ کفارہ کے ذریعے انسان گناہوں سے تائب ہو کر اپنی اصلاح کرتا ہے اور عبادت و کار خیر کے ذریعے گناہ کے اثر کو روح پر سے دھو دیتا ہے اور شرمساری و ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف نہ صرف رجوع کرتا ہے بلکہ آئندہ کے لیے اس کا نفس ایسی غلطیوں کے اعادے سے محفوظ رہتا ہے۔ پس کفارہ انسان کے لیے اللہ کی رحمت کے حصول کا ذریعہ اور گناہوں کی تلافی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَأُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَيِّـَٔاتِهِمۡ﴾1 (میں ان کے گناہ دور کر دوں گا) اور خدا اپنے بندے سے چاہتا بھی یہی ہے کہ اس کا ہر بندہ صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پاک ہو کر اس کی طرف لوٹے۔ گناہوں سے چھٹکارا اللہ کی رحمت، اور اس کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کر کے ہی ممکن ہے۔ کفارہ بھی اسی کا بتایا ہوا طریقہ ہے جس کے ذریعے برائیاں دور کر دی جاتی ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لِيُكَفِّرَ ٱللَّهُ عَنۡهُمۡ أَسۡوَأَ ٱلَّذِي عَمِلُواْ﴾2 (تاکہ خدا ان سے برائیوں کو دور کر دے جو انہوں نے کیں)

یعنی انسان کفارہ کی ادائیگی سے دوبارہ اللہ کا قرب حاصل کر لیتا ہے اور اس ذوق و شوق سے نیک اعمال بجالاتا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ کفارہ گناہ کو زائل کر دیتا ہے اور مٹا دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ" 3 (کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں)

پس قرآن مجید میں جن افعال پر کفارے کو لازم کیا گیا ہے ان میں عمداً روزہ ساقط کرنے کا کفارہ، قتل خطاء کا کفارہ، قسم توڑنے کا کفارہ، حالت احرام میں شکار کرنے کا کفارہ اور ظہار کا کفارہ ہے۔ پس مذکورہ کفارات کے احکام و مسائل درج ذیل کتب فقہ (الہدایہ، بدائع الصنائع، المبسوط، المغنی، الفقہ الاسلامی و ادلتہ، کتاب الفقہ

علی المذاہب الاربعہ، قوانین الاسلام اور دیگر کتب) کی مختلف جلدوں کے ابواب و اوراق میں مختلف عنوانات سے موجود ہیں لیکن فقہی تفاسیر کے حوالے سے کفارہ کے متعلق یکجا مواد کسی مقالے میں موجود نہیں لہٰذا کفارہ واس کی اقسام کے متعلق چاروں مکاتب کے فقہاء مفسرین کی آراء کا تجزیہ وخلاصہ پیش کرنے کے لیے یہ مقالہ تحریر کیا گیا ہے۔ مقالہ کی ابتداء میں موضوع کا تعارف، کفارہ کا مفہوم، قرآن و حدیث میں کفارہ کی اہمیت، کفارہ کا وجوب اور اقسام کو بیان کیا گیا ہے پھر مذکورہ بالا کفارہ کے متعلق فقہاء مفسرین کی آراء کے تجزیاتی مطالعہ کے ذریعے خلاصہ پیش کر کے نتائج مرتب کیے گئے ہیں۔

مندرجہ بالا کفارات کی وضاحت سے پہلے کفارہ کا معنی و مفہوم اور تعریف حسب ذیل ہے:

کفارہ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

اہل لغات نے کفارہ کے متعدد معنی تحریر کیے ہیں۔علامہ ابن منظور افریقی "کَفَّارہ کا معنی چھپانا یا ڈھانپنا" لکھتے ہیں:

"یُقَالُ کَفَرْتُ الشی اَکْفُرَہ بکسر الفاء ای استرتہ وکل شی غَطّٰی شیًا فقد کَفَرَ"[4]

اسماعیل بن حماد الجوھری لکھتے ہیں: "اذا سفت الریح التراب علیہ حتی غَطّتہ"[5]

سید مرتضٰی زبیدی کے نزدیک " کفارہ ثواب کا موجب بنتا ہے اور گناہوں کو ایسے زائل کر دیتا ہے کہ گو یا گناہ تھا ہی نہیں "[6]۔

کفارہ اسم فاعل واحد مونث کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی پاک کرنے والا اور گناہوں کا ازالہ کرنے والا ہے۔

اردو دائرہ معارف اسلامی میں 'کفارہ' تاوان اور تلافی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی گناہوں کے بدلے میں عمل خیر کر کے گناہوں پر پردہ ڈال دینا۔[7]۔

کفارہ کی تعریف

ڈاکٹر احمد فتح بہنسی لکھتے ہیں:

" کفارہ فعالہ کے وزن پر ہے اور یہ ایسا عمل ہے جو انسان کے گناہوں کو زائل کر دیتا ہے۔اور اس کو ندامت و شرمندگی سے بچانے کا ذریعہ بنتا ہے"[8]

عبد القادر عودہ نے فرائض کی عدم ادائیگی پر مقررہ سزا کو کفارہ کہا ہے:

"الکفارۃ ھی العقوبۃ المقررۃ فی الشریعۃ علی المعصیۃ عن آتیاتا "[9]

پس کفارہ کے معنی و مفہوم و تعریفات سے واضح ہے کہ بندے کا گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے اللہ سے جو تعلق منقطع ہو جاتا ہے کفارہ اس تعلق کو بحال کرنے کا ذریعہ ہے۔ چونکہ انسان غلطی کا پتلا ہے۔ اس لیے کفارہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی غلطیوں کو مٹانے اور انسان کی قلبی بے چینی و بے سکونی کی کیفیت کو ختم کر کے تعلق باللہ کو استوار کرنے کا ذریعہ ہے۔

کفارہ کی اقسام

چونکہ کفارہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم کی خلاف ورزی پر عائد کیا ہے اس لیے کفارہ (دینی و مالی سزا) کو عبادت کا درجہ بھی حاصل ہے۔ جب کفارہ کسی ایسے کام پر مقرر کیا جائے جو گناہ نہ ہو۔ تو یہ خالص عبادت ہے اور اگر یہ کسی گناہ والے کام پر عائد ہو جائے تو یہ مالی سزا ہے۔ قرآن مجید میں دلالۃ النص سے جن امور پر کفارہ ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے وہ پانچ کفارات (کفارہ صوم، کفارہ قتل خطا، کفارہ یمین، کفارہ صید المحرم، اور کفارہ ظہار) ہیں [10]۔ ان کفارات کا مختصر تعارف و فقہاء مفسرین کی آراء حسب ذیل ہیں

1۔ کفارہ صوم

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا مقصد عبادت قرار دیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ [11] (اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا) انسان اپنی عبدیت و بندگی کا اظہار اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری اور احکام و عبادات کی بجا آوری سے کرتا ہے عبادات میں روزے کو اسلام کے عمود و شعائر سے تشبیہ دی گئی ہے روزہ انسان کے روحانی و نفسانی خواہشات کے علاج کا واحد ذریعہ ہے اور یہ وہ نیک عمل ہے جس کی جزا کا وعدہ اللہ نے خود کیا جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے:

((**الصوم لی وانا اجزی به**)) [12] (روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا)

رمضان المبارک میں روزے کی حالت میں کوئی ایسا فعل کرنا جس سے روزے کی روح مجروح ہو جائے یا قصداً (بغیر کسی جواز کے) رمضان کا روزہ توڑ دینا تو اس پر کفارہ لازم آ جاتا ہے کیونکہ اس نے روزوں والے مہینہ کی بے حرمتی کی ہے۔ تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ روزہ کو توڑ کر کفارے کا سبب بننے والی اہم چیز دانستہ جماع کرنا اور عمداً کھانا پینا ہے جبکہ شافعی و حنبلی فقہاء صرف جماع کرنے کو کفارے کا سبب قرار دیتے ہیں [13]۔ پس بلا عذر شرعی رمضان المبارک کے فرض روزہ کو ترک کرنے پر کفارہ عائد کیا گیا ہے کسی منتی یا نفلی روزہ توڑنے پر کفارہ نہیں۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے۔

((عن أبي هريرة رضي الله عنه أنه قال جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال هلكت يا رسول الله قال وما أهلكك؟ قال وقعت علي امرأتي في رمضان. قال هل تجد ما تعتق به رقبة. قال لا. قال فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين قال لا. قال صلى الله عليه وسلم فهل تجد ما تطعم به ستين مسكينا؟ قال لا ثم جلس فأتي النبي صلى الله عليه وسلم بفرق فيه تمر فقال تصدق بهذا فقال اعلي أفقر مني؟ فما بين لابتيها أهل بيت أحوج إليه منا؟ قال فضحك النبي صلى الله عليه وسلم حتي بدت أنيابه ثم قال إذهب فأطعمه أهلك))[14]

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی اے رسولؐ میں ہلاک ہو گیا۔ آپؐ نے پوچھا کس چیز نے تجھے ہلاک کیا ہے؟ اس نے کہا میں نے رمضان میں (روزے کے ساتھ) اپنی بیوی سے ہمبستری کر لی ہے۔ آپؐ نے پوچھا کیا تم ایک غلام آزاد کر سکتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ آپؐ نے پوچھا تم دو ماہ کے مسلسل روزے رکھ سکتے ہو۔ اس نے کہا نہیں۔ آپؐ نے پوچھا کہ تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو۔ اس نے کہا نہیں وہ بیٹھا رہا اتنے میں آپؐ کی خدمت اقدس میں کھجوروں کی ایک ٹوکری آئی آپؐ نے فرمایا اسے لے جا کر صدقہ کر دو۔ اس نے کہا مجھ سے بڑھ کر ضرورتمند کون ہے؟ ان دونوں قبیلوں کے درمیان کوئی گھرانہ ایسا نہ ہو گا جو میرے گھر سے زیادہ محتاج ہو یہ سن کر آپؐ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپؐ کے دندان مبارک نمایاں ہو گئے پھر آپؐ نے فرمایا اچھا جاؤ اسے اپنے گھر والوں کو کھلا دو)

پس اگر کوئی شخص بغیر کسی شرعی عذر (مرض، سفر یا شیخ فانی) کے رمضان المبارک کا روزہ رکھ کر توڑ دیتا ہے تو حدیث رسولؐ کے مطابق ایسے شخص کو تین صورتوں میں کفارہ دینا پڑے گا۔

۱۔ غلام آزاد کرنا ۲۔ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا ۳۔ ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا

تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ روزہ توڑنے کے کفارے میں ترتیب کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ تخیر کو نہیں جیسے کفارہ ظہار اور کفارہ یمین میں ہے کہ کفارہ ادا کرنے والا جس صورت میں چاہے کفارہ ادا کر سکتا ہے۔

ا۔ غلام آزاد کرنا

امام شافعیؒ کفارہ صوم میں مومن غلام آزاد کرنے کا حکم لگاتے ہیں جس طرح کفارہ یمین اور کفارہ ظہار میں مومن کی شرط لگاتے ہیں اور کفارہ صوم کو کفارہ قتل خطاء پر قیاس کرتے ہوئے مومن غلام آزاد کرنے کی دلیل دیتے ہیں۔[15]

جبکہ احناف مومن کی شرط اس لیے نہیں لگاتے کیونکہ نص میں مطلق رقبہ کا ذکر ہے۔

علامہ ابو بکر جصاص لکھتے ہیں "روزہ کے کفارہ میں مطلق غلام آزاد کیا جائے گا۔ مؤمن کی شرط تو کفارہ قتل خطاء میں ہے کفارہ صوم، کفارہ ظہار اور کفارہ یمین میں غلام آزاد کرنے کا جو حکم ہے وہ مطلق ہے۔ اس میں مؤمن وغیر مؤمن دونوں شامل ہیں۔ صرف مؤمن غلام کی شرط لگانا درست نہیں۔"[16]۔

۲۔ روزے رکھنا

اگر روزہ توڑنے والا غلام آزاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو پھر وہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے فقہاء نے روزوں کے تتابع میں اختلاف کیا ہے۔ "جمہور فقہاء (شوافع، مالکیہ واحناف) مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنے کے قائل ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ تسلسل کے منقطع ہونے سے رکھے گئے روزے نفل شمار ہونگے اور پھر از سر نو روزے رکھنے ہونگے۔[17] جبکہ حنبلی فقہاء کی دلیل ہے کہ اگر کسی شرعی عذر سے روزہ جھوٹ جاتا ہے یعنی، مرض کے آنے سے، سفر کے درپیش ہونے سے یا حیض و نفاس کے آنے سے تو اس سے تسلسل نہیں ٹوٹے گا۔ اور روزے نئے سرے سے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے[18]۔

۳۔ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا

اگر مکلّف دو ماہ کے تسلسل کے ساتھ روزے رکھنے سے عاجز ہے تو پھر کفارے کی آخری صورت ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانے پر عمل کرنا ہوگا۔ فقہاء نے کھانا کھلانے کی مقدار میں اختلاف کیا ہے۔

شافعی فقہاء کے نزدیک ساٹھ مسکینوں کو اتنا ہی دیا جائے جتنا صدقہ فطر میں دینا درست ہے۔ اور شوافع کے نزدیک کھانا درست حالت میں ہو۔ گھن لگا، خراب، بھیگا ہوا پرانی گندم دینا درست نہیں۔ اور ہر مسکین کو ایک مد جو نبیؐ کے مد کے مطابق ہے دیا جائے گا[19]۔

جبکہ احناف کے نزدیک مسکین کو دیا جائے والا طعام اتنا ہو کہ مسکین صبح و شام سیر ہو کر کھا سکے۔ یا دو وقت کا کھانا ہو ایک سحری کا اور دوسری افطاری کا یعنی دو مد یا نصف صاع گندم یا آٹا یا ستو دے یا ہر مسکین کو ایک صاع جو یا کھجور یا کشمش دے[20]۔

اور مالکی فقہاء کے نزدیک ہر محتاج کو ایک مد مد نبوی کے مطابق دیا جائے اور وہ مد اوسط درجہ کے ہاتھوں سے ہو۔ اور کفارہ دینے والے کے شہر کی بیشتر غذا ہو اور ایسے لوگوں کو ہر گز نہ دیا جائے جن کا بار نفقہ اس پر لازم ہو[21]۔

حنبلی فقہاء بھی ہر محتاج کو ایک مد گندم دینے کے قائل ہیں اور کفارہ دینے والے پر یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس تقسیم میں اس کے اصول وفروع شامل نہ ہوں۔ کیونکہ اصول وفروع کا نفقہ تو اس پر واجب ہے[22]۔

2۔ قتل خطاء کا کفارہ

نزول قرآن کا ایک مقصد لوگوں کو سلامتی اور سکون مہیا کرنا ہے جس کی تکمیل کے لیے آپ ﷺ کو رحمت العلمین بنا کر مبعوث کیا گیا (وَمَآ أَرۡسَلۡنَٰكَ إِلَّا رَحۡمَةٗ لِّلۡعَٰلَمِينَ)23

آپ ﷺ کی ہستی اور آپ ﷺ کا لایا ہوا نظام باعث فلاح ونجات اخروی کا ذریعہ ہے۔ قبل از بعثت انسانی حقوق کو پامال کرنے کا رواج کسی سے مخفی نہیں۔ خصوصاً انسان کے قتل کا تو عام رواج تھا۔ حتی کہ معصوم بچیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ رسول ﷺ کی بعثت اور اسلام کی نعمت سے اس قبیح رسم کا خاتمہ ہوا اور انسان کو انسانی جان کا احترام سکھایا گیا۔ بنیادی انسانی حقوق کا جو تصور قرآن نے دیا اس کی رو سے ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل اور ایک انسانی جان بچانے کو پوری انسانیت کی جان بچانے کے مترادف ٹھہرایا گیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(مَن قَتَلَ نَفۡسَۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ أَوۡ فَسَادٖ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ ٱلنَّاسَ جَمِيعٗا وَمَنۡ أَحۡيَاهَا فَكَأَنَّمَآ أَحۡيَا ٱلنَّاسَ جَمِيعٗاۚ﴾[24]

کتاب وسنت میں قتل جیسے بُرے فعل کی شدید مذمت کی گئی ہے اور انسانی جان کو عزت وتکریم سے نوازا گیا ہے

(وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِيٓ ءَادَمَ)25 (اور ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی ہے)

شریعت نے قتل عمد میں قصاص کو لازم کیا ہے 26 جبکہ قتل خطاء میں کفارے کی وضاحت اس آیت مبارکہ میں کی گئی ہے۔

(وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٍ أَن يَقۡتُلَ مُؤۡمِنًا إِلَّا خَطَـٔٗا۔۔۔عَلِيمًا حَكِيمٗا)[27]

پس مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں قتل خطاء کے کفارہ کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

1۔ مؤمن غلام آزاد کرنا 2۔ دیت 3۔ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا

ا۔ مؤمن غلام آزاد کرنا

امام شافعیؒ لکھتے ہیں کہ "قتل خطاء کے کفارہ میں مؤمن غلام کا آزاد کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ نص سے ثابت ہے۔ چونکہ قاتل نے خطاءً مسلمان شخص کو قتل کیا ہے اس لیے غلام مسلمان ہو کافر نہ ہو اور قاتل پر دیت بھی لازم ہو گی جو سنت رسول کے مطابق ورثاء کے سپرد کی جائے گی "[28]۔ امام شافعیؒ دیت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

> "انّ علی قاتل المومن دیته مسلمته الی اهله وابان علی لسان نبی ان رسول الله قضیٰ فی الدیته المسلم مائة"[29]
>
> یعنی دیت جو مقتول کے ورثاء کے سپرد کی جائے گی آپ ﷺ سے دیت کی مقدار کی وضاحت بھی موجود ہے۔

علامہ قرطبیؒ دیت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **"الدية ما يعطى عوضا عن دم القتيل الى وليه"**[30]

امام ابن العربی واضح کرتے ہیں:

> "اللہ تعالیٰ نے قتل خطاء کے کفارے کو گناہ کے طور پر نہیں بلکہ عبادت کے طور پر واجب کیا ہے اور غلام کا مومن اور ایمان والا ہونا ضروری ہے اور اس کے ایمان کا اظہار اس کے صوم وصلوت سے ہوگا خواہ وہ غلام چھوٹا یا بڑا ہو"[31]

علامہ ابو بکر جصاص قتل خطاء کے کفارے میں مومن رقبہ کی آزادی پر عمر کی قید نہیں لگاتے کیونکہ بچے کی پیدائش کے وقت فطرت پر ہونے کا ثبوت حدیث سے ثابت ہے۔[32] جیسا کہ رسول ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

> ((کل مولود یولد علی الفطرة فابواه یهودانه وینصرانه))[33]

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے صوم وصلوت کی شرط نہیں لگائی اس لیے مطلق لفظ پر شرط کی زیادتی جائز نہیں کیونکہ نص پر زیادتی نسخ کا موجب بنتی ہے۔

محمد علی صابونیؒ کفارہ کے وجوب کی بحث میں امام شافعیؒ کے اس قول کہ "قتل عمد میں بھی کفارہ واجب ہے" کے جواب میں لکھتے ہیں:

" لان الکفارات عبادات ولیس یجوز لاحد ان یفرض فرضا یلزمه عبادالله الابکتاب او سنة او اجماع ولیس مع من فرض علی القاتل عمدا کفارۃ حجة من حیث ذکرت "[34]

(پس کفارات عبادات کا درجہ ہیں اور یہ جائز نہیں کہ کوئی شخص اسے اپنی طرف سے فرض کرے فرض تو کوئی چیز کتاب وسنت اور اجماع سے ہوتی ہے)

۳۔ کفارہ یمین

انسان انفرادی واجتماعی زندگی میں شریعت کے تمام امور کا مکلّف ہے۔ خواہ معاشرتی زندگی کے روابط ہوں یا معاشی معاملات کا لین دین، عائلی زندگی کے مسائل ہوں یا سماجی زندگی کے پہلو، سیاسی بصیرت ہو یا جنگی حکمت عملی ، قرآن وحدیث ہر پہلو سے انسان کی راہنمائی کرتا ہے۔ تاہم معاشرتی زندگی یا مالی معاملات کے لین دین میں انسان قسموں کا سہارا لے کر عہد وپیمان کا اقرار کرلیتا ہے اور بسااوقات بتقاضائے بشریت اپنے کیے ہوئے عہد وپیمان کی پاسداری نہیں کر پاتا اور گناہگار ہو جاتا ہے۔ جس کا ازالہ شریعت نے کفارہ کی صورت میں کیا ہے۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر انسان کو تنبیہ کی ہے کہ روزمرہ کے معاملات میں بلاضرورت قسمیں نہ اٹھائے جیسا کہ عہد جاہلیت میں قسمیں اٹھانے کا رواج عام تھا۔

﴿وَأَقۡسَمُواْ بِٱللَّهِ جَهۡدَ أَيۡمَـٰنِهِمۡ﴾[35] (اور یہ لوگ خدا کی سخت قسمیں کھاتے تھے)

بعض لوگ بات بات پر قسم اٹھاتے ہیں گویا قسم اٹھانا ان کی زندگی کا معمول اور تکیہ کلام بن گیا تھا۔ قسم کو عربی میں یمین کہتے ہیں

یمین کی جمع ایمَن ولَیمَان ہے۔ یمین کے لغوی معنی قوت وطاقت، سعادت، دایاں ہاتھ اور قسم کے ہیں۔ دائیں ہاتھ کو یمین اس لیے کہتے ہیں کہ وہ قوت وطاقت کا مظہر ہوتا ہے. برخلاف بائیں ہاتھ کے وہ کمزور ہوتا ہے[36]۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَأَخَذۡنَا مِنۡهُ بِٱلۡيَمِينِ﴾ [37] (اور ہم پکڑ لیتے ہیں اس کا دایاں ہاتھ)

قرآن میں یمین کی تین اقسام بیان کی گئی ہیں: 1۔ یمین لغو ۲۔ یمین غموس 3۔ یمین منعقدہ

امام شافعیؒ کے نزدیک یمین کی دو اقسام ہیں۔

"وعند الشافیعه: قالو تنقسم الیمین الی قسمین لغو ومنعقده"[38]

جبکہ جمہور آئمہ (احناف ،مالکیہ وحنابلہ) کے نزدیک یمین کی تین اقسام ہیں ۔یمین لغو، یمین غموس اور یمین منعقدہ

" شریعت نے جن قسموں کو معتبر جان کر احکامات مرتب کیے ہیں ان کی تین اقسام ہیں یمین غموس ، یمین لغو اور یمین منعقدہ جس پر کفارہ ہے" [39] تمام فقہا کا اتفاق ہے کہ یمین لغو اور یمین غموس پر کوئی کفارہ نہیں جبکہ یمین منعقدہ پر کفارہ ہے۔

علامہ سید سابق لکھتے ہیں:

"والیمین المنعقدہ ھی الیمین التی بقصدھا الحالف ویصمم علیھا، فھي یمین متعمدۃ مقصودہ "[40]

(یمین منعقدہ وہ قسم جس کا کھانے والا باقاعدہ ارادہ کرتا اور اسے پختہ کرتا۔اس کو یمین متعمدہ اور مقصودہ بھی کہتے ہیں)

اور فقہاء کا اجماع ہے کہ قسم توڑنے پر کفارہ واجب ہے خواہ حالف عمدا یا سہوا قسم توڑے کیونکہ فقہاء کے نزدیک کفارہ کی شرط حنث ہے۔ علامہ سید سابق لکھتے ہیں کہ " شرط کی موجودگی کفارے کو لازم کرتی ہے جیساکہ علت کی موجودگی حکم کو ثابت کرتی ہے ہاں البتہ خطاء اور نسیان سے حنث ختم نہ ہوگا"[41]۔ جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے

((ان اللہ تجاوز لی عن امتی الخطأء والنسیان وما استکر ھوا علیہ))[42]

یمین منعقدہ پر کفارے کا وجوب قرآن کی نص سے ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَٰنِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَٰنَ ۖ فَكَفَّٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَٰكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَٰثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّٰرَةُ أَيْمَٰنِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَٱحْفَظُوٓا۟ أَيْمَٰنَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمْ ءَايَٰتِهِۦ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾[43]

اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی کفارے کا حکم اور اہمیت واضح ہے۔ صحیح مسلم میں ہے:

آپ ﷺ نے فرمایا" جب تم کسی بات پر قسم اٹھاؤ پھر اس کے علاوہ چیز کو اس سے بہتر خیال کر و تو اپنی قسم کا کفارہ دیکر اس بہتر چیز کو کر لو" [44]

مذکورہ بالا آیت میں یمین منعقدہ پر کفارہ کی تینوں صورتوں کا ذکر کر کے حانث کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ ان تینوں صورتوں میں سے جس کے ذریعے چاہے کفارہ کی ادائیگی کرے۔ ۱۔ کھانا کھلانا ۲۔ کپڑے پہنانا ۳۔ غلام/لونڈی آزاد کرنا

ان تینوں امور پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں : ۴۔ تین دن کے روزے رکھنا

۱۔ کھانا کھلانا

کفارہ یمین میں مسکینوں کو کھانا کھلانے کی حد بندی کر دی گئی ہے کہ مسکینوں کی تعداد دس ہونی چاہیے اور وہ فقیر محتاج ہوں جن کو طعام کی اشد حاجت ہو۔ امام شافعیؒ طعام کو زکوۃ اور صدقہ الفطر پر قیاس کرتے طعام مسکین کے حوالے کر دینے کے قائل ہیں :

"قال الشافعي رحمه الله ويجزي بكفارة اليمين مد بمد النبي صلى الله عليه من حنطة " [45]

امام ابن العربی مالکی لکھتے ہیں :

"اللہ تعالیٰ نے یمین کے کفارے میں حانث کو تینوں چیزوں کا اختیار دے کر روزے کا ذکر کیا ہے اور کھانے سے آغاز فرما کر اس کو افضل قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس وقت حجاز کے شہروں میں اس کی حاجت بہت زیادہ تھی اور لوگوں میں سیرابی کم تھی۔ اس لیے کھانا افضل ہے"۔[46]

علامہ قرطبیؒ آیت ﴿وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ﴾[47] کے تحت مساکین کے طعام کی وضاحت کرتے ہیں کہ "طعام کا مساکین کی ملکیت میں دینا ضروری ہے تاکہ وہ اس میں تصرف کر سکیں[48]۔ علامہ ابو بکر جصاص تملیک کے بغیر طعام کا جواز پیش کرتے ہیں کہ " احناف دونوں صورتوں کو جائز قرار دیتے ہیں یعنی صبح و شام سیر ہو کر کھانا کھلانا یا مساکین کو طعام کا مالک بنا دینا"[49] جبکہ امام مالک و امام شافعیؒ کے نزدیک ہر مسکین کو ایک مُد[50] کھانا دیا جائے گا۔

۲۔ کپڑے پہنانا

ملا احمد جیون امیٹھویؒ رقمطراز ہیں :

" طعام کی نسبت کسوۃ میں مالک بنانا ضروری ہے۔ کیونکہ کسوۃ بکسر کاف کا معنی ہے کپڑا اور کسوۃ بفتح کاف کا معنی ہے کپڑے پہننا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کھانے میں فعل

(کھانے کھلانے) کو کفارہ قرار دیا اور یہاں عین (کپڑے) کو پس ضروری ہے کہ یہاں کپڑا کفارہ بنے نہ کہ اس کا نفع اور یہ چیز مالک بنانے سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ عاریتا دے دینے سے اور امام شافعی کے طعام میں مالک بنانے کے قول کے خلاف ہماری یہی دلیل کافی ہے"[51]

محمد صدیق حسن خان کے نزدیک قسم کے کفارے میں مسکین کا آدھا بدن ڈھانپنے والا کپڑا ہی کافی ہے ماسوائے عورتوں کے کہ ان کو دو کپڑے دیے جائیں۔ ایک کرتہ اور اوڑھنی۔

"والکسوة في الرجال، نصف علی مایکسو البدن ولو کان ثوبا واحدا، وھکذا في کسوة النساء وقیل الکسوة للنساء درع وخمار وقیل المراد بالکسوة ماتجزي به الصلاة"[52]

۳۔ غلام آزاد کرنا

قسم کے کفارے میں حانث کے لیے تیسری صورت (او تحریر رقبہ) ہے۔

امام شافعیؒ کفارہ یمین کو کفارہ قتل خطاء پر قیاس کرتے ہوئے مؤمن رقبہ کی شرط لگاتے ہیں اگرچہ وہ عیب دار ہی کیوں نہ ہو۔

"وإذأ أعتق في کفارة الیمین لم یجزہ إلا رقبة مؤمنة ویجزي کل ذي نقص بعیب لایضر بالعمل اضرارا"[53]

علامہ غلام رسول سعیدیؒ احناف کے مؤقف کی وضاحت کرتے ہیں کہ

"امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ جب مطلق اور مقید دو الگ الگ احکام میں ذکر کیے جائیں تو مطلق کو مفید پر محمول نہیں کیا جاتا اور جس حکم میں کوئی چیز مطلق ذکر کی گئی ہے وہاں اس کے اطلاق پر عمل ہوگا اور جہاں اس کو مقید کیا گیا ہے۔ وہاں اس کی تقیید پر عمل ہوگا"[54]

صاحب نیل المرام لکھتے ہیں کہ " اکثر علماء کے نزدیک ہر قسم کا غلام آزاد کرنا درست ہے البتہ وہ عیوب سے پاک ہو۔ بعض اوقات عیوب غلام سے منفعت لینے میں رکاوٹ بنتے ہیں" [55]۔

پس احناف کا مؤقف واضح ہے کہ کفارہ یمین میں مطلق رقبہ کا ذکر ہے اس لیے مطلق رقبہ میں مؤمن یا کافر دونوں آسکتے ہیں۔

۴۔ تین روزے رکھنا

کفارہ یمین میں پہلے تینوں امور پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں حانث کے لیے کفارہ ادا کرنے کی آخری صورت تین روزے رکھنا ہیں (**فمن لم یجد فصیام ثلاثۃ ایام**) امام شافعیؒ لکھتے ہیں:

"قسم کے کفارہ کے روزوں میں نیت لازمی شرط ہے اور روزوں کے تسلسل میں قید نہیں۔ تاہم حانث ہر طریقے سے عاجز ہو کر روزوں کی طرف آئے گا"[56]

علامہ علیمی مقدسی حنبلیؒ روزوں میں تتابع کی شرط کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

"فصيام ثلاثة أيام متتابعات عند أبي حنيفة وأحمد وقال مالك والشافعي في الأظهر لا يجب التتابع"[57]

یعنی احناف کے نزدیک تین روزے مسلسل رکھنے ہونگے۔

۴۔ کفارہ صید المحرم

اسلامی عبادات میں حج ارکان اسلام کا پانچواں رکن ہے اور یہ ہر صاحب استطاعت مرد و عورت پر زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ فقہاء نے حج کو افضل عبادت اس لیے قرار دیا ہے کہ یہ مالی اور بدنی دونوں عبادات کا مظہر ہے۔ حج میں تمام عبادات کی روح شامل ہے۔ دوران سفر حج میں گھر سے روانگی سے واپسی تک نماز کے ذریعے قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ حج کے دوران گناہ اور برائیوں سے اجتناب کرنا اپنے اندر روزے کی سی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ حج کے لیے مال خرچ کرنا زکوۃ سے مشابہت رکھتا ہے۔ حج کے سفر کی صعوبت و مشقت جہاد کا رنگ پیدا کرتی ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر مفرد بھی اور عمرہ کے ساتھ ملا کر بھی کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حج کی فرضیت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (وَلِلَّهِ عَلَى ٱلنَّاسِ حِجُّ ٱلْبَيْتِ مَنِ ٱسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا)[58]

(اور لوگوں پر اللہ کے لیے اس کے گھر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو اس گھر جانے کی طاقت رکھتا ہو)

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے: ﴿وَأَتِمُّواْ ٱلْحَجَّ وَٱلْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾[59] (اور حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو)

پس حج و عمرہ کی ادائیگی کو ایک مخصوص لباس (احرام) کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ جب بندہ پختہ عزم و نیت کے ساتھ احرام باندھتا ہے تو اس پر کچھ پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں جن میں سے ایک صید البر (خشکی کا شکار کرنا) بھی ہے۔

صید شکار کرنا، شکار۔ یہ صاد یصید کا مصدر ہے۔ جس کا معنی ہے شکار کرنا۔

سید مرتضی زبیدی رقمطراز ہیں:

" الصيد: كل وحش صيد وقد يقع الصيد على نفسه تمسة بالمصدر كقوله تعالیٰ ﴿لا تقتلو الصيد وانتم حرم﴾ "[60]

امام الکیا الہراسی لکھتے ہیں:

" فدل مطلق الصيد على تحريم اصيطاد كل ما يصطاد من بري او بحري غير مأكول "[61]

علامہ ابو بکر جصاص کے نزدیک صید وہ متوحش جانور ہے۔ جو انسانوں سے دور بھاگنے والا ہو۔ اس میں حلال و غیر حلال کی کوئی تخصیص نہیں اور یہ ایسے جانور ہیں جو انسانوں کو ایذا دیں [62]۔

پس حالت احرام میں شکار کو حرام کرنے کی وجہ یہ ہے کہ محرم کا مقصد خانہ کعبہ کی زیارت ہے جس کا ادب و احترام محرم پر فرض ہے۔ اس لیے حدود حرم و حالت احرام میں شکار کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اسے ہلکی بات خیال کرنا نہیں چاہیے۔ حقیقتاً اس کا مقصد اتباع اور پیروی کے ذریعے تمہاری آزمائش کرنا ہے۔ اس تکرار کے بعد یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر شکار کرے گا تو اس کو اس شکار کرنے کا بدلہ یا کفارہ دینا پڑے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے (وَمَن قَتَلَهُۥ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ ٱلنَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِۦ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًۢا بَٰلِغَ ٱلْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّٰرَةٌ طَعَامُ مَسَٰكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا)[63]

اگر کوئی شخص بتقاضائے بشریت حالت احرام میں ہونے کے باوجود عمداً شکار (خشکی کا شکار) کر بیٹھتا ہے تو ایسے شخص پر اپنے کیے ہوئے فعل عمد کا کفارہ تین صورتوں میں لازم کیا گیا ہے۔

1۔ شکار شدہ جانور کی مثل جانور قربان کرنا یا 2۔ شکار شدہ جانور کی قیمت کے عوض مسکین کو کھانا کھلانا یا

3۔ فی کس مسکین کو کھانا کھلانے کے مساوی روزے رکھنا۔

جمہور فقہاء (احناف، مالکیہ اور شوافع) کے نزدیک آیت میں کلمہ او تخییر کے لیے استعمال ہوا ہے کہ وہ ان تینوں صورتوں میں کسی ایک صورت میں کفارہ ادا کر سکتا ہے جبکہ حنابلہ کی دلیل ہے کہ کلمہ او ترتیب کے لیے ہے۔ لہٰذا محرم کو کفارہ کی ادائیگی کے لیے ترتیب کو مد نظر رکھ کر کفارہ دینا پڑے گا۔

1۔ شکار شدہ جانور کی مثل جانور قربان کرنا

امام شافعیؒ کے نزدیک آیت کا ظاہر قیمت نہیں مثل ہے کیونکہ مثل چوپایوں میں ہوتی ہے اور پرندوں میں اس کی قیمت ہے۔

امام شافعیؒ لکھتے ہیں: " قال الشافعی من قتل من الدواب الصید شیاً جزاہ بمثلہ من النعم لان اللہ تعالیٰ یقول (فجزاءٌ مثل ما قتل من النعم) والمثل لا یکون الا الدواب الصید۔ فاما الطائر فلا مثل لہ ومثلہ قیمتہ "[64]

علامہ قرطبیؒ نے مثل میں دیے جانے والے جانوروں کا تندرست اور بے عیب ہونا ضروری قرار دیا ہے۔

"فیجزی ما کان من الدواب بنظیرہ فی الخلقۃ والصورۃ، واقل ما یجزی عند مالک ما استیسر من الھدی" [65]

علامہ علیمی مقدسی حنبلی لکھتے ہیں:

"یجب علیہ ما یقرب من الصید المقتول شبھا بہ من حیث الخلقۃ"[66]

(اس پر واجب ہے کہ مارے جانے والے شکار کا قریب ترین جانور بدلے میں دے جو اسکی خلقت میں مشابہ ہو۔)

احناف کی دلیل یہ ہے کہ مثل قدر و قیمت اور معنی میں برابر ہونے کے ہے نہ کہ مشابہت میں اس لیے مثل کی جگہ قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔[67]

علامہ ابو بکر جصاص واضح کرتے ہیں کہ مجبوری کے تحت ہی قیمت نہیں بلکہ مثل کی موجودگی میں بھی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

"قد اتفقوا أن القيمة مرادةٌ بهذا المثل فيما لا نظير ه له من النعم فوجب ان تكون هي المرادة"[68]

پس احناف کے نزدیک مثل سے اس جانور کی نظیر مراد نہیں بلکہ شکار شدہ جانور کی قیمت مراد ہے۔

ملا احمد جیون امیٹھویؒ لکھتے ہیں کہ " اللہ نے خود کہا کہ اس مثل کا فیصلہ تم میں سے دو صاحب عدل کریں گے فیصلہ کرنے کے لیے نظر و فکر اور اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے اور مشاہدہ چیزوں کا کیا جاتا ہے۔ پس غور فکر اور اجتہاد تو قیمت متعین کرنے میں ہی ہو سکتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ لفظ مثل یا صورت کے لیے بولا جاتا ہے یا معنوی مثل کے لیے (قیمت کے لیے) جو چیز خلقت میں ایک جیسی ہو اس پر عرف کا اطلاق نہیں ہوتا"۔[69]

۲۔ مساکین کو کھانا کھلانا

محرم کے لیے کفارے کی دوسری صورت مساکین کو کھانا کھلانا ہے۔ شوافع کے نزدیک شکار کیے جانے والے جانور کی قیمت کا اعتبار کر کے کھانا کھلایا جائے گا۔ امام شافعی لکھتے ہیں کہ " محرم کو یہ اختیار اللہ نے دیا ہے۔ اس لیے مثل کی قیمت درہموں میں لگا کر اس سے طعام خریدا جائے اور مکہ کے مسکینوں پر صدقہ کر دیا جا ئے یا اس نوع کا اناج نکالا جائے جیسے صدقۃ الفطر میں ہوتا ہے یعنی گندم، جو، کشمش اور کھجور وغیرہ[70]۔

امام شافعی طعام کو مکہ کے مساکین کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں کہ " کفارہ میں دیا جانے والا طعام پر صرف مکہ کے مساکین کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں، کہ کفارہ میں دیے جانے والے طعام پر صرف مکہ کے مسا کین کا ہی حق ہے۔ بصورت دیگر کفارہ ادا نہ ہو گا۔ کیونکہ یہ بھی تو مکہ کے ساتھ مخصوص ہے "[71]۔

امام الکیا الہراسی لکھتے ہیں کہ " شکار کی قیمت کا تعین درہموں میں لگا کر کھانا خریدا جائے گا پھر ہر مسکین کو آدھا صاع کھانا دیا جائے گا[72]۔

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ " یہ کفارہ شکار کرنے کی وجہ سے محرم پر آیا ہے۔ اور شکار کی قیمت کا تعین کر کے اس سے طعام خرید کر مساکین میں تقسیم کیا جائے گا۔ کہ ہر مسکین کو ایک مد کھلایا جائے۔ اور یہ مد مسکین کے سیر ہو نے کے لیے ہے۔[73]

علامہ جصاص لکھتے ہیں: " پس سب کا اتفاق ہے کہ جن جانوروں کی نظیر نہیں ان میں طعام کا اعتبار شکار کی قیمت کے ساتھ ہو گا تو پھر یہی حکم شکار کی نظیر کی موجودگی میں بھی ہونا چاہیے کیونکہ مذکورہ آیت شکار کی د ونوں صورتوں پر مشتمل ہے[74]۔

علامہ جصاص مزید لکھتے ہیں:

"مساکین کو دیے جانے والے طعام کی تخصیص کسی خاص جگہ کے ساتھ نہ کی جائے۔ وہ کہیں بھی کھلایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ محرم جس جگہ طعام کا صدقہ دینا چاہیے اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ آیت (**او کفارہ طعام مساکین**) میں تمام مساکین کے لیے عموم ہے۔ اس لیے کسی خاص جگہ کے مساکیں کی تخصیص کرنا درست نہیں"[75]

۳۔ روزے رکھنا

محرم کے لیے کفارے کی تیسری صورت روزے رکھنا ہیں۔ اور یہ روزے مساکین کو دیے جانے والے طعام کی مقدار کے برابر ہونگے۔

علامہ قرطبیؒ واضح کرتے ہیں کہ چونکہ روزہ کا ذکر کھانے کے بعد آیا ہے۔ اس لیے اس کا اندازہ کھانے سے ہی ہو سکتا ہے۔

"وعند اصحابنا یصوم عن کل مد یوما و ان زاد علی شهرین او ثلاثة"[76]

علامہ ابو بکر جصاص واضح کرتے ہیں کہ محرم طعام کے ہر نصف صاع کی بجائے ایک روزہ رکھے اور محرم کو یہ بھی اختیار ہے کہ چاہے تو کچھ دن روزہ رکھ لے اور چند مسکینوں کو کھانا کھلادے

" و قال ا صحابنا ان شاء المحرم صام عن کل نصف صاع من الطعام یوما وان شاء صام عن بعض و اطعم بعضا "[77]

ملا احمد جیون امیٹھویؒ لکھتے ہیں:

"محرم اگر روزہ رکھنا چاہے گا تو ہر مسکین کے حصہ میں جتنا طعام آئے گا۔ اس کے بدلے ایک روزہ رکھے گا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد (او عدل ذلک صاما) کے مطابق ہے۔ یہ طعام کی یہ مقدار صدقۃ الفطر کے برابر ہے۔ یعنی نصف صاع گندم یا مکمل صاع جو یا کھجور اور اگر یہ مقدار میں کم ہوں تو محرم کو اختیار ہے کہ یہ کم مقدار صدقہ و خیرات کر دے یا اس کے بدلے ایک دن کا مکمل روزہ رکھ لے"[78]

۵۔ کفارہ ظہار

اسلام زندگی کے ہر شعبے میں اعتدال وتوازن قائم کرتا ہے۔ حسن معاشرت ہو یا عائلی زندگی کے مسائل ، معاشی تنگی ہو یا سیاسی بحران، عصبیت کا دور دورہ ہو یا زمانہ جہالت کے رسوم ورواج اسلام نے ہر دور میں ہر قوم کی ضرورت کے مطابق رہنمائی کی ہے۔

قبل از اسلام لوگ اپنی ازدواجی زندگی میں مختلف قبیح رسوم و رواج کی پیروی کرتے تھے۔ اُن کا مقصد صرف اور صرف اپنی بیوی کو مختلف حیلوں بہانوں سے تنگ کرنا ہوتا تھا۔ کبھی شوہر اپنی بیوی کو ماں سے تشبیہ دے دیتا تو کبھی وہ اپنی بیوی کے قریب نہ جانے کی قسمیں کھالیتا۔ اور ایسا کرنے سے وہ اپنی بیوی کو اپنے اوپر ابدی طور پر حرام سمجھنے لگتا تھا۔ یعنی ایلا اور ظہار زمانہ جاہلیت میں طلاق سمجھے جاتے تھے۔ قرآن کے نجما نجما نزول کے ساتھ ساتھ ان قبیح رسومات کا بھی خاتمہ ہوتا گیا۔ مومنوں پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت، شرعی احکامات کی پیروی، ظاہر و باطن کا تزکیہ اور کتاب (قرآن مجید) وحکمت کی تعلیم کو ایک عظیم احسان گردانا[79]۔

قرآن وحدیث میں عائلی زندگی کے تمام پہلو، نکاح، طلاق، عدت، خلع، ظہار اور ایلا کے احکامات کی وضاحت کر کے زمانہ جاہلیت کی رسومات کا نہ صرف خاتمہ کیا گیا ہے۔ بلکہ کامیاب ازدواجی زندگی کے نمایاں پہلوں کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ تعلیمات نبوی کی بدولت جن قبیح رسومات کا خاتمہ ہوا ان میں ایک ظہار بھی ہے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ظہار کو طلاق کہا جاتا تھا:

" الظهار مصدر مأخوذ من الظهر مشتق من قول الرجل اذا ظاهر امراته (أنت على كظهر امى) و كان الظهار فى الجاهلية الطلاق۔ فلماء جاء الاسلام نهو عنه واوجبت الكفارة على من ظاهر من امرأته "[80]

سید مرتضٰی زبیدی نے بطن کے مخالف چیز کو (کمر، پشت، ریڑھ) کو ظہر کا نام دے کر اسم ظرف مکان کے معنوں میں لیا ہے۔

" الظهر من كل شىء خلاف البطن و هو من الاسمآء التى وضعت موضع الظروف" [81]

علامہ جرجانیؒ ظہار کے مفہوم کو واضح کرتے ہیں:

" الظهار هو تشبيه زوجته او ما عبر به عنها او جزء شائع منها بعضو يحرم نظره اِلَيه من اعضاء محارمه نسبا او رضاعا كامه وبنته واخته " [82]

زمانہ جاہلیت کی طرح ظہار کی بدولت بیوی مرد کے لیے مستقل حرام نہیں ہوتی بلکہ اصلا نکاح باقی رہتاہے اور مردوزن کی دوبارہ قربت کے لیے کفارے کی شرط کو لازمی قرار دیا گیاہے۔ جب تک مرد کفارہ ادانہ کرے اس پر عورت سے صحبت اور بوس وکنار کرنا حرام ہے۔ حضرت خولہؓ بنت ثعلبہ کے بار بار استفسار پر اللہ تعالیٰ نے ظہار کے کفارے کے متعلق حکم نازل فرمایا۔

(وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُواْ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ۚ ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِۦ ۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ۖ فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا)[83]

کفارہ ظہار کی تینوں صورتیں بالترتیب حسب قدرت انسان پر لازم ہیں اس میں انسان اپنی مرضی نہیں کر سکتا۔

ا۔ غلام آزاد کرنا۔ 2۔ دوماہ کے مسلسل روزے رکھنا 3۔ ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا

ظاہر (ظہار کرنے والا) ان صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں کفارہ ادا کرکے عود کر سکتاہے اور اپنی کہی ہوئی بات واپس لے کر اپنی بیوی کی قربت حاصل کر سکتاہے۔ فقہاء مفسرین نے کفارہ کی ان تینوں صورتوں میں جو آراء بیان کی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

ا۔ غلام آزاد کرنا

تمام فقہاء مفسرین کا اتفاق ہے کہ اگر مظاہر غلام آزاد کرنے کی قدرت رکھتا ہو تو اس پر ظہار کے کفارے میں کامل غلام آزاد کرنا ضروری ہے۔ غلام آزاد کرنے کی صورت میں بقیہ دونوں صورتیں دوماہ کے مسلسل روزے اور ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا ختم ہوجائیں گی۔ تاہم رقبہ کے مؤمن یا کافر ہونے میں فقہاء مفسرین کا اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ کفارہ ظہار میں بھی مؤمن کی شرط لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقال الشافعی لایجزیه تحریر رقبه علی غیر دین الا سلام۔"[84]

امام شافعیؒ اپنے مؤقف کی ایک اور دلیل پیش کرتے ہیں:

" کما شرط اللہ تعالیٰ العدل فی الشهادة فی مو ضعین واطلق الشهود فی ثلاثة مواضع "[85]

یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دو مقامات پر گواہ کے ساتھ عدل کی شرط لگائی ہے۔ جبکہ تین مقامات پر صرف گواہ کا تذکرہ کیا ہے۔ آیا کہ تین مقام پر گواہ کا عادل ہونا ضروری نہیں اسی طرح رقبہ سے مراد رقبہ مؤمنہ ہے۔

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

" ای فعلیه اعتاق رقبة یقال حررته ای جعلته حرا ثم هذه الرقبه یجب ان تکون کامله سلمه من کل عیب "[86]

علامہ علیمی مقدسی حنبلی لکھتے ہیں:

" والکفارة علی الترتیب یجب علیه عتق رقبة سلیمة من العیوب الفاحشة "[87]

پس ظہار کے کفارہ میں مومن وغیر مؤمن رقبہ دونوں کو آزاد کرنا جائز ہے کیونکہ نص میں اللہ تعالیٰ نے مطلق غلام کا ذکر کیا ہے۔

علامہ ابو بکر جصاص واضح کرتے ہیں کہ " قرآن وحدیث میں مطلق غلام (کافر/مؤمن) کے آزاد کرنے کا حکم ملتا ہے قرآن کی نص (**فتحریر رقبة**) ظاہر کرتی ہے کہ اس میں مؤمن کے ساتھ کافر بھی آسکتا ہے۔اور جب ظہار کرنے والے حضرت اوس بن صامتؓ سے ارشاد فرمایا (**اعتق رقبة**) تو یہاں بھی آپ ﷺ نے مؤمن اور کافر غلام کی کوئی قید نہیں لگائی تھی پس کفارہ ظہار کو کفارہ قتل پر قیاس کرنا ٹھیک نہیں ہے "[88]۔

ملا احمد جیون امیٹھویؒ رقمطراز ہیں:

> "آیت کریمہ میں لفظ "رقبہ" ذکر کیا گیا ہے اور مطلق حق وصف میں اپنے
> اطلاق پر رہتا ہے لہٰذا مؤمن غلام ہو یا کافر غلام دونوں میں سے کسی ایک کا آزاد کرنا
> جائز ہوگا اور "مطلق" حق ذات میں فرد کامل کی طرف لوٹتا ہے" [89]

۲۔ دوماہ کے مسلسل روزے

ظہار کے کفارے کی دوسری صورت دوماہ کے مسلسل روزے رکھنا ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا)[90]

آپ ﷺ نے حضرت اوس بن صامت اور سلمہ بن صخرؓ کو غلام پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں دوماہ کے مسلسل روزے رکھنے کی تلقین کی[91]۔

علامہ قرطبیؒ واضح کرتے ہیں کہ صوم ظہار کے درمیان کی گئی وطی سے ہر حال میں تتابع باطل ہو جائے گا۔

" اذاوطی المظاهرفی خلال الشهرین نهارا بطل التتابع بکل حال ووجب علیه ابتداء الکفارة "[92]

یعنی امام مالکؒ کے نزدیک ہر حال میں تتابع باطل ہو جائے گااور اس پر ابتداء سے کفارہ واجب ہو جائے گا۔

جبکہ "امام شافعیؒ کے نزدیک رات کاوقت تتابع کو باطل نہیں کرتا کیونکہ رات روزے کا محل نہیں"[93] علامہ علیمی مقدسی حنبلی لکھتے ہیں " مظاہر جب کفارۃ ظہار کے روزے رکھے گا تو اس دوران رمضان، عیدین، ایام تشریق کے روزے تتابع باطل نہیں کرتے جبکہ جمہور کے نزدیک ظہار کے روزوں کے دوران دیگر قسم کے روزے تتابع کو باطل کر دیتے ہیں "۔[94]

۳۔ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا

ظہار کے کفارے کی تیسری صورت ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے۔

(فَمَن لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ فَإِطۡعَامُ سِتِّينَ مِسۡكِينًا)[95]

شافعی فقہاء لکھتے ہیں کہ :

" کفارہ ظہار میں طعام کی صورت میں ہر مسکین کو ایک صاع گندم یا نصف صاع کھجور یا جو دیا جائے۔ "[96]

امام ابوالحسن علی الماوردی امام شافعیؒ اصول کی وضاحت کرتے ہیں کہ "جب مطلق مقید کی جنس سے ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کر دیا جاتا ہے"[97] یعنی ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانے سے پہلے بیوی سے ہمبستری کرنا ایسے ہی ممنوع اور حرام ہے جیسا کہ غلام آزاد کرنے سے پہلے یا ساٹھ روزے رکھنے سے پہلے حرام ہے

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ مسکین کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا واجب ہے اور افضل رسول کے حساب سے دو مد ہیں۔

" لکل مسکین مدان بمد النبی□ وافضل ذلک فواجب قصد الشبع "

98

علامہ علیمی امام احمد کا نقطہ نظر واضح کرتے ہیں کہ کفارے میں وہی چیزیں دی جاءیں دی جاتی ہیں جو فطرانے دی جاتی ہیں۔

" وقال احمد المخرج فی الکفارۃ مایخرج فی الفطرۃ،وھوالبر، والشعیر، ودقیقھما، اوسویقھما، وھو بر او شعیر یحمص، ثم یطحن، والتمر، والزبیب، والاقط"[99]

علامہ ابو بکر جصاصؒ حنفی مذہب کو راجح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فقال اصحابنا والثوری لکل مسکین نصف صاع بر او صاع تمر او شعیر"[100]

علامہ ابو بکر جصاصؒ واضح کرتے ہیں کہ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے یعنی ہر مسکین کو ایک صاع یا ساڑھے تین سیر صاع آئے گا۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

"ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا تسلسل اس لیے ضروری نہیں کہ اللہ نے بھی تسلسل کی قید نہیں لگائی۔"[101]

ملا احمد جیون لکھتے ہیں:

"ساٹھ مسکینوں کا طعام اللہ تعالی نے مطلق ذکر فرمایا ہے اس کے ساتھ من قبل ان یتماسا کی قید نہیں لگائی لہٰذا کھانا کھلانے کو روزہ رکھنے اور غلام آزاد کرنے کے کفارے پر محمول نہ کیا جائے۔ کیونکہ مطلق اپنے اطلاق پر رہتا ہے اور اس کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا"[102]

صاحب ہدایہ کی رائے بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اطعام کے ساتھ من قبل ان یتماسا کی شرط نہیں لگائی۔ لہٰذا امام ابو حنیفہؒ اور دیگر آئمہ کے نزدیک دوران اطعام وطی سے نئے سرے سے کھانا دینے کی ضرورت نہیں[103]۔

نتائج تحقیق

1. فقہاء مفسرین کا اتفاق ہے کہ بغیر کسی جواز کے رمضان المبارک کا روزہ توڑنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے۔
2. حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک روزہ کو توڑ کر کفارے کا سبب بننے والی اہم چیز دانستہ جماع کرنا اور عمداً کھانا پینا ہے۔

3. قتل خطاء کے کفارے میں مطلق غلام کا ذکر نہیں۔ بلکہ غلام کے ساتھ مؤمن کی قید لگا کر واضح کیا گیا ہے غیر مسلم کافر، مجوسی، یہودی وغیرہ آزاد نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ آزاد کیا جانے والا غلام صحیح سالم، بے عیب اور ایمان والا ہو۔
4. قسم توڑنے کے کفارے میں حانث کو تین امور (کھانا کھلانا، کپڑے پہنانا یا غلام آزاد کرنا) میں سے کسی ایک صورت میں کفارہ ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ان امور پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تین دن کے روزے رکھنا ہیں۔
5. جمہور فقہاء مفسرین کے نزدیک حالت احرام میں شکار کرنے کی تینوں صورتوں میں محرم کو اختیار ہے وہ جس میں چاہے کفارہ ادا کرے جبکہ حنبلی فقہاء ترتیب کو مد نظر رکھتے ہیں۔
6. شافعی فقہاء کفارے کی دوسری صورت طعام کو مکہ کے مساکین کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں جبکہ احناف کے نزدیک طعام تمام مساکین کیلئے عموم کی حیثیت رکھتا ہے۔
7. حنفی فقہاء مفسرین صید المحرم کے کفارے میں روزے اور طعام کو ملا کر رکھنے کے قائل ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے طعام کو روزے کے مساوی اور مثل قرار دیا ہے۔ اور یہ صرف کفارہ صید المحرم میں ہے کفارہ یمین میں نہیں۔
8. احناف کے نزدیک ذمی کا ظہار اس لیے معتبر نہیں کہ نص میں خطاب مسلمانوں سے ہے۔

حوالہ جات و حواشی

1۔ آل عمران 3: 195

2۔ الز مر 35:39

3۔ ہود ۱۱: ۱۱۴

4 ۔ الافریقی ، جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور ، لسان العرب ، دار احیاء التراث العربی بیروت،۱۹۸۸، ج5 ،ص 148

5۔ الجوہری، ابو نصر اسماعیل بن حماد ، الصحاح فی اللغة، دارالحدیث القاہرہ 2009/1430 ، ص 3 100 تا 4 100

6 ۔ زبیدی ،سید مرتضیٰ ،تاج العروس ، ،ج14، باب الراء ،ص 40 ۔ 44

7۔ اردو دائرہ معارف اسلامی، ج ۱۸ ،ص 336

8۔ احمد فتح بہنسی ڈاکٹر ،القصاص فی فقہ الاسلامی ، مترجم سید عبدالرحمن بخاری، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور ، ص 194

9 ۔ عودہ، عبدالقادر ، التشریع الجنائی الاسلامی ، دارالکتب العربی بیروت ، ج1،ص 483،

10۔ رشدی ،محمد بسام ، المعجم المفہرس لمعا نی القرآن الکریم ، دارالفکر معاصی بیروت، ج 1،ص

1000
11۔ الذاریات ۵۱ :۵٦
12۔ نیشا پوری ، امام مسلم بن حجاج ، جامع صحیح مسلم،باب فضل الصیام،ج۲، ص۸۰۷، حدیث ۱۱۵۱
13۔ وہبۃ الزحیلی ،ڈاکٹر ، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۳ ، ص ۱۸ ۔۲۲
14۔ بخاری ، امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل ، جامع صحیح البخاری، کتاب الصوم ،باب اذ جامع فی رمضان، دارالسلام للنستر والتوزیع الریاض ۱۹۹۰ ،ص ۱۵ ،حدیث ۱۹۳٦
15۔ شافعی ، امام محمد بن ادریس ،احکام القرآن للشافعیؒ، دار القلم بیروت لبنان ، ج ۱، ص ۱۰۸-۱۰٦
16۔ الجصاص،امام ابو بکر احمد بن علی الرازی ،احکام القرآن ، دارا حیاءالتراث العربی بیروت ۱۴۰۵ھ ، ج۱، ص ۴۷۷
17۔ کاسانی ، علامہ ابوبکر بن مسعود علاؤ الدین ،بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۸٦ء ، ج۲، ۹۳
18۔ ابن قدامہ، ابو عبداللہ بن احمد بن محمد، المغنی، دار الکتاب العربی بیروت لبنان ، ج۳، ص، ۱۲-۱۲۷
19۔ الشربینی، علامہ شمس الدین محمد بن الخطیب،مغنی المحتاج إلى معرفة معانی ألفاظ المنہاج، ، دار المعرفہ بیروت لبنان، 1418ھ/ 1997م.، ج۱، ۴۳۱-۴۲۹
20۔ ابن الہمام ، علامہ کمال الدین ،شرح فتح القدیر،دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ج۲، ص ۷٦-۷
21۔ الشرح الصغیر ج۱، ص ۲۰۹-۲۰۷
22۔ ایضا
23 ۔ الانبیاء 21 :۱۰۷
24 ۔ المائدہ 5 : 32
25 ۔ بنی اسرائیل 17 :70
26۔ البقرہ ۲: 178
27 ۔ النساء 4: 92
28۔ شافعی ، امام محمد بن ادریس ،احکام القرآن للشافعیؒ، دار القلم بیروت لبنان ،ج 1 ،ص 282
29 ۔ شافعی ، امام محمد بن ادریس ،احکام القرآن للشافعیؒ، دار القلم بیروت لبنان ،ج 1 ،ص 282
30۔ قرطبی، علامہ ابو عبد اللہ، الجامع لاحکام القرآن ،ج ۷، ص ۱۰-۱۴
31۔ ابن العربی ، امام ابوبکر محمد بن عبداللہ ،احکام القرآن، دارالکتب العلمیہ العربی بیروت لبنان، 1431 ھ/ 2000م ، ج1 ، ص404
32۔ الجصاص،امام ابو بکر احمد بن علی الرازی ،احکام القرآن ، دارا حیاءالتراث العربی بیروت ۱۴۰۵ھ ، ج3، ص 198
33 ۔ بخاری ، امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل ،جامع صحیح البخاری ،باب فی اولاد المشرکین،ج2،ص100،حدیث 1385
34 ۔ الصابونی، محمد علی ،روائع البیان تفسیر آیات الأحکام من القرآن ، مکتبہ الغزالی دمشق شام، 1400ھ/ 1980م ،ج1 ،ص 500
35۔ النور ۲۴ :۵۳
36۔ لوئس معلوف ،المنجد، مترجم:مولانا عبد الحفیظ بلیاوی، خزینہ علم وادب الکریم مارکیٹ اردو

بازارلاہور.،ص148،

37۔ الحاقہ ٦٩ :٣٥

38 ۔ الجزیری ، عبدالرحمن ، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، داراحیاءالتراث العربی بیروت، لبنان١٤٣٤ھ/٢٠٠٣ء ،
ج2، ص61

39 ۔ عبید اللہ بن مسعود، شرح وقایہ، طبع کراچی، ج2، ص230 ،

40 ۔ السید سابق ،فقہ السنہ، ، دارالحدیث القاہرۃ مصر، 1425ھ/ 2004م ، ص 887

41 ۔ ایضا ، ص 888

42 ۔ البیہقی ،احمد بن حسین ابوبکر ،السنن الکبری، ، تحقیق:محمد عبد القادر ،دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان١٤٢٤ھ/٢٠٠٣ء، ج٧،ص٥٨٤،حدیث١٥٠٩٤

43 ۔ المائدہ 89:5

44 ۔ جامع صحیح مسلم،باب ندب من حلف یمینا،ج ٣،ص١٢٧٢،حدیث ١٦٥٠

45۔ احکام القرآن للشافعیؒ ، ج٢، ص ١١٢

46 ۔ احکام القرآن لا بن العربی ، ج٢،ص ١٥٧

47۔ الانعام 6:14

48۔ احکام القرآن ،لا بن العربی ، ج٢، ص ١٥٨

49 ۔ احکام القرآن للجصاص، ج٣، ص ١١٧

50 ۔ *مد ایک پیمانہ ہے جس کی مقدار اہل عراق کے نزدیک دو رطل یعنی اسی تولے اور اہل مجاز کے نزدیک* $1\frac{1}{3}$ *رطل ہے۔*

51 ۔ امیٹھوی ، ملا احمد جیون ،التفسیرات لاحمد یہ فی بیان الآیات الشرعیۃ ، ص ٤٠٣

52۔ محمد صدیق حسن خان ،نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام، ص٢١٨

53۔ احکام القرآن للشافعی ، ج ٢، ص ١١٤

54۔ سعیدی ،علامہ غلام رسول ،تبیان القرآن ، ج٣، ص٢٩٥

55۔ نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام ،ص٢١٨ مطبع رحمانیہ مصر

56۔ احکام القرآن للشافعی، ج٢،ص١١٤

57۔ علامہ علیمی مقدسی حنبلی ، فتح الرحمن فی تفسیر القرآن ، ج ٢، ص ٣٣٧

58۔ آل عمران 97:3

59۔ البقرہ 196:2

60۔ تاج العروس، ج 18 ،ص 302-306

61۔ الکیا الہراسی ،عماد الدین محمد الطبری ،احکام القرآن، ج 3، ص 104

62۔ احکام القرآن للجصاص، ج٣، ص132

63۔ المائدہ 5 : 95

64۔ احکام القرآن للشافعی ، ج 1، ص 122

65۔ قرطبی ،امام ابو عبداللہ ،الجامع لاحکام القرآن، ج 8، ص 195

66۔ علامہ علیمی مقدسی حنبلی ، فتح الرحمن فی تفسیر القرآن ،ج2،ص 243

67۔ طحاوی ،علامہ ابو جعفر احمد بن محمد ،احکام القرآن ، ج2، ص 277

68۔ احکام القرآن للجصاص، ج 4،ص 134

69۔ التفسیرات الاحمد یہ فی بیان الایات الشرعیہ، ص 524

70۔ احکام القر أن للشافعی ، ج ۱، ص ۱۲۹
71۔ ایضا
72۔ الکیا الہراسی ،عماد الدین محمد الطبری ،احکام القرآن، ج 3، ص ۱۱۳
73۔ الجامع لاحکام القرآن، ج 8 ، ص 203-204
74۔ احکام القرآن للجصاص ، ج 4، ص 140
75۔ ایضاً ،ص141
76۔ الجامع لاحکام القرآن ، 8 ، ص 206
77۔ احکام القرآن للجصاص ، ج4، ص 142
78۔ التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الایات الشرعیہ، ص 524
79۔ آل عمران 164:3
80 ۔ لسان العرب، ،ج 4 ، ص 528
81 ۔ تاج العروس، ج12، ص 479
82 ۔ جرجانی ،علامہ علی بن محمد سید شریفؒ ،معجم التعریفات، دارالفضیلۃ قاہرہ جدیدہ ، ص 122
83 ۔ سورۃ المجادلہ 4،3:58
84 ۔ احکام القرآن للشافعی ،ج۱، ص 236
85 ۔ احکام القرآن للشافعی ،ج۱ ، ص 236
86 ۔ الجامع لاحکام القرآن ، ج 20، ص 298
87 ۔ فتح الرحمن فی تفسیرالقرآن ، ج 6،ص 554
88۔ احکام القرآن للجصاص ، ج ۵ ، ص ۳۱۲
89 ۔ التفسیرت الاحمدیہ فی بیان الایات الشرعیۃ ، ص 918
90۔ المجادلہ 58: 4
91۔ البیہقی، ابوبکر احمد بن حسین، السنن الکبری، ج ۷ ، ص۶۳۲
92 ۔ الجامع لاحکام القرآن ، ج30 ، ص 402
93۔ احکام القران للشافعی، ج ۱ ، ص ۲۳۶
94 ۔ فتح الرحمان فی تفسیر القرآن ، ج6، ص554
95 ۔ المجادلہ 4:58
96 ۔ مغنی المحتاج، ج3، ص366
97 ۔ الماوردی ،امام ابوا لحسین علی بن محمد حبیب ،الحاوی الکبیر ، دارلفکر بیروت 1414ھ ،ج13، ص446
98 ۔ الجامع لاحکام القرآن ، ج20،ص 301
99 ۔ فتح الرحمان فی تفسیر القرآن ، ج6، ص555
100 ۔ احکام القرآن للجصاص ، ج5، ص313
101 ۔ ا بن قدامہ ،محمد بن احمد ،المغنی مع الشرح الکبیر ، دارالفکر بیروت، ج8، ص607
102 ۔ التفسیر ات الاحمدیہ فی بیان الایات الشر عیہ ، ص920
103۔ المر غینا نی ،ابو الحسن علی بن ابو بکر ،الہدایہ، ، ج 2، ص 110

OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
mei.aiou.edu.pk
iri.aiou.edu.pk

حقِ مریض اور اس کے اسرار و رموز کی حفاظت: اسلامی احکامات و تعلیمات

(Right of Patient and Protection of His Privacy: Islamic Rulings & Teachings)

*** حافظ شوکت علی**
لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ ایچی سن کالج، لاہور
****ڈاکٹر محی الدین ہاشمی**
پروفیسر/چیئرمین، شعبہ فکر اسلامی، تاریخ و ثقافت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ABSTRACT

It is the innate desire of every healthy person to lead an honorable, healthy and safe life, and no one should hurt or provoke others to act against their wishes. Islam satisfies our desires and guarantees the sanctity of life, freedom of thought and action and the peaceful satisfaction of human needs. But we may need the help of our colleagues. As in medical and reconstructive surgery, a Surgeon may have to touch or dissect an innocent body to protect it from certain diseases and conditions. We are also advised to take care of our companions after death and not to speak ill of them or reveal their secrets in their lives or after death. Therefore, it is advisable not to slander, spy on others or pursue the secrets of those around us. In cosmetic applications, plastic surgery and medical practices one can find some other top secrets, but such secrets should not be shared or revealed for any purpose. Persons convicted of a crime may be punished according to the nature of the damage. In some cases, doctors and their supporters are excluded. Since the secret in question may be linked to the national interest, such secrets may be disclosed to the competent authorities only in the public interest.

انسان کو اللہ تعالیٰ نے آزادی بدن اور حریت فکر دی ہے، اور اسے اپنی زندگی آزادی کے ساتھ گزارنے کا حق دیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے:

﴿وَقُلِ اعۡمَلُوۡا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ﴾ [1]

(اور آپ کہہ دیجیے کہ تم عمل کرو، عنقریب اللہ اس کا رسول اور مومن تمھیں دیکھ لیں گے)

لیکن آزادی فکر و عمل میں رہنمائی دی گئی ہے کہ وہ بذات اپنے ارادہ نیت سے صالح بنیں اور نیک عمل کریں:

﴿وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾[2] (اور نیک اعمال کرو)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا﴾[3]

(اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچو، بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں، اور تم جاسوسی نہ کرو)

اسی طرح حدیث میں آیا ہے:

"اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ، وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا"[4]

(شک و شبہ کرنے سے بچو، کیونکہ شک کرنا بڑا جھوٹ ہے۔ ٹوہ میں رہنے اور ایک دوسرے کے بھاؤ پر بڑھا کر بھاؤ لگانے سے بچو، اور ایک دوسرے سے حسد نہ رکھو)

اسی طرح کسی دوسرے شخص کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل ہونے سے بھی روکا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا﴾[5]

(اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ، جب تک کہ اجازت نہ لے لو، اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو)

ایک دوسرے کے رازوں کی حفاظت کرنا اور خفیہ امور کے پیچھے نہ لگنا ہر مسلمان کی ذمے داری ہے۔ ہر چھوٹے کو اس فرض کا خیال کرنا ضروری ہے۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں آیا ہے کہ ایک دفعہ رات کی تاریکی میں انہیں مدینہ منورہ کے ایک مقام کچھ لوگوں کے بارے میں شک گزرا وہ چھپ کر شراب نوشی کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دیوار سے جھانکا اور انہیں دھر لیا۔ انہوں نے آپؓ پر اعتراض کیا کہ "پہلے آپؓ نے تین جرم کیے ہیں۔" پہلا یہ ہے:

"تَجَسَّسْتَ عَلَيْنَا"

آپؓ نے ہماری ٹوہ لگائی ہے اور جاسوسی کی ہے۔ دروازے کے ذریعے آنے کی بجائے دیوار پھلانگی ہے، اسی طرح سلام کہے بغیر پل پڑے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اپنی عمر دیکھیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی دیکھیں! انہوں نے کہا: اگر ہم نے ایک نافرمانی کی ہے: تو آپؓ نے تین نوعیت کی نافرمانی کی، آپؓ نے جاسوسی کی، دروازے کی بجائے دیوار سے جھانکا اور سلام کہے بغیر پل پڑے۔[6]

اسرار اور خفیہ امور، معنی و مفہوم

سر اور راز کیا ہے؟ عربی مصادر میں راز اور مخفی امور کے لیے مادہ "س ر ر" سے ''سِرّ'' اور "خ ف ی" سے ''خفی'' استعمال کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے:

﴿فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى﴾[7]

(یقیناً وہ پوشیدہ اور پوشیدہ تر بات کو جانتا ہے)

''السّرّ'' کی جمع ''السَّرائر'' ایسی چیز جسے آپ پوشیدہ اور مخفی رکھیں۔ 'اظہار' اور 'اعلان' کرنا اس کی ضد استعمال کیے گئے ہیں۔[8]

اس طرح ''السِّرّ'' ہر اس چیز اور معاملے پر بولا جاتا ہے، جسے انسان دوسروں سے مخفی رکھنا چاہے۔[9]

قرآن کریم میں ''السِرّ'' کی ضد "اعلان" آئی ہے۔

﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً﴾[10]

(وہ لوگ جو اپنے مال رات اور دن، چھپے اور کھلے خرچ کرتے ہیں)

اور ''جھر''

﴿وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ﴾[11]

(اور تم اپنی بات کو چھپاؤ، یا اسے بلند آواز سے کرو (برابر ہے)۔آئی ہیں۔

''السّرّ'' کا اصطلاحی مفہوم

اس لفظ کے اصطلاحی مفہوم کو مجمع الفقہ الاسلامی نے اس طرح دیا ہے: "اس سے مراد وہ سب امور ہیں جسے کوئی شخص دوسرے فرد کو پہلے یا بعد میں اعتماد میں لے کر پوشیدہ طور پر پہنچائے۔ اس میں عرف عام کے مطابق ایسے قرائن اور شواہد کا ہونا ضروری ہے۔ جو کسی امر کو پوشیدہ اور خفیہ رکھنے پر دلیل ہوں، جس طرح کہ کچھ اس طرح کے انسانی خصوصیات اور عیوب و نقائص کا ہونا جنہیں کوئی فرد لوگوں سے چھپانا چاہتا ہو۔"[12]

السر کی جدید تعریف

دور حاضر کے بعض علماء نے ''السِرّ'' کی تعریف یہ کی ہے:

"اس سے مراد ہر ایسی بات کو خفیہ رکھنا ضروری ہے جسے اگر پوشیدہ نہ رکھا جائے تو نقصان اور ضرر ہونے کا قوی احتمال ہو۔"[13]

اختلاف الفاظ کے ساتھ اس طرح کی دیگر الفاظ میں تعریفات کی گئی ہیں، ''سِرّ'' اور "خفیہ امور" کے معنی

و مفہوم کی تحدید کرنے میں مختلف معیار مد نظر رکھے گئے ہیں۔ مثلاً

۱۔ ضرر اور نقصان

بعض علماء نے راز اور خفیہ امور کو پوشیدہ رکھنے کا معیار ضرر اور نقصان قرار دیا ہے، جیسا کہ بعض نے ایسا راز افشاء کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے، جن کے افشاء کرنے سے نقصان اور ضرر ہو:

"کل ما یضر افشاؤہ بسمعة مودعه أو کرامته"[14]

(ہر ایسا امر جس کا افشاء کرنا شہرت یا عزت و توقیر کو نقصان دے)

قانون کے بعض ماہرین نے بھی قانونی لحاظ سے اسرار اور رموز کے افشاء کرنے کی ممانعت کا معیار ضرر ہی قرار دیا ہے۔[15]

۲۔ ارادہ

بعض نے اسرار و رموز کا معیار صاحب السر کا نظریہ اور ارادہ قرار دیا ہے، لیکن اس نظریہ کو قبول نہیں کیا گیا۔[16]

۳۔ نوعیت اسرار و رموز

بعض کے نزدیک ایک اسرار اور رموز بذات خود ہی دلیل ہیں کہ انھیں افشاء نہ کیا جائے۔

۴۔ شرعی مصالح

بعض نے شرعی مصالح کو اسرار و رموز کا معیار قرار دیا ہے۔ اگر کوئی شرعی مصلحت ملحوظ نہ ہو تو ایسے راز کو چھپانا ضروری نہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

" إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، الرَّجُلَ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ، وَتُفْضِي إِلَيْهِ، ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا"[17]

(لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں بدترین شخص قیامت کے دن وہ ہوگا جو اپنی زوجہ کے پاس جائے اور وہ اس کے پاس جائے، پھر وہ اس کا راز عام کرنے لگے)

جیسا کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے کسی کام کے لیے بھیجا۔ میں اپنی والدہ کے پاس رکا تو انہوں نے آنے کی وجہ پوچھی، میں نے عرض کیا: ((إِنَّهَا سِرٌّ)) "وہ تو ایک راز ہے۔" تو وہ کہنے لگیں:

"لَا تُحَدِّثَنَّ بِسِرِّ رَسُولِ اللهِ أَحَدًا"[18]

(رسول اکرم ﷺ کا راز افشاء نہ کرنا)

ترجیح:......ان نظریات میں شرعی مصلحت زیادہ معتبر اور جامع ہے۔ قانونی لحاظ سے بھی یہی معیار مسلم ہے۔ کاسمیٹک سرجری میں معالج، فیشن اور بیوٹی کے سنٹر کے متعلق راز اور افشاء سِرّ کو دیکھا جائے تو شرعی مصلحت اور معیار کا

اطلاق موزوں تر نظر آتا ہے۔ کاسمیٹک سرجری کے اداروں، فیشن اور بیوٹی سے متعلق افراد سے عورتوں کے متعلق راز افشاء ہوتے ہیں، جبکہ شرعی اعتبار سے یہ اسرار افشاء قطعاً حرام ہے۔ جیسا کہ آیا ہے:

"الْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ"[19]

(مجلس وملاقات امانت ہیں)

انواعِ اسرار ورموز

مصدر کے اعتبار سے اسرار کی تین اقسام ہیں:

۱۔ازدواجی اسرار: خاوند کی اور بیوی کی آپس میں لباس کی سی ہے۔

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾[20] (وہ آپ کا لباس اور آپ ان کا لباس ہیں)

ازدواجی زندگی کے راز افشاء کرنا حرام ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: "اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ"[21]

حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ "ازدواجی زندگی کے متعلق مرد وزن کا راز افشاء کرنا حرام ہے۔"

۲۔ پیشہ ورانہ اسرار ورموز

پیشہ ورانہ اور فنی مہارت کے لیے مصادر میں عمل، المِهْنَة جمع، مِهَن تحریک، خدمة وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں۔[22]

اسلام میں حلال اور جائز ذرائع والے تمام پیشے جائز رکھے گئے ہیں۔ ہر پیشہ کے مخصوص اسرار اور رموز کے مطابق ان کی حفاظت کرنا۔ یہ پیشہ اختیار کرنے والوں کی ذمے داری اور فرض ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"الْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ إِلَّا ثَلَاثَةَ مَجَالِسَ: سَفْكُ دَمٍ حَرَامٍ، أَوْ فَرْجٌ حَرَامٌ، أَوْ اقْتِطَاعُ مَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ"[23]

(مجلس کی باتیں امانت ہیں، سوائے تین قسم کی مجلس کی باتوں کے، ناحق قتل کرنے، بدکاری کرنے یا غاصبانہ طور پر کسی شخص کی جگہ پر قبضہ کرنے کے بارے میں مجلس کی باتوں کا راز رکھنا امانت نہیں)

اسی طرح حضرت انسؓ کے اس واقع سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی کام سے بھیجا، ان کی والدہ نے کام پوچھا تو حضرت انسؓ نے وضاحت کی کہ یہ ایک راز کی بات ہے تو آپ کی والدہ نے فرمایا:

"لَا تُحَدِّثَنَّ بِسِرِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدًا"[24]

(اللہ کے رسول ﷺ کا راز افشاء نہ کرنا)

کسی شخص کے اسرار اور رموز کا افشاء کرنا مذموم عمل ہے۔ ایک نوع کی خیانت ہے، اور دوسری چغل خوری بھی ہے جیسا کہ امام ماوردیؒ فرماتے ہیں: "کسی شخص کے اسرار کا افشاء کرنا اپنے اسرار و رموز افشاء کرنے سے بھی قبیح ہے۔"[25]

"بلکہ کسی شخص کے اسرار افشاء کرنا اس کا خون کر دینے کے مترادف ہے۔"[26]

البتہ بعض علماء نے پیشہ ورانہ اسرار و رموز کو ضرر اور نقصان کے ساتھ محدود کیا ہے۔ ان کے مطابق:

"اَنَّ السِّرَّ هُوَ مَا يَضُرُّ اِفْشَاءُهُ بِسُمْعَةِ مُوَدِّعِهِ وَ كَرَامَتِهِ"[27]

(راز وہ ہے جس سے متعلق کسی شخص کی عزت اور شہرت کو نقصان پہنچے)

۳۔ طبّی اسرار

جراحت ابدان اور علاج معالجہ میں معالج اور اس کے معاونین کو مریض کے بعض ایسے اسرار اور رموز سے واقف ہو سکتے ہیں جو کہ دیگر تمام لوگوں سے مخفی اور پوشیدہ ہوں۔ جیسے "طبّی تشخیص میں وہ مرض کے خفیہ اور پردہ والے اعضاء دیکھ سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں طبیب اور اس کے معاونین کا فرض یہ ہے کہ وہ شرعی آداب اور تعلیمات کا لحاظ کریں" [28]

طبّی اسرار میں صرف مریض یا علاج مرض ہی شامل نہیں بلکہ اس میں طبّی تشخیص، ایکسرے، نسخہ کا اجراء اور دیگر تمام تصاویر شامل ہیں جن تک معالج اور اس کے معاونین کی رسائی ہوتی ہے۔[29]

البتہ ایسی معلومات جو براہ راست طبّی تحقیق اور علاج معالجہ سے متعلق نہ ہوں ان کے افشاء کرنے یا نہ کرنے سے کوئی مضائقہ نہیں۔[30]

طبّی اسرار و رموز تاریخ میں

مریض کے طبّی اسرار و رموز رکھنے کا اولیں حوالہ معروف معالج اور طبیب بقراط یونانی کا آتا ہے۔ بقراط (۴۶۰۔ ۳۷۳ ق م) نے اپنے دور میں مریض کے طبّی اسرار کی حفاظت کا اہتمام کیا۔[31]

مریض کے طبّی اسرار و رموز کی حفاظت کرنے کے بارے میں ابن ابی صبیعہ نے نقل کیا ہے: "بقراط نے اوقات علاج میں مریض کے متعلق معلوم ہونے والے امور کی بابت خاموش رہنے کا حکم دیا ہے۔"[32]

اس احتیاط کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر اور اس کے معاونین مریض کی ایسی باتیں بھی جان جاتے ہیں جن کی بابت اولاد، آباء اور بھائی بہنوں کو بھی علم نہیں ہوتا۔ اس لیے اطباء سے لوگوں کے اسرار و رموز کی حفاظت کرنے کا عہد لیا جاتا ہے۔[33]

مریض کے اسرار و رموز کی حفاظت کرنے کا عہد جنیوا کے اعلامیے ۱۹۴۷ء میں درج کیا گیا ہے: "معالج کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ اقرار کرے کہ "میں مریض کی زندگی اور بعد از وفات اس کے اسرار و رموز کی حفاظت کروں گا۔"

"I will respect the secrets which are confided in me, even after the patient had died''.[34]

طب اور جراحت میں رہنما اصول

قواعد طب اور اخلاقی ذمے داریوں کے بارے میں ابو بکر الرازیؒ نے اپنی کتاب اخلاق الطبیب میں ایک معالج اور طبیب کے بارے میں یہ اخلاق عالیہ بتائے:

"یَا بُنَیَّ اَنَّہٗ یَنْبَغِی لِلطَّبِیْبِ اَنْ یَّکُوْنَ رَفِیْقًا بِالنَّاسِ حَافِظًا لِغَیْبِهِمْ، کَتُوْمًا لِاَسْرَارِهِمْ، لَاسِیَمَا مِنَ الْمَرَضِ مَا یَکْتُمُہٗ مِنْ اَخَصِّ النَّاسِ بِہٖ، مَثَل: اَبِیْہِ وَاُمِّہٖ وَوَلَدِہٖ وَاِنَّمَا یَکْتُمُوْنَہٗ خَوَاصَّھُمْ وَیَفْشُوْنَہٗ اِلَی الطَّبِیْبِ ضرورۃً"[35]

(میرے بیٹے! ایک طبیب کو چاہیے کہ وہ لوگوں کا ہمدرد اور رفیق بنے، ان کے غائبانہ امور کی حفاظت کرے، اسرار و رموز کو چھپانے والا ہو، خصوصاً اپنے (مخدوم) مریضوں کے اسرار پردہ رکھے، بعض افراد کو ایسا مرض ہو سکتا ہے جسے وہ اپنے خواص اور قریبی افراد سے خفیہ رکھتے ہوں، جیسے والد، ماں، بھائی وغیرہ، طبیب کو وہ ضرورت (علاج) کے پیشِ نظر بتاتے ہوں)

اسی طرح حکیم جالینوس یونانی نے اپنے شاگردوں کو یہ نصیحت کی کہ

"وہ لوگوں کی باتیں ایک دوسرے کے سامنے نہ کرتے پھریں۔"[36]

بقراط اطباء سے حلف لیتا کہ "وہ محرم افراد سے غضِ بصر کریں، اسرار اور رموز افشاء نہ کریں۔"[37]

طبّی اسرار اور رموز کیا ہیں: طبّی اسرار و رموز کے مفہوم کے تعین میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ جیسے

"کل ما یمس طمأنینة المریض وشرفه وعائلته"[38]

(ہر ایسا راز ہے جس میں مریض کا اطمینان و سکون مضمر ہو یا مریض کی یا اس کے اہل و عیال کی عزت و تکریم اس راز سے وابستہ ہو)

اور بعض نے کہا ہے "ہر وہ چیز جس سے کوئی معالج دوران طبّی عمل یا اس کے ذریعے سے جان پائے اور اس کے افشاء کرنے میں مریض یا اس کے اہل و عیال کے مقام و مرتبہ کے خلاف ہو۔"[39]

جب کہ بعض کی رائے یہ ہے:

"مَا یُعَهِّدُ بِهِ الْمَرِیْضُ إِلَی الطَّبِیْبِ عَلٰی أَنَّهٗ سِرٌّ وَلَوْ کَانَ مَعِیْبًا أَوْ مزریًّا بِالشَّرَفِ"[40]

(ایسی بات راز ہو گی جس کا کوئی مریض معالج کو عہد دے کہ یہ راز ہے، چاہے ایسی بات اچھی ہو یا بری، اس طرح مختلف الفاظ میں دیگر تعریفات بھی کی گئی ہیں۔ ان تعریفات کو دیکھا جائے تو "ہر ایسی بات جس سے کسی معالج کو طبّی عمل کے ذریعے سے علم ہو اور اس کے چھپانے میں مریض یا اس کے خاندان کی مصلحت مضمر ہو)[41]

اسرار و رموز کی بابت ابن ابی صبیعہ کی یہ رائے جامع ہے:

"هُوَ کُلُّ مَا لَا یُنْطَقُ بِهٖ خَارِجًا"[42]

(ہر بات جس کا سرِ عام اظہار نہ کیا جا سکے وہ راز ہے)

طبّی اسرار و رموز کی شرائط

کون سے ایسے اسرار و رموز ہیں جن کا طبیب سے راز رکھنا مطلوب ہے؟ کسی مریض کے اسرار کی بابت ایک طبیب دوست، ہمسایہ اور دیگر مختلف حیثیتوں میں بعض باتوں سے واقف ہو سکتا ہے، مگر یہ وہ طبّی عمل میں شامل نہیں، لہٰذا ان کا حکم بھی مختلف ہو گا۔ کسی امر کے لیے اسرار اور رموز کے حکم میں شامل ہونے کے لیے شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ ڈاکٹر اور معالج کو یہ معلومات طبّی عمل کے ذریعے سے حاصل ہوں۔[43]

اس میں ایسی معلومات شامل نہ ہوں گی جن سے طبیب کسی دیگر ذریعے سے واقف ہو یا کسی اور واسطہ سے اس کے علم میں آئیں۔

۲۔ یہ اسرار و رموز پوشیدہ رکھنے میں مریض کی مصلحت اور اس کا فائدہ مضمر ہو۔[44]

۳۔ ایسا امر لوگوں میں پہلے سے عام اور معروف نہ ہو۔[45]

۴۔ طبیب کو یہ معلومات بطور دوست، ہمسایہ یا بطور مہمان کے حاصل نہ ہوں۔[46]

افشاء اسرار و رموز

اسرار و رموز میں اصل تو کتمان اور رموز کا خفیہ رکھنا ہے، کیونکہ راز جب افشاء ہوا تو وہ راز نہیں، جیسا کہ حضرت علیؓ کا قول ہے۔

"سِرُّکَ أَسِیْرُکَ، إِذَا تَکَلَّمْتَ صِرْتَ أَسِیْرًا"[47]

(آپ کا راز آپ کا اسیر ہے جب تک کہ آپ اس کا اظہار نہ کریں، اگر یہ افشاء کر دیا تو آپ اس کے اسیر اور قیدی بن گئے)

اسرار و رموز کا افشاء نہ کرنا صبر کی ایک علامت ہے جب کہ ایسی قوم جس میں اسرار و رموز کو افشاء کر دے وہ کبھی

کامیاب نہیں ہو سکتی۔[48]

اسرار و رموز رکھنے میں نجات ہے جیسا کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: "نجات کیا ہے۔" تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"اَمْسِکْ عَلَیْکَ لِسَانَکَ وَلْیَسَعْکَ بَیْتُکَ وَاَبْکِ عَلٰی خَطِیْئَتِکَ"[49]

(اپنی زبان اپنے قابو میں رکھیں، آپ کا گھر آپ کے لیے کافی ہونا چاہیے، اور اپنی غلطیوں پر رویا کریں)

افشاء اسرار و رموز کی مختلف صورتیں

اسرار و رموز میں اصل تو کتمان سر ہی ہے، البتہ اس کے افشاء کی مختلف صورتیں ہیں۔

۱۔ **صورت جرم**:......افشاء اسرار بعض اوقات جرم بھی ہو سکتا ہے جیسے "طبیب کا ایسی معلومات اور اسرار کا افشاء کرنا جو اسے مریض کی طبّی تشخیص اور علاج معالجہ کے دوران حاصل ہوں۔" [50]

کاسمیٹک سرجری اور زینت و جمال کے مختلف طریقے اپنانے میں ماہرین اپنے زائرین (Customers) کے اجسام کی تفصیلات سے اچھی طرح واقفیت حاصل کر لیتے ہیں، یہ معلومات عام کرنا جرم ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کو ایک مخنث کو گھر سے نکال دینے کا حکم دیا، کیونکہ اس مخنث نے ام سلمہؓ کے بھائی جناب عبداللہؓ کو بتایا کہ "اگر طائف فتح ہو گیا تو میں تمھیں بنت غیلان کے حسن و جمال کے بارے میں بتاؤں گا۔"[51]

زینت و جمال کے معلومات براہ راست حاصل ہوں یا کسی شخص کی زبانی یا ایکسرے (X-ray) اور تصاویر سے حاصل ہوں ان اسرار و رموز اور معلومات کا عام کرنا ممنوع ہے۔ اسی طرح عورتوں کو دیگر عورتوں کے جسمانی اوصاف اپنے خاوندوں کو بتانے سے روکا گیا۔ دور حاضر میں پردہ رکھنا زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ کیمرہ اصل سے بڑھ کر خوبصورت اور حسین و جمیل تصویر پیش کرتا ہے۔

عورتوں کا ہم جنس سے پردہ کرنا: اسلام نے اہل ایمان عورتوں کو ہم جنس مسلم اور غیر مسلم دونوں سے پردہ رکھنا چاہیے۔ اسی طرح میاں بیوی ایک دوسرے کے راز افشاء نہ کریں اور ایسا خاوند جو اپنی اہلیہ کے اسرار عام کرے اسے بدترین اس لیے قرار دیا گیا کہ وہ راز افشاء کرتا ہے۔[52]

۲۔ صورت جواز

بعض اوقات معالج یا دیگر افراد سے مصلحت عامہ کے پیش نظر افشاء اسرار کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے، تاکہ کسی مجرم کو ثبوت اور شہادت کے ساتھ سزا دی جا سکے یا کسی معصوم شخص سے حد ختم کی جا سکے۔ مصلحتِ عامہ کے پیش نظر افشاء اسرار کی یہ صورتیں ہو سکتی ہیں:

ا۔ **ولادت اور وفات:** کسی بچے کی ولادت کے سلسلے میں اگر طبیب راز افشاء کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ عقیقہ کے سلسلے میں آیا ہے۔

"مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ فَأَهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا وَأَمِيطُوا عَنْهُ الْأَذَى"[53]

(بچے کے ساتھ اس کا عقیقہ بھی ہے، اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے تکلیف دہ چیز (بال) دور کرو)

اس سے ائمہ ثلاثہ نے اخذ کیا ہے کہ عقیقہ کرنا مندوب عمل ہے۔[54]

امام احمدؒ نے عقیقہ کرنے کو مسنون اور بعض نے واجب قرار دیا ہے۔ جب کہ دیگر علماء نے ولیمہ کی طرح اسے واجب قرار نہیں دیا۔[55]

اعلان وفات

کسی شخص کی وفات کا افشاء راز کرنا حرام نہیں، جیسا کہ نجاشی کی وفات کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے اعلان کیا۔

"نَعَى النَّجَاشِيَّ فِي الْيَوْمِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ خَرَجَ إِلَى الْمُصَلَّى"[56]

(رسول اللہ ﷺ نے جناب نجاشیؓ کی وفات کا اس کی وفات کے دن اعلان کیا)

آپ ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔ اس طرح کسی شخص کی ولادت یا وفات کے بارے میں راز افشاء کرنا گناہ نہیں۔

شہادت طبیب

بعض جرائم کے سلسلے میں طبیب سے شہادت مطلوب ہو سکتی ہے۔ اسی طرح دیگر کئی ایک معاملات میں ماہرین جلد کی شہادت معتبر ہو سکتی ہے، جیسے ثبوت اور شہادت نہ ہونے کی صورت میں پوسٹ مارٹم (Post-Mortem or autopsy) کیا جاتا ہے۔[57] اسی طرح تحقیق یا عدالتی معاملات میں کسی ماہر جلد کی شہادت بھی معتبر ہو سکتی ہے۔

اس صورت میں راز افشاء کرنا درست ہے۔

نبی کریم ﷺ کے سامنے لوگ اختلافی معاملات لے کر پیش ہوتے، اور آپ ﷺ شہادت پر فیصلہ کرتے، صحابہ کرامؓ میں سے بھی بعض فتویٰ دیتے تھے۔ اگر قاضی اور عدالت کے مطالبے پر شہادت دینا جرم نہیں۔ چاہے طبیب اور اس کے معاونین ہوں یا زینت و جمال سے متعلق دیگر افراد ہوں، وہ اگر گواہی دیں تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی۔ ایک محتسب حلف لے کر شہادت یا دیگر طریقوں سے درست نتیجہ تک پہنچتا ہے۔[58]

متعدی امراض کی تشہیر

متعدی امراض ایڈز، طاعون یا پھلبہری وغیرہ جیسی اور وباء پھیلنے کے اندیشہ کے پیش نظر طبیب اور زینت وجمال کے ماہرین کا مرض اور مریض کے بارے میں افشاء راز کرنا جرم نہ ہوگا۔ دور حاضر میں تھلیسمیا، ایڈز، جلدی الرجی اور دیگر متعدی امراض ہیں۔ان کے بارے میں تشہیر کرنا اور افشاء راز کرنے کا مقصد مصلحت عامہ ہے لہٰذا اس طرح کا افشاء راز جرم نہیں۔ جیسا کہ مجلس مجامع الفقہ الاسلامی کے منعقدہ اجلاس (۱۴۱۴ھ۔ ۱۹۹۳ء برونائی دارالسلام) نے طے کیا کہ متعدی امراض کی صورت میں افشاء راز کرنا واجب ہے۔[59]

البتہ ایسے امراض جو متعدی نہ ہوں ان کا راز افشاء کرنا درست نہیں۔ متعدی امراض کے بارے میں علماء فرماتے ہیں، ''جذام (Leprosy) کا مریض عموماً لوگوں میں نہ آئے، اگر خاص کسی فرد کے پاس جانا ہو تو اسے پہلے مطلع کرے۔ اگر وہ اجازت دے تو درست ہے، انتظامیہ ایسے لوگوں کو ایک جگہ رکھے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ اور خلفاء نے کیا تھا۔''[60]

تاکہ معاشرہ میں دیگر افراد کو متعدی امراض سے محفوظ رہیں۔[61]

غلط گواہی اور شہادت

جھوٹی شہادت دینا اور قبول کرنا دونوں سے روکا گیا ہے بلکہ ایسے شخص سے لوگوں کو بچانا ضروری ہے۔ اسلام میں اکبر الکبائر میں سے ایک ''شهادة الزور''، بھی ہے۔قرآن کریم میں ہے:

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ﴾[62]

(بتوں کی پلیدگی سے بچیں اور جھوٹے قول سے بچیں)

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟» ثَلَاثًا «الْإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ'' [63]

(کیا میں تمھیں اکبر الکبائر (گناہوں) سے آگاہ نہ کروں؟ یہ الفاظ تین دفعہ دہرائے: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی بات کرنا)

جب کہ ایک روایت کے مطابق ''جھوٹی شہادت دینا۔''[64]

یہی وجہ ہے کہ اگر قصداً جھوٹی شہادت دینا ثابت ہو جائے تو اکثر اہل علم کے نزدیک اس شخص کو تعزیری سزا ہوگی اور اس کی تشہیر کی جائے گی۔[65]

اس بارے میں مذکور ہے کہ:

''اُذْكُرُوا الْفَاسِقَ بِمَا فِيهِ كَيْ يَحْذَرَهُ النَّاسُ''[66]

(فاسق آدمی کا اس طرح ذکر کرو کہ لوگ اس سے بچیں)

امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے کہ اس طرح کے شخص کی تعزیر یہ ہے کہ اسے لوگوں کے سامنے بازار میں مسجد میں بلایا جائے اور کہا جائے:

"هٰذَا شَاهِدُ الزُّوْرِ فَاحْذَرُوْهُ" [67]

(یہ شخص جھوٹی گواہی دینے والا ہے، اس سے بچ کر رہیں)

معاجنین کہتے ہیں: "ایسے شخص کو کوڑے لگانا بھی تعزیر میں شامل ہے۔"

گمراہ کن تصانیف اور بدعت کا پرچار کرنے والے

بدعت کا پرچار کرنے والوں اور گمراہ کن تصانیف کرنے والوں کے اسرار افشاء کرنا جرم نہیں۔ جیسا کہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں: "فاسق اور بدعتی علماء کے فسق اور بدعت سے بچنے کے لیے افشاء راز کرنا ضروری ہے۔"[68]

البتہ شرط یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی تشہیر کرنے میں حقیقت سے تجاوز نہ کیا جائے اور ان لوگوں پر الزام عائد نہ کیا جائے اور ان کی حسد کی وجہ سے تذلیل یا تحقیر نہ کی جائے۔[69]

ارکان افشاء اسرار

افشاء اسرار میں مختلف لوگ مجرم ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔ جیسے طبّی اسرار و رموز میں طبیب کے معاون تمام ایسے افراد جو مریض کے علاج اور تشخیص میں کردار ادا کریں، اسی طرح ماہرین زینت و جمال اور ان کے معاون وفراد جو عمل زینت و جمال میں کسی طرح بھی کردار ادا کریں۔ یہ سب یا ان میں سے کوئی رکن بھی ارتکاب افشاء اسرار کر سکتا ہے، لہٰذا ان میں سے کسی شخص کو افشاء راز کے بارے میں ذمے دار ٹھہرایا جا سکتا ہے۔[70]

افشاء اسرار اور سزا

افشاء اسرار ایسا جرم ہے جس کی سزا پر ظاہراً کوئی نص وارد نہیں، قاعدہ یہ ہے:

"لا جريمة ولا عقوبة إلا بنص"[71]

(جرم اور سزا دونوں دلیل کی بنیاد کر ہوتے ہیں)

اور "تعزیزی سزا میں کسی جرم کی کوئی خاص نص ہے اور نہ اس کی کوئی صفت مقرر کی گئی ہے۔[72]

قاضی جرم اور مجرم کی نوعیت کے اعتبار سے کم یا زیادہ سزا مقرر کر سکتا ہے۔[73]

تعزیزی سزا کا مقصد جرم کی روک تھام ہے، لہٰذا اس میں قاضی اور والی گناہ اور لوگوں کی نوعیت کے اعتبار سے کم یا زیادہ سزا دے سکتے ہیں۔[74]

جیسا کہ تعزیر کی یہ تعریف کی گئی ہے:

"هو تأديب على ذنوب لم تشرع فيها الحدود"[75]

(ایسے جرائم پر تادیبی سزا جس میں کوئی حد مقرر نہ کی گئی ہو)

بعض جرائم پر سزا مقرر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اموال، معاشرہ اور ضرر کی نوعیت مختلف ہو سکتی ہے، لیکن اس معاملہ میں قانون بنانے میں مکمل آزادی نہیں دی گئی۔ تعزیری قانون اسلام کے قانون جرم اور سزا کی حکمت کے موافق ہونا ضروری ہے۔

تعزیزی سزا کی نوعیت

تعزیری سزا میں درج ذیل نوعیت میں سے کوئی ایک ہو سکتی ہے۔

۱۔ قانون کی مخالفت کرنے پر تعزیز۔

۲۔ مصلحت عامہ کی خاطر تعزیر۔

۳۔ معصیت اور نافرمانی پر تعزیر۔[76]

ان تینوں انواع کی تعزیرات کا لحاظ رکھا گیا ہے اور مختلف سزائیں مقرر کی گئی ہیں:

مخالفت قانون پر تعزیر:

قرآن وحدیث میں بہت سے قوانین وضع کیے گئے، جیسے:

﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا﴾[77] "اور جاسوسی نہ کرو۔"

﴿فَاعْدِلُوْا﴾[78] "ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا کرو۔"

مگر ایسے قوانین کی مخالفت پر کوئی سزا نہیں دی گئی۔ لیکن مختلف وضعی قوانین میں اس بابت سزائیں تجویز کی گئی ہیں۔

۲۔ مصلحت عامہ میں تعزیری سزا

مصلحت عامہ ملحوظ رکھتے ہوئے مختلف نرم یا سخت سزائیں دی گئیں۔ امیر اور حاکم کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ تحقیق کے لیے تہمت لگے افراد کو روک لے۔[79] جیسے ایک شخص پر تہمتِ سرقہ لگی تو نبی کریم ﷺ نے اسے روک لیا لیکن جب ثابت ہو گیا کہ وہ شخص اس تہمت سے بری ہے تو آپ ﷺ نے اسے جانے دیا۔[80]

جب کہ ایک روایت کے مطابق نبی کریم ﷺ نے بنی غفار کے دو آدمیوں کو چوری کی تہمت پر روکا۔ پھر ایک شخص کو جانے دیا اور وہ دونوں اونٹ لے آیا اور اس کے بعد آپ ﷺ نے دونوں کو آزاد کر دیا۔[81]

اسی طرح ایک دفعہ کسی شخص کو آپ ﷺ نے کسی تہمت پر روک لیا:

"أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَبَسَ رَجُلًا فِي تُهْمَةٍ"[82]

(نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو تہمت لگنے پر رک لیا)

۳۔ معصیت اور نافرمانی پر سزا

معصیت پر تعزیری سزا میں ہر قسم کی معصیت شامل ہے، چاہے وہ معصیت خالق کی ہو یا مخلوق میں سے کسی شخص کا حق مارنے کا معاملہ ہو۔[83]

بعض اقسام معصیات اور جرائم ایسے ہیں جن کی سزا مقرر ہے، جیسے قتل چوری وغیرہ لیکن بہت سی معصیت کی اقسام میں کوئی سزا مقرر نہیں، ان امور میں تعزیزی سزا دی جاسکتی ہے۔ بعض فقہاء نے حد کے ساتھ تعزیر لگانا بھی درست قرار دیا ہے۔ جیسے چور کا ہاتھ کاٹنا حد ہے اور امام احمدؒ کے نزدیک اس کے گلے میں لٹکانا تعریر ہے۔[84] البتہ بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ حد کے ساتھ تعزیر جمع نہیں ہو سکتی۔[85]

کاسمیٹک سرجری اور زینت و جمال کے امور

کاسمیٹک سرجری اور زینت وجمال میں بہت سے ایسے طبّی طریقے دور حاضر میں استعمال کیے جارہے ہیں جن کی دور اولیٰ میں اس طرح کے طبّی طریقوں زینت وجمال کرنے کی مثال نہیں ملتی۔ بعض معاملات براہ راست حدود کے ذیل میں آسکتے ہیں جیسے کسی عطائی کا کاسمیٹک سرجری کرنا، جس سے مریض کی موت واقع ہو جائے تو اس صورت میں حد کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ بہت سی ایسی صورتیں ہیں کہ لوگ انھیں دیکھتے ہوئے جھانسے میں آجاتے ہیں۔ جیسے خاص ماڈل اور کردار کی شکل اختیار کرنے کی سعی لاحاصل کرنا۔ ایسی صورت میں لوگوں کا وقت اور پیسہ دونوں برباد ہوتے ہیں۔ جب انھیں اپنی توقع کے مطابق نتائج نظر نہیں آتے تو انہیں مزید مایوسی ہوتی ہے۔ اسی طرح کاسمیٹک کمپنی اور زینت وجمال کی اشیاء تیار کرنے میں اصول وضوابط کی پابندی نہیں کرتے اسی طرح دیگر کئی صورتوں میں مصلحتِ عامہ کے تحت اصول وضوابط متعارف کرائے گئے ہیں تاکہ مستند طبیب ہی کاسمیٹک سرجری سرانجام دے۔ اسی طرح مصلحتِ عامہ کی خاطر سزائیں بھی تعزیراً تجویز کی جاسکتی ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

1 التوبۃ۹: ۱۰۵

2 السبا۳۴: ۱۱

3 الحجرات۴۹: ۱۲

4۔ البخاری،محمد بن اسماعیل البخاری،الجامع الصحیح،الریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع،۱۹۹۵م ط۱۔ کتاب الادب، باب يَا اَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوا جْتَنِبُوْا كثيراً مَّنِ الظَّنِّ، ح ٦٠٦٦۔مسلم،مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري۔الرياض: دارالسلام للنشر والتوزيع،۱۹۹۵م ط۱۔کتاب البروالصلة والآداب، باب تحريم الظن والتجسّس، ح ٦٧٠١۔

5۔ النور۲۴: ۲۷

6- الخلوتی،إسماعيل حقي بن مصطفى الإستانبولي الحنفي الخلوتي۔ تفسیر روح البيان ۔بيروت: دار الفكر۔ ۔ ج ٦ ص ٩٩۔ الواقدی، ابو عبداللہ محمد بن عمر بن واقد۔ فتوح الشام، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ١٤١٧ھ ۔ ١٩٩٧ء۔ ج ٢ ص ١٠١۔

7- طٰہٰ ۲۰:۷

8- ابن منظور،محمد بن مكرم بن منظور الأفريقي المصري۔ لسان العرب۔بيروت: دار صادر،ط١۔ ج ۴ ص ٣٥٦۔

9- مصطفیٰ ابراہیم، الزیات احمد، حامد عبدالقادرإبراهيم مصطفى ۔ أحمد الزيات ۔ حامد عبد القادر ۔ محمد النجار۔: دار الدعوة، المعجم الوسيط۔ ج ١ ص ۴٢٦۔

10- البقرۃ۲: ۲۷۴

11- الملک۶۷: ۱۳

12- مجمع الفقہ،قرارات وتوصیات مجمع الفقہ الاسلامی، منظمۃ المؤتمر الاسلامی، الدورۃ الثامنۃ۔ ص ۲۷۰۔

13- ادول، شریف۔ کتمان السر وافشاؤہٗ فی الفقہ الاسلامی۔ عمان: دارالنفائس للنشروالتوزیع، ۱۴۱۸ھ، ۱۹۹۷م، ط، ن۔ ص ١٦۔

14- بیومی، عبدالفتاح حجازی۔ المسؤلیۃ الطبیۃ بین الفقہ والقضاء۔ الاسکندریۃ: دارالفکر الجامعی، ۲۰۰۸م، ط ۱۔ ص ۱۰٦۔

15- عسیلان، اسامۃ بن عمر۔ الحمایۃ الجنائیۃ السر المہنۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ والقوانین الوضعیۃ وتطبیقاتھا فی بعض الدول العربیۃ۔ الریاض: جامعۃ نایف العربیۃ للعلوم الامنیۃ، ۱۴۲۴ھ، ۲۰۰۴ م، ط ۱۔ ص ۳۸۔

16- الخضری، یا سر بن ابراہیم، افشاء الاسرار الطبیۃ والتجاریۃ، مقالۃ الدکتورۃ۔ الریاض: جامعۃ الامام محمد بن سعود، ۱۴۳۳ھ ص ۲۹۔

17- مسلم، صحیح مسلم,کتاب النکاح، باب تحریم افشاء سرالمرأۃ ، ح ۳٦۱۵۔

18- مسلم، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل انس بن مالک، ح ٦۳۲۸۔

19- ابو داؤد، سليمان بن الأشعث السجستاني۔ سنن ابی داؤد۔ الریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع،۱۹۹۵م ط۱۔ ، کتاب الادب، باب فی نقل الحدیث، ح ۴۸۷۰۔

20- البقرہ۲: ۱۸۷

21- النووی، أبو زكريا يحيى بن شرف بن مري النووي۔ بيروت: دار إحياء التراث العربي،۱۳۹۲ھ،ط۲۔ ج ۱۰۔ ص ۲۵۰۔ابن حجر، احمد عبد الحیلم بن تیمیہ۔ الحرانی ابو العباس۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری۔ بیروتَ دارالمعرفہ ۱۳۷۹ح،ط۲۔ ج ۹۔ ص ۴۲۸۔ وزارۃ الاوثافاوالشئون الاسلامیۃ۔ الموسوعۃ، الفقہیہ الکوتیۃ۔ج ۵ ص ۲۹۳۔

22- لویس معلوف۔ المنجد فی اللغۃ والا علام، بیروت: دار المشرق، ۱۹۸۰، ط ۱۔ ص ۷۷۸۔

23- ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی نقل الحدیث۔ ح ع۴۸٦۹۔

24- احمد، أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني۔مسند الإمام أحمد بن حنبل۔القاہرہ: مؤسسة قرطبة۔ ج ۳ ص ۱۷۴۔ ح ۱۲۷۸۴۔

25- الماوردی،أبوالحسن علي بن محمد بن حبيب البصري البغدادي۔۔كتاب آداب الدنيا والدين ۔بيروت: دارالمنہاج،۱۴۳۴ھ۔۲۰۱۳م،ط۱۔ ص ۲٦۷۔

26- ایضاً

27- احمد کامل۔ الحماية الجنائية للاسرار المهنية، ص ۳۹۔ شریف بن اوول ادریس۔ کتمان السرّ واخفاءه ۔ بیروت: دار النفائس، ۱۴۸۱ھ ۔ ۱۹۹۷ م، ط۱، ص ١٦۔

28- الشنقیطی، احکام الجراحۃ الطبیۃ والآثار المترتبۃ علیھا۔جدہ: مکتبۃ الصحابہ،۱۲۱۵ھ۔۔۱۹۹۲م،ط۱۔ ص ۳٦۹۔

29- الخضیری، یاسر بن ابراہیم۔ افشاء الاسرار الطبیۃ والتجاریۃ۔ ص ۸۲۔

30- اسامۃ قاید۔ المسؤلیۃ الجزائیۃ، للطبیب عن افشاء سرالمہنۃ دراسۃ مقارنہ۔ القاہرۃ: النہضۃ العربیۃ، ۱۹۸۷م، ط ۱ ۔ ص ۳۲۔

31- شریف بن ادول ادریس۔ کتمان السرّ واخفاءہ ۔ بیروت: دار النفائس، ۱۴۸۱ھ ۔ ۱۹۹۷ م، ط۱۔ ۔ ص ۵۰۔

32- احمد بن القاسم، ابن ابی صبیعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء۔ بیروت: دار مکتبۃ الحیاۃ، قسم البقراط، ت۔ن ص ۴۵۔

33- ابن ھبل، مھذب الدین، ابوالحسن علی بن احمد البغدادی۔ المختارات فی الطب، معطبۃ جمعیۃ المعارف العثمانیہ۔ ۱۳٦۲ھ، ط۱۔ ج۱ص ۴۔

34 "Declaration of Geneva": http://www.cirp/liberary/ethies/geneva- (Accessed on: 10-02-2017)

35- الرازی، اخلاق الطبیب۔ القاہرہ، دارالتراک، ۱۳۹۷ھ۔ ۱۹۷۷م، ط۱، ص ۲۷، ۲۸۔

36- موسوعۃ الاعجاز العلمی، ص ۵۸۴۔ الرازی،ابو بکر محمد بن زکریا الرازی۔ اخلاق الطبیب۔القاہرہ: دار احیا ئ التراث العربی، ھ۔۱۹۷۷م،ط۱، ۔ ص ۳۰۔

37- موسوعۃ الاعجاز العلمی،۱۳۹۷ ص ۵۸۴۔ الرازی، اخلاق الطبیب المسلم ۔ ص ۳۰۔

38- ادول، شریف بن ادریس، کتمان السر وافشاءہ فی الفقہ الاسلامی ۔ ص ۳٦۔

39- محمود، محمود مصطفی۔ مدی المسئولیۃ الجنائیۃ للطبیب،اذا افشی سراً من اسرار مہنتہ۔ دراسۃ مقارنۃ مجلۃ القانون والاقتصاد۔ کلیۃ الحقوق، ۱۹۴۹م،ص ٦٦٠، العدد الخامس ۔

40- ایضاً، ص ٦۵۹۔

41- الخضری، یاسر بن ابراہیم، افشاء الاسرار الطبیۃ والتجاریۃ، دراسۃ مقارنۃ ۔ ص ۸۰۔

42- ابن ابی صبیعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء۔بیروت: دار مکتبۃ الحیاۃ۔ص ۴۵۔ Avaiable at: http://www.al-mostafa.com (Accessed on: 15-02-2017)

43- رحمۃ، شارف، المسئولیۃ الاداریۃ عن الاخطاء الطبیۃ، بسکرۃ: جامعۃ محمد۔ص ۱۱۔ Available at: www.ahlalhadeeth.com/vb/attachments.php/. (Accessed on: 10-1-2017)

44- نجیدہ، علی حسین۔ التزامات الطبیب فی العمل الطبیی۔ القاھرۃ: دارالنھضۃ العربیۃ، ۱۹۹۲، ط ۔ن۔ ص ۱۵۷، ۱۵۸۔

45- محمد علی، جمال عبدالرحمن- السرالطبی- جامعة القاہرہ، ٢٠٠٢م، ص ٣٥- ٣٧، بحوالہ: افشاء الاسرار الطبیة والتجاریة، دراسہ فقھیہ مقارنة--ص ١٠٩، ١١٠-

46- نجیدة، علی حسین، التزامات الطبیب فی العمل الطبی,ص ١٦٢-

47- الماوردی، ادب الدنیا والدین- بیروت: دار اقرأ ١٤٠٥ھ- ١٩٨٥م، ط ٤- ص ٣١٥-

48- ادول، شریف بن ادریس، کتمان السر واخفاؤہ، ص ١٠٨-

49- الترمذی، سنن الترمذی,کتاب الزھد، باب ما جاء فی حفظ اللسان، ح ٢٤٠٦-

50- اسامةقاید، المسؤلیة للطبیب عن افشاء سر المھنة-ص ٣٢-

51- البخاری، الجامع الصحیح، کتاب اللباس، باب اخراج المتشبھین بالنساء من البیوت، ح ٥٨٨٦-

52- مسلم، صحیح مسلم، کتاب الادب، باب تحریم افشاء سرالمرأة، ح ٣٦١٥-

53- البخاری، الجامع الصحیح، کتاب العقیقة، باب اماطة الاذیٰ عن الصبی فی العقیقة، ح ٥٤٧١- ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب فی العقیقة، ح ٢٨٣٩- النسائی، سنن النسائی، کتاب العقیقة، باب العقیقة عن الغلام، ح ٤٢٢٥-

54- ابن قدامہ،أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد بن محمد ، الشهير بابن قدامة المقدسي-المغني في فقه الإمام أحمد بن حنبل الشيباني-القاہرہ:مکتبة القاہرہ،١٣٨٨ھ-١٩٠٦٨م،ج ١١ ص ١٢٠-- الماوردی،العلامة أبو الحسن الماوردی-کتاب الحاوی الکبیر - بیروت:دار الفکر-ت ن-ج ١٩ ص ١٥٠-

55- ابن قدامہ، المغنی- ج ٢٢ ص ٣-

56- البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، باب الرجل ینعی الی اہل المیت، ح ١٢٤٥-

57- "Post-mortem": http://health.spectator.co.uk. (Accessed on 24-2-2017)

58- عبدالکریم، الزیدان- اصول الدعوة- بیروت: مؤسسة الرسالة، ١٤٠٨ھ، ١٩٨٧، ط ٣- ص ١٧٧-

59- لجنة العلماء، فتاوی مجامع الفقھیہ، السرفی المھن الطبیة، مجلة البحوث الفقھیہ المعاصرہ، رجب، شعبان، رمضان ١٤١٤ھ- جنوری، فروری، مارچ ١٩٩٤م- جلد ٢٠-

60- ابوالحسن علی بن محمد- الاختیارات العلمیہ- ص ٤٤١-

61- ابن رشد،أبو الوليد محمد بن أحمد بن رشد القرطبي ،البيان والتحصيل والشرح والتوجيه والتعليل لمسائل المستخرجة-بیروت- دار الغرب الإسلامي،١٤٠٨ھ-١٩٨٨م،ط٢،ج٩ ص ٤٠٩- ٤١١-تحقیق: د محمد حجي وآخرونالباجی-سليمان بن خلف بن سعد بن أيوب الباجي-مصر: مطبعة السعادہ،١٣٣٢ھ،ط١،- ج ٩ ص ٣٩٣- الزرقانی، شرح الزرقانی علی الموطأ- ج ٤ ص ٤٤٧- الھیثمی، تحفة المحتاج- ج ٤ ص ٣٢٨- السیوطی، الاشباہ والنظائر- ج ٢ ص ٤٢٨- ابن القیم، زاد المعاد- ج ٤ ص ١٣٤- الزرعی، محمد بن ابی بکر ایوب، مفتاح دارالسعادة و منشور الایة العلم و الارادة- بیروت: دار الکتب العلمیة، ت- ن، ط- ن- ج ٢ ص ٣٦٦- البھوتی،منصور بن یونس بن صلاح الدین ابن حسن بن إدریس البھوتی-شرح منتھی الارادات-بیروت: عالم الکتب،١٤١٤ھ-١٩٩٣م،ط١، ج ٥ ص ٣١٥-

62- الحج٢٢:٣٠

63- البخاری- الجامع الصحیح، کتاب الشھادت، باب ما قیل فی شھادة الزور- ح ٢٦٥٣-

64۔ مسلم، صحیح مسلم,کتاب الایمان، باب بیان الکبائر واکبرھا، ح ۲۵۵۔

65۔ ابن قدامہ، المغنی۔ ج ۲ ص ۱۵۰۔ الماوردی، الحاوی الکبیر۔ ج ۲۰ ص ۳۹۲۔ الکاسانی، بدائع الصنائع۔ ج ٦ ص ۲۸۹۔

66۔ ابن بطال، ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک۔ شرح الجامع الصحیح۔ الریاض: مکتبۃ الرشد، ۱۴۲۳ھ ، ۲۰۰۳م، ط ۲۔ ج ۹ ص ۲۴۷۔

67۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، بیروت: عالم الکتب،۱۴۱۴ھ۔۱۹۹۳م،ط۱، ج ۵ ص ۳۱۵۔ ج ۱۴ ص ۴۰۴۔

68۔ الغزالی،ابو حامد محمد بن محمد الغزالي۔ احیاءعلوم الدین۔بیروت: دارالمعرفۃ ۔ت ن۔ ج ۳ ص ۳۰۲۔

69۔ القرافی، أبو العباس أحمد بن إدريس الصنهاجي القرافي ۔أنوار البروق في أنواء الفروق۔بيروت: دار الكتب العلمية،۱۴۱۸ھ۔۱۹۹۸م،ط ن۔۔ ج ۴ ص ۲۰۸۔ الکنوی، الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل۔ حلب: مکتب المطبوعات الاسلامیہ، ط ۳، ۱۴۰۷ ھ ۔ ص ۳۸۴۔

70۔ *الاراشی، حسن زکی*- مسؤلیۃ الاطباء والجراحین المدینۃ فی التشریع المصری والقانون المقارن۔ *القاہرۃ: دارالنشر للجامعات المصریۃ، ت۔ ن۔ ص ۴۱۹، بحوالہ افشاء الاسرار الطبیہ، , ص ۱۳۷۔ مصطفٰی، محمود محمود*، مدی المسؤلیۃ الجنائیۃ للطبیب اذا افشی سراً من اسرار مھنتہ۔ *ص*۲٦۱۔

71۔ عبدالقادرعودۃ ۔ التشریع الجنائی الاسلامی۔ بیروت: دار الکتاب العربی۔ت ن۔ط۱،ج ۱ ص ۱۵۸۔دکتور وھبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلّتہ، دمشق: دارالفکر۔ ت، ن۔ ج ۷ ص ۲۵۵۔

72۔ عودۃ، عبدالقادر، التشریع الجنائی۔ ج ۱ ص ۱۵۸۔

73۔ ادول، شریف بن ادریس، کتمان السر واخفاؤہ۔ ص ۱۵۹۔

74۔ الشربینی،محمد الخطیب الشربینی۔ مغنی المحتاج الی معرفۃ الفاظ المنہاج۔بیروت: دار الفکر،ت ن۔ ج ۵، ص ۵۲۴۔ ابن تیمیہ، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحراني ۔مجموع الفتاوی۔دار الوفا،۱۴۲٦ھ۔۲۰۰۵م،ط۳، ج ۲۸، ص ۳۴۳۔ الزیلعی،فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي۔تبيين الحقائق شرح القاہرہ: دار الکتب الاسلامی،۱۳۱۳ھ۔ ج ۳ ص ۲۰۸۔ عودۃ، عبدالقادر، التشریع الجنائی الاسلامی۔ ج ۱ ص ۱۲٦، ج ۱ ص ۱۲٦۔

75۔ الماوردی،أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي۔ الاحکام السلطانیۃ۔القاہرہ: دارالحدیث۔ت ن۔ ج ۱ ص ۴۷۷۔الکاسانی، بدائع الصنائع۔ ج ۷ ص ٦۳۔ درویش، محمد بن درویش، اسنی المطالب۔ ج ۴ ص ۱٦۱۔

76۔ عودۃ، عبدالقادر، التشریع الجنائی الاسلامی۔ ص ۱۲۸۔

77۔ **الحجرات۴۹: ۱۲**

78۔ **الانعام: ۱۵۳**

79۔ الماوردی، الاحکام السلطانیۃ۔ ج ۱ ص ۳۲۳۔

80۔ ابن فرحون، تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیۃ ومناھبح الاحکام،القاہرۃ: المکتبۃ الازہریۃ، ۱۴۰٦ھ، ۱۹۸٦م،ج ۲ ص ۱۴۲۔

81۔ لجنۃ العلماء، الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ۔ ج ۱٦ ص ۲۸٦۔

82۔ ابوداؤد، سنن ابی داؤد,کتاب القضاء، باب فی الحبس فی الدین، ح ٣٦٣٠۔

83۔ الرعینی، الحطاب، شمس ابوعبداللہ محمد بن محمد۔ مواهب الجیل، بیروت: دارعالم العربی، ۱۴۲۳ھ، ۲۰۰۳م۔ ج ۳ ص ۳۵۰۔ الدردیر، ابوالبرکات احمد بن محمد، الشرح الکبیر۔ ج ۱۰ ص ۳۴۷۔ ابن عابدین،محمد امین بن عمربن عبد العزیزعابدین،حاشیۃ ابن عابدین۔بیروت: دار الفکر۔۱۴۱۲ھ۔۱۹۹۲م۔ج ۳ ص ۲۵۱۔

84۔ ابن قدامہ، المغنی۔ ج ۱۰ ص ٢٦٦۔ : شيخ الإسلامزكريا الأنصاري ۔أسنى المطالب في شرح روض الطالب،بیروت: دار الكتب العلمية۔۱۴۲۲ھ۔۲۰۰۰م،ط۱۔ ج ۴ ص ۱۶۲۔

85۔ ابن القيم ،محمد بن أبي بكر أيوب الزرعي أبو عبد الله ابن القيم الجوزية،إعلام الموقعين عن رب العالمين ،بیروت: دار الجیل،۱۹۷۳م۔ ج ۲ ص ۲۲۱۔ الانصاری۔ اسنی المطالب۔ ج ۴ ص ۱۶۲۔

OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AOU)
ISSN (Print): 1992-8556
mei.aiou.edu.pk
iri.aiou.edu.pk

بینکاری کا تعارف، اسلامی بینکاری کی ضرورت واہمیت اور پاکستان میں اس کا مستقبل

(Introduction of Banking, Need and importance of Islamic banking and its future in Pakistan)

***نور احمد خان ڈھڈی**

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامیات، نمل یونیورسٹی، اسلام آباد

****ڈاکٹر علی اصغر چشتی**

پروفیسر/چیئرمین شعبہ حدیث وسیرت، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ABSTRACT

Archaeology from the ancient World shows that the conventional banking is evolved from usury based money lending(مہاجنی)business. It was imitated by the Jews in the 14th century in Italy but the Christen involved in it in 16th century. Due to a number of important innovations the size of this business has dramatically increased throughout the Globe and it occupied a very important place in modern busy and tidy life. Many severe financial crises faced by it provoked a debate to search out new alternatives. The Muslim community never welcomed this Raba based business and was in favour of its Islamization. Therefore, experiments on Interest-Free Banking were made throughout the Islamic World which lead to establish Islamic Banking. Now, these institutions are seen everywhere in the world. Pakistan Islamized the banking system in 1980s but the Supreme Court of Pakistan declared it un-Islamic in 1999 and called upon the government to Islamize the economy immediately. So, Islamic banking was re-started in 2002. Since then, it is spreading with more than 25% growth rate and has occupied more than 10% market share inspite of it is facing some important challenges i.e. competing parallel huge conventional banking, the deficiency of trained Islamic professionals, disharmony among Ulema regarding its operations/ products, deficiency of awareness about this industry etc. As these problems will be rectified a rapid growth of these Institution shall be achieved. Therefore, future of Islamic banking seems to be very bright in Pakistan. This research article comprises of a brief introduction of conventional banking, its types, products and services etc. It also include a brief introduction of Islamic Banking, its products and its importance. The article is concluded with its spreading aspects and future growth expectations in Pakistan.

Key words: Bank, Islamic, Financial, Banking, conventional

بینک اور بینکاری کا مفہوم

بینک (Bank) انگریزی زبان کا لفظ ہے جو فرانسیسی لفظ Banque سے ماخوذ ہے-دراصل یہ قدیم اطالوی لفظ Banca اور قدیم اعلی جرمن زبان کے لفظ Benc سے مستعار لیا گیا ہے-اس کا لغوی مفہوم ڈیسک، بینچ یا میز ہے-اٹلی کی نشاط ثانیہ کے دوران فلورینٹائن[1] شہر میں زر مبادلہ کے کاروبار سے وابستہ افراد کاؤنٹر کو سبز کپڑے سے ڈھانپے ہوئے بینچ پر سجاتے تھے اور اسی نسبت سے اس کاروبار کو بینکاری[2] جبکہ اس کاروبار سے منسلک افراد کو بینکار[3] کہا جانے لگا-[4] بینک مالیاتی ثالث کے طور پر ڈپازٹ وصول کرتا ہے اور قرض کے توسط سے کھلی منڈی میں براہ راست یا بالواسطہ سرمایہ کالین دین کرتا ہے، یا پھر مختلف قسم کے کاروباروں میں اس (سرمایہ) کو استعمال میں لاتا ہے-دراصل یہ زائد سرمایہ کے حامل گاہکوں اور سرمایہ کے ضرورت مند گاہکوں[5] کے درمیان ثالث کی خدمات سرانجام دیتا ہے[6]- دور حاضر میں بینک رقوم کی وصولی کیلئے حکومت سے لائسنس یافتہ ہوتے ہیں اور عموماً کمرشل یا انوسٹمنٹ طرز پر مرکزی بینک کے قواعد وضوابط کے مطابق کام کرتے ہیں-ان پر ابتدائی سرمایہ لگانے والے افراد یا ادارے، ان کے مالک ہوتے ہیں- صارفین مختلف کھاتوں میں یہاں رقوم جمع کرواتے ہیں جنہیں ان رقوم پر کم شرح سے سود ادا کیا جاتا ہے-بینک اس سرمایہ کو زیادہ شرح سود پر قرض دے کر منافع کماتے ہیں- چنانچہ ان کی آمدنی کا اہم ترین ذریعہ وصول شدہ سود ہوتا ہے گو کہ دیگر وظائف وخدمات پر وصول شدہ فیس بھی ان کی آمدن کا ایک اہم جزو بنتی ہے-[7] بینکاری ایکٹ سنگاپور[8] کےمطابق بینکاری سے مراد ایسا کاروبار ہے جس میں کرنٹ یا ڈپازٹ اکاؤنٹ میں رقوم کی وصولی کے علاوہ گاہکوں[9] کے چیکوں کی ادائیگی ووصولی کی جاتی ہے اور ضرورت ہو تو گاہکوں کو پیشگی رقوم کی ادائیگی بھی کی جاتی ہے-بینکاری میں دیگر ایسے کاروبار بھی شامل تصور کئے جاتے ہیں جو اس ایکٹ کے مقاصد پر پورا اترتے ہوں اور اتھارٹی نے ان کی اجازت دے رکھی ہو-ہانگ کانگ بینکاری آرڈیننس[10] کےمطابق بینکاری میں کوئی ایک یا دونوں معمول شامل ہوں گے: اول گاہک سے کرنٹ، ڈپازٹ، بچت یا دوسرے مشابہہ اکاؤنٹ سے رقوم وصول کرنا جن کی دوبارہ ادائیگی مطالبہ پر یا (تین ماہ) سے کم عرصہ میں کی جانا ہو----یا پھر اس سے کم مدت کے نوٹس پر کی جاتی ہو-دوئم گاہک یا ان کی طرف سے چیکوں کی ادائیگی اور وصولی کرنا ہو-

مالیاتی اداروں کی اقسام اور ان کا باہمی فرق

بینکاری کا ایک مالیاتی ادارے[11] کی حیثیت سے آغاز زرعی قرضوں کے اجراء سے ہوا-البتہ رقوم واشیاء کی باحفاظت منتقلی جیسے وظائف کے اضافہ سے اس کو استحکام حاصل ہوا-اس کاروبار کو بہت زیادہ اہمیت اس وقت حاصل ہوئی جب بڑی صنعتوں کے قیام اور ریاستوں کی قومی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے بڑی رقوم کی فراہمی

ایک مسئلہ بن گئی تو بینکوں نے مختلف ترغیبات سے سرمایہ کی فراہمی کا یہ کام ممکن الحصول کر دکھایا-اس کاروبار کو اب تیزی سے دسعت حاصل ہوتی گئی-چنانچہ اسے بہتر انداز میں چلانے کیلئے مزید اختصاص کے حامل معاون مالیاتی اداروں (مثلاً انوسٹمنٹ، ٹرسٹ، بیمہ کمپنیوں وغیرہ) کی ضرورت پڑی-یہ مالیاتی ادارے زیادہ تر قرض، سٹاک، بانڈز، رہن، کرایہ داری یا لیزنگ، بیمہ پالیسی وغیرہ میں لوگوں کا سرمایہ لگانے لگے-یہ ادارے حجم میں بینکوں سے کم مگر تعداد کے اعتبار سے زیادہ ہوتے ہیں-اس کے علاوہ نوعیت و ساخت اور دائرۂ کار کے حوالے سے مختلف ممالک کے مالیاتی و لوکل حالات، تنظیمی ڈھانچے، وظائف کی انجام دہی اور ملکی قوانین کے اختلاف کے باعث بھی یہ مالیاتی ادارے کئی اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں-اس کے باوجود انہیں درج ذیل بنیادوں پر باہم ممیّز و ممتاز کیا جاسکتا ہے:

1-کریڈٹ یونین (Credit Union): باہمی تعاون بنیاد پر کام کرنے والے یہ ادارے ارکین کی ملکیت ہوتے ہیں جو باہم منافع میں شرکت کرتے ہیں-ان کے مالکان ایسے لوگ اور گروہ ہوتے ہیں جو جغرافیائی کمیونٹی، مذہبی یا ثقافتی پس منظر کے حوالے سے منظّم ہوں-یہ ادارے عموماً صوبائی حکومتوں کے تحت کام کرتے ہیں-[12]

2-ٹرسٹ کمپنیاں(Trust Companies): یہ مالیاتی ادارے دوسرے افراد یا اداروں کے اثاثہ جات کا بطور متولی انتظام سنبھالتے ہیں- یہ رقوم کی وصولی کے علاوہ مارٹ گیج، چیکنگ اکاؤنٹس اور قرض جیسی سہولیات بھی فراہم کرتے ہیں-گویا وفاقی ادارے کی حیثیت سے یہ بینک سے مماثل بعض مالیاتی کام بھی سرانجام دیتے ہیں-[13]

3-**بیمہ کمپنیاں**: شروع میں بیمہ کا کام بینکوں میں ہوتا تھا مگر کاروبار میں تنوع آجانے سے اس کام کی ادائیگی کیلئے مخصوص ادارے وجود میں آگئے جنہیں بیمہ کمپنیز کا نام دیا گیا-اس کاروبار میں اب اشیاء کے بیمہ کے علاوہ انسانی ضرورت کی ہر چھوٹی بڑی چیز مثلاً صحت، بچوں کی شادی، تعلیم، انسانی اعضاء وغیرہ کا بیمہ بھی ہوتا ہے-[14]

4-**میچوئل فنڈز** (Mutual Funds): کئی سرمایہ کار مل کر ایک ایسے فنڈز کا (pool) بناتے ہیں جسے سٹاکس، بانڈز، نقود کی مارکیٹ یا دوسرے مماثل اثاثہ جات میں سرمایہ کاری پر لگایا جاتا ہے-اس فنڈ کو (money manager) چلاتے ہیں جو عموماً مروجہ بینک ہوتے ہیں -اس کا منافع شرکاء میں سرمایہ یونٹس کے مطابق تقسیم کردیا جاتا ہے-[15]

بینکاری کی انواع واقسام

بینکاری نے وقت اور مصالح کی بنیاد پر کئی نئے وظائف و خدمات کا اپنا حصہ بنانا شروع کردیا جن سے بینک مالکان کو نہ صرف گاہکوں کو بہتر انداز میں راغب کرنے کے مواقع ملے بلکہ اس کاروبار کو وسعت اور تنوع بھی حاصل ہوا-جدید سائنسی ترقی اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے دخول کی بنا پر بینکاری کو درج ذیل اقسام میں منقسم کیا جاتا ہے:

1- ریٹیل بینکاری (Retail Banking): اس بینکاری کے وظائف و خدمات سے عام شہری با آسانی استفادہ کرسکتے ہیں کیونکہ ریٹیل بینک دیگر بینکوں، کارپوریشنوں اور کمپنیوں سے بہت ہی کم لین دین کرتے ہیں-[16] عام لوگوں یا چھوٹے کاروباری افراد سے براہ راست معاملات کرنے کی وجہ سے اسے Consumer Banking بھی کہا جاتا ہے-[17]

2- کاروباری بینکاری (Business Banking): اس طرز بینکاری سے کاروباری افراداور اداروں کے علاوہ کمپنیز کو خصوصی وظائف کی دستیابی ممکن بنائی جاتی ہے مثلاً قرض کی فراہمی، رقوم رکھوانے اور بچت جیسی خدمات مہیا کی جاتی ہیں- مخصوص بینکاری وظائف و خدمات کے باعث یہ بینک اپنی علیحدہ شناخت کے حامل ہوتے ہیں-

3- وسیع تجارتی بینکاری (Corporate Banking): اس کے زیادہ تر گاہک کارپوریٹ ادارے ہوتے ہیں[18] گلاس سٹیگال ایکٹ[19] کے ذریعے کمرشل بینکاری کی جگہ کارپوریٹ بینکاری کا آغاز کیا گیا-اس میں سرمایہ بہت حد تک غیر محفوظ ہونے کی بنا پر وظائف وخدمات کی دستیابی کے قوانین کارپوریشنوں کے نقطۂ نظر سے بنائے جاتے ہیں-[20]

4- نجی بینکاری (Private Banking): بہت زیادہ آمدنی والے افراد یا خاندانوں کو دولت کی تنظیم کیلئے بینکاری کی یہ سہولت دستیاب کی جاتی ہے-اس کیلئے کم از کم سرمایہ کی حد پچاس ہزار سے پانچ لاکھ امریکی ڈالر ہے[21]-

5- سرمایہ کارانہ بینکاری (Investment Banking): اس میں افراد، کارپوریشنوں اور حکومتوں کو ضمانتوں پر کیپیٹل مہیا کیا جاتا ہے[22] یا بطور وکیل سیکیورٹی کا اہتمام کیا تا ہے یا دونوں کام سرانجام دیئے جاتے ہیں-[23]

6- یک دفتری بینکاری(Unit Banking): حکومت کسی بینک کو محدود کردے[24] یا اس کی شاخیں کم ہوں تو یہ ہیڈ کوارٹر میں یا دیگر بینکوں سے کارپوریٹ تعلق سے بینکاری سرانجام دے تو یونٹ بینکاری کہلاتی ہے-[25]

7- شاخ جاتی بینکاری (Branch Banking): اس بینکاری کا آغاز انگلینڈ سے ہوا-اس میں بینک کا نیم خود مختار صدر دفتر قواعد و ضوابط جاری کرتا ہے جن کے تحت تمام شاخیں اپنے معمولات انجام دیتی ہیں-[26]ان بینکوں کی شاخوں کا جال (network) عموماً ملکی و بین الاقوامی سطح پر ہوتا ہے-عالمی سطح پر اس بینکاری کو 1920 سے پزیرائی ملی-[27]

8- مخلوط بینکاری: جب بڑے بینک محدود ہوں تو مختلف بینک باہم مل کر جال (network) قائم کر لیتے ہیں-ان میں سے کچھ بینک تو قومی سطح پر رہ کر کام کرتے ہیں جبکہ باقی بینک مقامی یا علاقائی سطح پر کاروبار کرتے ہیں[28]

9- ڈاک بینکاری (Mail banking):اس میں ڈاک کے ذریعے deposits ہوتے ہیں اور الیکٹرانک میل ٹرانسفر (EMT) سے رقوم کی منتقلی ہوسکتی اور یہ کام الیکٹرانک نوٹیفکیشن کے ذریعے سرانجام پاتا ہے-

10- موبائل بینکاری(Mobil Banking):اس بینکاری کے وظائف سرانجام دینے کیلئے ایس ایم ایس پیغامات، موبائل ویب کیلئے(Android)،آئی فون یا (Blackberry devices) استعمال ہوتے ہیں- گھر سے دور جہاں کمپیوٹر کی سہولت میسر نہ ہو تو وہاں بھی اس بینکاری کے توسط سے اکاؤنٹ بیلنس کی نگرانی، کھاتوں کے درمیان رقوم کی منتقلی، بلوں کی ادائیگی اور اے ٹی ایم کا تعین کیا جاسکتاہے-یہ بینکاری ہر جگہ اور ہر وقت دستیاب ہوتی ہے-

11- آن لائن بینکاری(Online Banking): بینکاری کے وظائف انٹرنیٹ کے ذریعے سرانجام پانے کی بنا پر اسے انٹرنیٹ یا ویب بینکاری بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ رقوم کا جمع کرنا، منافع کی ادائیگی اور بلوں کی وصولی وغیرہ-

12- ٹیلیفون بینکاری(Telephone Banking): اس میں گاہک مطلوبہ سہولت کیلئے ٹیلیفون آپریٹر سے درخواست کرتا ہے جسے بینک خودکار Attendant سے دستیاب کرتا ہے مثلاً بیلنس معلومات، رقوم کی منتقلی وغیرہ-

13- وڈیو بینکاری (Video Banking): یہ بینکاری اے ٹی ایم مشین سے مماثل مشینوں سے دور بیٹھے وڈیو کانفرنس سے لیس بینک کی شاخ سے انجام پاتے ہیں-اس میں فیس ٹو فیس گفتگو کی سہولت بھی دستیاب ہوتی ہے-

بینکاری کے معیاری قرض اور سرمایہ کاری کے قرض آلات

بینکوں میں مالکان کا ذاتی سرمایہ بہت کم ہوتا ہے مگر وہ بینکاری کی مختلف ترغیبات سے عامۃ الناس کو متوجہ کر لینے کی بنا پر بینک کے سرمایہ میں کئی گنا اضافہ کر لیتے ہیں-مروج بینکوں کی آمدن کا بڑا حصہ قرض پر حاصل ہونے والے سود پر مشتمل ہوتا ہے-اب کئی انواع کے قرض رائج ہو چکے ہیں جن میں سے درج ذیل زیادہ اہم ہیں-

پرسنل لون (Personal Loans): یہ قرض ذاتی استعمال کیلئے دیا جاتا ہے مثلاً میڈیکل، بچوں کی تعلیم، گھریلو ضرویات کیلئے وغیرہ-قرض کو محفوظ بنانے کیلئے رہن اور ضمانت کا طریق کار اختیار کیا جاتا ہے-[29]

1- ایکوئیٹی لون (Equity Loans): گاہک کو یہ قرض اثاثہ پر ثانوی رہن کے عوض دیا جاتا ہے-یہ قرض ڈوبنے سے محفوظ رہتا ہے اور اس پر شرح سود کو ایڈجسٹ کیا جا سکتا ہے-یہ قرض دو طرح کا ہوتا ہے مثلاً اوپن اینڈ میں قرضدار جب قرض ادا کر دیتا ہے تو مذید قرض لے سکتا ہے جبکہ کلوز اینڈ، میں مزید قرض نہیں لے سکتا-[30]

2- کاروباری لون (Business Loans): کاروباری قرض کی بنا پر یہ کمرشل لون بھی کہلاتا ہے-اس پر نسبتاً کم قدغنیں ہوتی ہیں اور قرض دہندہ کو کچھ مزید فوائد دیئے جاتے ہیں تاکہ اس کی کاروباری لاگت کم ہو سکے-

3- ٹرم لون (Term Loans): عام طور پر یہ آمدن پیدا کرنے والے اثاثوں، مثلاً مشین و آلات وغیرہ خریدنے کیلئے ورکنگ کیپٹل کے طور پر دیئے جاتے ہیں تاکہ قرض کی ادائیگی کیلئے رقوم کا بہاؤ ممکن بنایا جا سکے-متبدل شرح سود کے اس قرض کی مدت ایک سے دس سال ہوتی ہے جس کی ادائیگی طے شدہ شیڈیول کے تحت انجام پاتی ہے-[31]

4- مارٹ گیج (Mortgage): اس (debt instrument) کی ڈیٹ ہولڈر معاہدہ کے مطابق ادائیگی کی ذمہ داری لیتا ہے-قرض خواہ کے پاس قرضدار کا اثاثہ رہن ہونے کی وجہ سے اسے مارگیج لون کہا جاتا ہے-[32]

5- میزانائن فنانسنگ (Mezzanine Financing): اس قرض (instrument) کو عموما کمپنیوں کی توسیع کیلئے (Financing) کی غرض سے استعمال کیا جاتا ہے-اس میں قرض دار بروقت یا مکمل قرض ادا نہ کرسکنے کی صورت میں قرض دہندہ کو حق دیتا ہے کہ وہ ڈیٹ کیپٹل کو ملکیت یا ایکوئیٹی مفاد میں تبدیل کرلے-

6- پراجیکٹ فنانسنگ (Project Financing): یہ سرمایہ کاری مختلف اثاثوں کا مجموعہ ہوتی ہے جس میں قرض کی ادائیگی کا انتظام پراجیکٹ مکمل ہونے پر نقود کے بہاؤ پر منحصر ہوتا ہے-[33]

7- گردشی کریڈٹ (Revolving Credits): اس قرض میں بینک و کمپنی یا فرد و ادارے کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے جس میں ایک خاص قرض کی دستیابی کا معاہدہ کیا جاتا ہے جسے قرض خواہ (بینک یا کمپنی) قرض دار (فرد یا ادارے) کو مطالبے پر ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے[34] جبکہ بینک و کمپنی قرض کی زیادہ سے زیادہ حد متعین کردیتا ہے-[35]

بینکاری کے معیاری وظائف وخدمات

جدید سائنسی ایجادات اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے دخول سے بینکوں کے معمولات کی انجام دہی میں سرعت کے ساتھ ان کے وظائف کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا ہے[36] جن میں سے درج ذیل زیادہ اہم ہیں-

1-کرنٹ اکاؤنٹ (Current Account): یہ سہولت بلا سود یا بہت کم شرح سود پر مہیا کی جاتی ہے- کھاتہ

دار کسی بھی وقت چیک یا دیگر طریقوں سے اپنی رقم وصول کرسکتا ہے- فقہی اصطلاح میں یہ بینک کے نام قرض ہوتا ہے- مقابلے کی فضا میں کئی بینک ان کھاتوں کی رقوم پر رعائتی سود کے علاوہ دیگر خدمات مفت مہیا کررہے ہیں-[37]

2-سیونگ اکاؤنٹ (Saving Account): اس اکاؤنٹ[38] پر گاہک کو مناسب شرح پر سود ملتا ہے جبکہ محدود سطح تک اسے رقوم کی منتقلی کی اجازت بھی ہوتی ہے-اس میں عموما اختتامی مدت یا کم سے کم بیلنس کی حد نہیں ہوتی-

3-ٹائم ڈیپازٹس: ان مخصوص مدتی ڈپازٹس پر بچت کھاتہ کی نسبت زیادہ سود ادا کیا جاتا ہے-ان رقوم کو نکالنے کیلئے مدت کا تعین ہوتا ہے-ان ڈپازٹ کے عوض اسناد جاری کی جاتی ہیں جو ضمانتوں میں استعمال ہوسکتی ہیں-[39]

4- منی مارکیٹ اکاؤنٹ (Money Market Account): اس کھاتہ میں کم از کم بیلنس کی حد کے علاوہ ماہانہ سطح پر محدود چیکوں کی پابندی ہوتی ہے۔اس پر متبدل شرح سے سود ادا کیا جاتا ہے جو بچت اکاؤنٹ سے زیادہ ہوتا ہے۔ بینک سے فنڈز نکالنے پر عموما قدغن نہیں ہوتی مگر مخصوص حد سے بیلنس کم ہو تو بینک شرح سود کم کر دیتا ہے۔[40]

5- فرد کی ریٹائیرمنٹ کا اکاؤنٹ (Individual Retirement Account): ریٹائرمنٹ کیلئے بچت کی منصوبہ بندی کیلئے۔اس پر ٹیکس مراعات دی جاتی ہیں۔اس میں (Traditional) اور منقسم اکاؤنٹ زیاد معروف ہیں۔

6- چیک بکس (Cheque Book): چیک دراصل بینک کا شائع کردہ فارم ہوتا ہے جس پر کھاتہ دار بینک کو اپنے لئے یا کسی شخص یا ادارے کو اپنے کھاتہ سے ادائیگی کا حکم یا کراس چیک کے توسط رقم جمع کرنے کا حکم دیتا ہے۔

7- مختلف کارڈ: کریڈٹ کارڈ پر بینک ایک گردشی بیلنس کے ذریعے کارڈ ہولڈر کیلئے اشیاء وخدمات کے عوض تیسری پارٹی کو ادائیگی کر دیتا ہے اور اس پر سود وصول کرتا ہے۔[41] چارج کارڈ کا رکھنے والا ایک مہینے تک بلا سود رقم استعمال کرتا ہے اور مہینے کے اختتام پر اسے تمام رقم جمع کروانی ہوتی ہے ورنہ اس پر سود لگا دیا جاتا ہے۔[42] ڈیبٹ کارڈ ہولڈر اپنی جمع شدہ رقم کو ادائیگی کیلئے استعمال کرتا ہے اور ان پر سود ادا نہیں کرنا پڑتا۔[43]

10- اے ٹی ایم مشین (Automated Teller Machine): ان کے ذریعے اکاؤنٹ ہولڈر اپنے کھاتہ سے کارڈ کی مدد سے ایک خاص رقم کسی وقت بھی نکال سکتا ہے جس پر خدمت کے عوض فیس منہا کر لی جاتی ہے۔[44]

11- کال سینٹر (call centre): اس میں بینک معاملات ٹیلفون کال سے انجام دیتا ہے۔اکاؤنٹ ہولڈر اپنے کھاتہ سے متعلق ایام کار میں چوبیس گھنٹے مفت معلومات حاصل کر سکتا ہے اور ضروری ہدایات بھی دے سکتا ہے۔

12- تجارتی مراکز (business-centres): بینک مصروف کاروباری مقامات میں کھاتہ داروں کو وظائف وخدمات کی دستیابی کیلئے اپنی شاخیں یا مراکز قائم کرتے ہیں جنہیں تجارتی مراکز یا بزنس سنٹرز کہا جاتا ہے۔

13- کسٹمر ریلیشن شپ مینیجر (Customer Relationship Manager): بینک اپنے کاروبار کو

بڑھانے اور مقبول عام بنانے کیلئے زیادہ تر پرائیویٹ یا کاروباری حضرات کیلئے ان مینجرز کا تعین کرتے ہیں۔یہ مینیجر گاہکوں کے گھر یا کاروبار کے مقامات پر مل کر ان کی ضرورتوں کا اندازہ لگا کر پراڈکٹس اور خدمات کی دستیابی ممکن بناتے ہیں۔

بینکاری کو درپیش خطرات کی تنظیم کاری

خطرے کی شناخت، تجزیہ اور کنٹرول یا کم کرنے یا ختم کرنے کی منصوبہ بندی کو (Risk Management) کہا جاتا ہے۔بینکوں میں سرمایہ کے استعمال کا متعین طریقہ ہوتا ہے[45] جس میں سرمایہ کاری کی تنظیم سازی کے وقت مد نظر رکھا جاتا ہے مثلا (Cash Management)[46] میں لاگ بکس، ریموٹ ڈیپازٹس کیپچر جیسے امور کا خیال رکھا جانا۔اس طرح آمدن کی وصولی، نقود اور اثاثہ جات کو سرمایہ کاری میں شامل کیا جاتا ہے تاکہ گردش دولت و اشیاء کا عمل جاری رہے[47] اور منافع کے امکانات کو بڑھایا جائے[48] جبکہ قرض کی عدم واپسی کے رسک کو بیمہ سے کم کیا جاتا ہے۔گاہکوں کے اعتماد کیلئے بینک سرمایہ کا ایک حصہ نقود کی شکل میں محفوظ رکھا جاتا ہے اور حادثاتی صورتحال کیلئے بینک ایسے اثاثہ جات خرید لیتے ہیں جو قابل ذکر گروتھ کے ساتھ جلد فروختگی کی اہلیت رکھتے ہوں[49]۔ مارکیٹ اور حقیقی خریداری قیمت کے فرق کو (Capital Growth) کہا جاتا ہے۔[50] بینک کو درج ذیل خطرات کا سامنا ہو سکتا ہے[51]۔

1-**کریڈٹ رسک**: قرض دہندہ (بینک) کا یہ نقصان قرضدار کی نادہندگی یا معاہدے کے مطابق ادائیگی نہ کر سکنے کے باعث لاحق ہوتا ہے۔یہ رسک اس وقت زیادہ ہوتا ہے جب قرض دار رقوم کو آگے چلانا شروع کر دیتا ہے۔

2-**لیکوایڈٹی رسک**: اس خطرے کا تعلق ایسے اثاثے یا سیکیورٹی سے ہوتا ہے جسے حادثاتی نقصان سے بچنے یا مناسب منافع کیلئے مارکیٹ میں لایا جائے مگر سرعت سے فروخت نہ ہو سکے۔

3-**مارکیٹ رسک**: اس کا تعلق مارکیٹ کے دباؤ سے سرمایہ کاری یا تجارتی پورٹ فولیو کی مالیت میں کمی بیشی سے ہوتا ہے جو مارکیٹ پر اثر انداز ہونے والے عوامل سے وقوع پزیر ہوتی ہے۔

4-**آپریشنل رسک**: یہ رسک بینکاری کے کاروبار کے عملی آغاز کے ساتھ ہی معرض وجود میں آجاتا ہے۔

5-**شہرت رسک**: اس کا تعلق بینکاری کی اچھی شہرت اور اعتماد کی فضا سے ہوتا ہے۔

6-**میکرو اکنامک رسک**: اس رسک کا تعلق ان مجموعی معاشی حالات سے متعلق ہوتا ہے۔

اسلامی بینکاری کا مفہوم اور ضرورت و اہمیت

اسلامی بینکاری کو انگریزی میں Islamic banking جبکہ عربی میں 'المصرفیۃ الاسلامیہ' سے موسوم کیا جاتا ہے۔ فقہ اسلامی میں مروجہ بینکاری کی نظیر نہیں ملتی مگر جمہور علماء کے نقطۂ نظر سے اسلامی معیشت کے

اصولوں میں اس قدر وسعت اور گنجائش موجود ہے کہ مروجہ بینکاری کو اسلام کے سانچے میں ڈھال کر اسلامی بینکاری کا قیام عمل میں لایا جا سکتا ہے۔ان علماء کی رائے میں اسلامی بینکاری سے مراد بینکاری کا ایسا نظام ہے کہ جس میں بینکاری کے تمام امور و معمولات اسلامی شریعہ کے مطابق انجام پذیر ہوں۔چنانچہ اس نظام بینکاری میں بینک اور گاہک کے درمیان طے پانے والے معاہدات و معاملات کی انجام دہی کیلئے لازم ہے کہ ان کی تکمیل میں شریعت کے اصولوں کی پاسداری کی گئی ہو۔[52] یا پھر اس مراد ایسا نظام بینکاری ہے جو اسلام کے فلسفہ و ثقافت اور اسلامی اقدار سے ہم آہنگ ہو۔اس میں طے پانے والے امور و معمولات اسلامی شریعہ کے اصول و ضوابط کے ماتحت و تابع ہوں اور اسے درپیش خطرات و تنظیم سازی کیلئے عصر حاضر کے مروجہ اچھی حکمرانی کے اصولوں کو استعمال کیا گیا ہو۔[53]

انسانی معاشرے میں ارتقائی عمل[54] سے گزرنے کے بعد مروجہ بینکاری مالیاتی لین کیلئے اہم ترین ضرورت کا درجہ اختیار کر چکی ہے۔اس اہم کاروبار کے کثیر جہتی وظائف وخدمات کے باعث اب کسی بھی شخص کیلئے بینکوں کے بغیر کاروبار اور لین دین کرنا انتہائی مشکل ہوگیا ہے بالخصوص نائن الیون کے بعد عالمی مالیاتی لین دین کو بینکوں کے توسط سے انجام دینا مجبوری بنا دیا گیا ہے۔اب بینکاری قوانین میں اس قدر سختی لائی جاچکی ہے کہ اپنے خالص اثاثوں کے انتقال پر بھی بعض دفعہ کئی غیر متوقع سوالات کے جوابات دینے پڑتے ہیں۔مزید براں آج کے پر فتن حالات میں اپنی بچت یا زائد رقم کی حفاظت، انتقال، وصولی اور دیگر لین دین میں بینک محفوظ ترین مقامات ہیں بالخصوص بین الاقوامی تجارت کے حوالے سے کوئی تاجر اب بینکوں سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔اس کے علاوہ یہ بینک منتشر بچتوں کو جمع کر کے انہیں قومی ترقی میں لگانے کا اہم ذریعہ ہیں۔گویا اب بینک کے بغیر زندگی کا تصور ناممکن نہ سہی تو مشکل ترین ضرور بن چکا ہے۔اس پس منظر میں اسلامی بینکاری مسلمان معاشروں کی بہت بڑی ضرورت بن کر سامنے آئی ہے۔اسلامی نقطۂ نظر سے مروجہ بینکاری میں کئی قباحتیں پائی جاتی ہیں جن کو دور کئے بغیر اسلامی بینکاری کا وجود ممکن نہیں ہے کیونکہ بلا سود بینکاری اور اسلامی بینکاری باہم ایک شے نہیں ہیں بلکہ مؤخر الذکر کا مفہوم کہیں وسعت کا حامل ہے[55]۔

مروجہ بینکاری کے سلبی پہلوؤں کے باوجود اس کی عملی اہمیت کے پیش نظر علماء اسلام نے کئی شرعی تحفظات کے ہوتے ہوئے بھی عوام الناس کو حرج سے نکالنے کیلئے بینکوں سے مشروط انداز میں کرنٹ اکاؤنٹ کے ذریعے معاملات کرنے کا فتوی دیا۔مروجہ بینکاری کے انسانی زندگی میں بڑھتے ہوئے دخول کے پیش نظر علماء و مفکرین اسلام نے اس کے اسلامی متبادل کیلئے کام شروع کر دیا جس کو عالم اسلام کے اکثر دینی حلقوں میں تحسین کی نگاہ سے دیکھا گیا۔چنانچہ پاکستان سمیت تمام اسلامی ریاستوں کے معرض وجود میں آنے کے بعد امید واثق تھی

کہ اس سمت میں عملی پیش رفت میں نہ صرف مزید آسانیاں ہوں گی بلکہ یہ کام انتہائی سرعت سے آگے بڑھایا جائے گا۔استعمار سے آزادی کے باوجود اب تک کسی بھی مسلمان ریاست نے حکومتی سطح پر اقامت دین کے احیاء کی کوشش نہیں کی جس کی بنا پر کوئی مسلم ملک صحیح معنوں میں اسلامی ریاست نہیں بن سکا۔ یہاں نہ صرف استعماری نظام کی باقیات کا تاحال خاتمہ نہیں کیا جاسکا بلکہ اس عدم توجہی کے باعث عالم انسانی میں کہیں بھی صحیح اسلامی معاشرے کے خدوخال کا مشاہدہ نہیں کیا جاسکتا۔

اس تناظر میں عالم اسلام کے جمہور علماء [56] نے اس کام کا بیڑہ اٹھایا۔ان کے سامنے فقط تین راستے رہ گئے تھے [57]، یہ کہ خود کو اس نظام سے الگ تھلگ کرلیں، یہ کہ اسی نظام کا حصہ بن کر اسے خوش آمدید کہہ دیں اور یہ کہ انسانی زندگی میں اس کے دخول کے پیش نظر حرج کو دور کرنے کیلئے اس کا متبادل نظام وضع کریں۔ درحقیقت پہلی صورت کو اسلام کے آفاقی و حرکی مزاج سے فرار ہے [58] جبکہ دوسری بات مسلمانوں کے اعتقاد سے میل نہیں کھاتی [59]، البتہ آخری صورتحال اسلام کے مزاج سے مطابقت رکھتی ہے کیونکہ اسلامی معاشی اصولوں سے اس کا حل ممکن تھا [60] جس سے نہ صرف مسلمانوں کی معاشی ضروریات کی تکمیل ممکن تھی بلکہ انہیں اللہ تعالی اور رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ کی کیفیت سے بھی نکالا جاسکتا تھا۔تاریخ شاہد ہے کہ سود انسانی معیشت و معاشرت کیلئے زہر قاتل رہا ہے۔ اسلام نے اسے فقط حرام ہی قرار نہیں دیا بلکہ تجارت کی صورت میں اس کا نعم البدل بھی دیا ہے [61]۔ اسلامی نقطۂ نظر سے جہاں زنا کا عموم معاشرتی بگاڑ کا اظہار ہے وہیں سود کا رواج اقتصادی بگاڑ کا مظہر ہے [62]۔ مروجہ بینکاری ایک اہم ترین ضرورت کا مقام حاصل کرچکی ہے ۔بینکوں کا ایک اہم وظیفہ لوگوں کی متفرق بچتیں جمع کرنا ہے جسے ملک کی صنعت و تجارت میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ [63] گویا مروجہ بینکاری میں فقط سودی لین دین حرام و مضر ہے [64]۔ جمہور علماء کے نقطۂ نظر سے وہ اس اہم جدید کاروبار کا اسلامی متبادل دینے کے مکلّف ہیں تاکہ مروجہ بینکاری کو سود سے نکال کر شراکت و مضاربت پر لایا جائے [65] اور جدید نسل کو اس وہم باطل سے بچایا جائے کہ اسلام عصر حاضر کی مشکل کشائی سے قاصر ہے۔ [66] بلاشبہ فقہ اسلامی کا عظیم ذخیرہ [67] اس کا متبادل دینے کی بدرجہ اتم صلاحیت رکھتا ہے، کیونکہ 1400 سال پہلے مشارکہ و مضاربہ اور قرض حسنہ پر مبنی اسلامی بینکاری کے حقیقی ماڈل سے عالم انسانی متاثر ہوئی۔ [68] درحقیقت خلافت راشدہ میں قائم ہونے والا بیت المال آج کے مرکزی بینکوں سے زیادہ وسیع وظائف و خدمات کا حامل تھا [69]۔

اسلامی بینکاری میں فنانسنگ کے اہم آلات

اسلامی بینک کئی پراڈکٹس اور خدمات مہیا کررہے ہیں جن میں سے درج ذیل آلات زیادہ اہم ہیں: [70]

1-**شراکت** (Musharakah): شراکت[71] اسلامی فنانسگ کا بنیادی آلہ ہے لیکن اس کا حصہ بوجوہ بہت کم ہے۔ دو یا زیادہ فریقوں کا باہم سرمایہ ملا کر کاروبار کرنا شرکہ کہلاتا ہے۔ نفع ہو تو اسے شراکاء کے مابین پہلے سے رضامندی سے متعین شرح کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے۔ خسارہ ہو تو شراکاء کے سرمایہ کی نسبت سے ہر فریق کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مالی شراکت کے علاوہ دیگر قسم کی شراکت داری[72] بھی ہو سکتی ہے۔

2-**مضاربت** (Mudarabah): اسلامی بینکوں میں فنانسنگ کا دوسرا بنیادی آلہ ہے۔ بینک عموماً بحیثیت مضارب کام کرتا ہے۔ لوگ بھی بینک سے مضاربت پر فنانسنگ کرتے ہیں۔ سرمایہ ایک فریق کا جبکہ دوسرے فریق کی محنت ہوتی ہے۔ نفع ہو تو پہلے سے باہمی رضامندی سے طے شدہ شرح کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے۔ خسارہ ہو تو تمام خسارہ سرمایہ دار فریق کا ہو گا جبکہ دوسرے فریق کی محنت ضائع ہو گی۔[73]

3- **مرابحہ** (Murabaha): اس مخصوص تجارت[74] کو علماء نے چند شرائط کے ساتھ فنانسنگ میں استعمال کی اجازت دی ہے۔ اسے اثاثہ و جائیداد کے لیے مالیات کی فراہمی، مائیکرو فنانس اور اشیاء کی درآمد و برآمد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ بیع مرابحہ مؤجل[75] میں گاہک بینک سے مطلوبہ شے خریدنے کو کہتا ہے۔ اسلامی بینک تجارتی ادارہ سے معاہدہ کرتا ہے اور شے کی ملکیت بینک کے نام منتقل ہو جاتی ہے۔ وہ شخص یا ادارہ وہ چیز طے شدہ اضافی قیمت بشمول اخراجات و منافع، مقررہ وقت کی شرط پر اسلامی بینک سے ادھار خرید لیتا ہے۔ قیمت تاخیر کی وجہ سے یہ بیع مؤجل کہلاتی ہے اور شے کی قیمت خرید و معلوم منافع کی بنا پر بیع مرابحہ کہلاتی ہے۔[76]

4-**اجارہ** (Leasing): اسلام نے انسانی ضرورت کی بنا پر اس کی کچھ شرائط کے ساتھ اجازت ہے۔ بینک کسی کو مطلوبہ شے خرید کر اپنی ملکیت میں لاتا ہے۔[77] پھر اسے اس شخص یا ادارے کو متعین کرایہ پر دے دیتا ہے۔

5- **بیع سلم** (Salam): اس خصوصی بیع کی علماء نے کڑی شرائط کے ساتھ اجازت دی ہے۔ یہ بہترین اسلامی طریقہ تمویل ہے جو کاشتکاروں اور مینوفیکچررز کی مالی ضروریات پورا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔

6-**استصناع** (Istisna'a): فقہ میں یہ کسی ایسی چیز پر عقد ہے جو ذمہ میں ہو جس پر عمل کرنا مشروط ہو[78] اور متعین صفات کی حامل چیز کو بنوانا مقصود ہو[79]۔ اس میں تیار کنندہ شے کو تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کر کے بیع کرتا ہے۔ یہ معدوم کی بیع ہونے کے ناطے ناجائز ہونی چاہیے[80] مگر عرف عام کی وجہ سے جائز قرار دی گئی ہے[81]۔

7-**صکوک** (Sakuk): سود کے متبادل ان اسلامی بانڈز پر یکساں اصول اور قواعد و ضوابط نہیں بن سکے۔[82]

مروجہ واسلامی بینکاری کرنے والے چند پاکستانی بینکوں کا تعارف

پاکستان بینکس ایسوسی ایشن[83] کے اکیس بینک متوازی بینکاری کررہے ہیں جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں۔

1۔ **نیشنل بینک آف پاکستان**: پاکستان کا یہ سب سے بڑا کمرشل بینک 1949 میں سرکاری معمولات کیلئے اسٹیٹ بینک کے ایجنٹ کی حیثیت سے قائم ہوا[84]، 129 شاخوں نے اعتماد کے نام سے اسلامی بینکاری شروع کررکھی ہے۔[85] مفتی احسان وقار[86] بینک کے شریعہ ایڈوائزری بورڈ[87] کے چیئرمین ہیں۔

2۔ **حبیب بینک لمیٹڈ**: پاکستان کا نجی سطح پر سب سے بڑا بینک[88] 1941 میں قائم ہوا۔ ملکی و بین الاقوامی سطح پر 1600 سے زائد شاخیں کام کررہی ہیں۔ قومی سطح پر یہ دوسرا بڑا اسلامی بینکاری نیٹ ورک 45 شاخوں اور 494 ونڈوز سے اسلامی بینکاری کی سہولت مہیا کررہا ہے۔[89] مفتی عصمت اللہ[90] اس کے شریعہ ایڈائزر ہیں۔

3۔ **الائیڈ بینک لمیٹڈ**: یہ Australasia بینک کے نام سے 1942 میں شروع ہوا، 1974 میں الائید بینک آف پاکستان جبکہ 2005 میں الائیڈ بینک لمیٹڈ بنا۔ اس کے ہزار شاخوں کے نیٹ ورک[91] میں سے 77 شاخیں اسلامی بینکاری کررہی ہیں۔[92] مفتی احسان وقار شریعہ بورڈ کے چیرمین ہیں۔

4۔ **بینک آف پنجاب**: اس کا قیام بینک 1989 میں عمل میں لایا گیا، ستمبر 1994 میں شیڈولڈ بینک بنا۔ چار سو سے زائد شاخوں[93] میں سے 48 شاخوں میں اسلامی بینکاری[94] اور پنجاب مضاربہ سے مضاربت کی جارہی ہے۔[95] جناب مفتی محمد زاہد صاحب[96] شریعہ بورڈ کے چیرَمین ہیں۔

5۔ **بینک آف خیبر**: یہ بینک 1991 میں قائم ہوا اور 1994 میں شیڈولڈ بینک بنا۔ یہ 77 شاخوں سے اسلامی بینکاری کررہا ہے۔ مفتی محمد زاہد شریعہ بورڈ کے چیرمین ہیں۔[97]

پاکستان میں قائم مکمل اسلامی بنکوں کا تعارف

اب تک پانچ مکمل اسلامی بینک اسٹیٹ بینک سے لائسنس حاصل کرچکے ہیں جن کا تعارف حسب ذیل ہے:

1- **میزان بینک لمیٹڈ**: پاکستان کا پہلا اور سب سے بڑا اسلامی بینک[98]، 2002 میں قائم ہوا، 571 شاخوں میں اسلامی بینکاری کی خدمات فراہم کررہا ہے-[99] پاکستان میں آٹھویں بڑے نیٹ ورک میں پراڈکٹ (Development) اور شریعہ سے ہم آہنگی کے مخصوص شعبے ہیں[100]- جسٹس ریٹائرڈ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی چیئرمین شریعہ بورڈ ہیں-

2- **بینک اسلامی پاکستان لمیٹڈ**: پاکستان کا دوسرا بڑا اسلامی بینک[101] اکتوبر 2004 کو معرض وجود میں آیا اور اپریل 2006 میں کمرشل معمولات کا آغاز کیا-[102] اس کی 204 شاخوں میں سے تیس فیصد دیہی علاقوں میں کام کررہی ہیں- پاکستان کا یہ بہترین (Sukuk House) [103] بذات خود بڑے کاروبار قائم کررہا ہے[104]- مفتی ارشاد احمد اعجاز[105] شریعہ ایڈوائزر ہیں-[106]

3- **دوبئ اسلامک بینک پاکستان لمیٹڈ**: اس نے 2005 کو کام کا آغاز کیا-[107] سیکیورٹی اینڈ ایکس چینج کمیشن آف پاکستان سے جنوری 2006 کو کاروبار کی سند عطا ہونے کے بعد اس نے مارچ 2006 میں بطور شیڈولڈ بینک آپریشنز کا آغاز کیا- اس کی 200 شاخوں میں شریعہ کی راہنمائی میں[108] انقلابی پراڈکٹس پیش کئے جارہے ہیں-[109] ڈاکٹر مفتی حسین حامد حسن[110] چیئرمین شریعہ بورڈ ہیں-[111]

4- **البرکہ بینک (پاکستان) لمیٹڈ**: یہ البرکہ اسلامک بینک پاکستان[112] اور Emirates Global Islamic Bank کے ادغام[113] سے 2010 میں قائم ہوا-[114] برج اسلامی بینک کے نومبر 2016 سے ضم ہوجانے سے اس کی 224 شاخیں[115] کام کررہی ہیں- جسٹس ریٹائرڈ خلیل الرحمان خان[116] شریعہ بورڈ کے سربراہ ہیں-

5- **ایم سی بی اسلامی بینک لمیٹڈ**: یہ پانچواں مکمل اسلامی بینک ستمبر 2015 میں قائم ہوا- اس کی 66 سے زائد شاخیں اسلامی پراڈکٹس کی وسیع اقسام پیش کررہی ہیں-[117] مفتی منیب الرحمٰن[118] صاحب شریعہ بورڈ کے سربراہ ہیں-

پاکستان میں اسلامی بینکاری کے امکانات ومستقبل

مروجہ بینکاری عصر حاضر کی ایک اہم ضرورت بن جانے کے باوجود عالم اسلام میں اس کی ترویج میں بڑی رکاوٹ سود ہے- عالم اسلام میں اس کے قابل عمل حل کیلئے بڑی سنجیدہ کوششوں کی ضرورت تھی مگر بدقسمتی سے نہ تو مسلمان حکومتوں نے کھلے ذہن سے ربوا کے خاتمہ کو ملی فریضہ سمجھا اور نہ ہی دیگر طبقات اس سمت کوئی ٹھوس عملی اقدام کرسکے[119] درحقیقت پاکستان سمیت بیشتر مسلم ممالک میں اس راستے میں روڑے اٹکائے گئے[120] مگر خوش قسمتی سے 1963 میں مت غمر سوشل بینک[121] کی کامیابی نے عالم اسلام کے علما مفکرین اور اہل ثروت طبقہ کی توجہ اسلامی بینکاری کے عملی پہلو کی طرف مبذول کرادی- چنانچہ اس کے نتیجہ میں

1975 میں دبئی اسلامی بینک اور اسلامی ترقیاتی بینک کا باقاعدہ آغاز کیا گیا جس کے بعد عالم اسلام میں اسلامی بینکوں کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا جو آج تک جاری و ساری ہے[122]، باوجودیکہ مسلم ریاستوں کی طرف سے عدم سرپرستی نے اس عمل کو بہت حد تک جمود کا شکار بنا رکھا ہے[123]۔ مگر اس کے باوجود گذشتہ چار عشروں میں نجی سرپرستی میں اسلامی بینکاری و مالیات کے شعبہ میں عالمی سطح پر بہت پیش رفت ہوئی ہے اور یہ قافلہ بہت سبک رفتاری سے آگے کی طرف رواں دواں دکھائی دے رہا ہے۔

اسلامی بینکاری اپنی فطری خوبصورتی کی بناپر مسلم و غیر مسلم ممالک میں پھیلتی جارہی ہے[124]۔ مغربی دنیا میں محدود سرمایہ کاری کے باوجود اس کی ترقی کے بڑے روشن امکان ہیں۔ لندن مارکیٹ میں اسے پالیسی اور ٹیکس مراعات دی گئی ہیں۔ عالمی بینک ایچ ایس بی سی، سٹینڈرڈ چارٹرڈ، ڈاٹشے بینک، سٹی بینک وغیرہ اس طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔عالمی بینک اور انٹر نیشنل مانیٹرنگ فنڈ (آئی ایم ایف) نے اسلامی بینکاری کے حوالے سے باقاعدہ تحقیقی ڈویژن قائم کر رکھے ہیں۔اس وقت برطانیہ، ریاستہائے متحدہ امریکہ، فرانس، جرمنی سمیت دنیا کے دیگر اہم ممالک اسلامی بینکاری سے استفادہ کی دوڑ میں شامل ہیں۔ یہاں تک کہ اب بھارت جیسا شدت پسند ملک بھی اسلامی بینکاری کو اختیار کرنے کے بارے میں انتہائی عمیق گہرائی سے غور و فکر کر رہا ہے۔عالمی سطح پر اسلامی بینکوں کی کنزیومر فنانسنگ مصنوعات میں جدت لائی جارہی ہے جس کی بناپر اب یہ بینکاری 70 سے زائد مسلم و غیر مسلم ممالک میں پھیل چکی ہے ۔ خلیجی ممالک میں سے بحرین اور جنوب مشرقی ایشیائی ممالک میں ملائشیا سب سے آگے ہے۔

جنوب ایشیائی ممالک میں پاکستان، ایران اور سعودی عرب اسلامی مالیات کے بانیوں میں سے ہیں[125]۔ پاکستان میں اسلامی بینکاری کا آغاز 1980 کی دہائی میں ہوا۔اسٹیٹ بینک ہوم ورک نہ ہونے اور حکومتی عجلت پسندی نے اس اہم کام کو ناکامی سے ہمکنار کر دیا۔اسٹیٹ بینک نے اسلامی بینکاری کے اوپراڈکٹس کے بارے علماء سے مشاورت تک گوارا نہ کی اور نہ اسلامی بینکاری کے معمولات کی جانچ پڑتال کیلئے کسی شریعہ ایڈوائزر کی تقرری کو مناسب خیال کیا۔اس بناپر ان بینکوں کے معمولات فقط الفاظ کی تبدیلی کے علاوہ مروجہ سودی بینکاری کا ملغوبہ ہی دکھائی دینے لگے۔علما اور اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے بار بار درستگی کے اقدامات لینے کے مشوروں سے درخور اعتناء نہ جانا گیا۔چنانچہ 1990 میں اس ریاستی اقدام کو فیڈرل شریعت کورٹ میں چیلنج کر دیا گیا۔ فاضل عدالت نے فریقین کے دلائل سننے کے بعد نومبر 1991 میں اس نظام اسلامی بینکام کو اسلام سے متصادم قرار دیتے ہوئے حکومت کو درست اقدامات لینے کا پابند بنایا۔حکومت نے عدالتی احکامات پر عمل درآمد کی بجائے سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بینچ سے رجوع کر لیا۔

تقریباً نو سال کے التوا کے بعد سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بینچ نے 1999 کے آغاز میں سماعت کا آغاز کیا اور ایک طویل سماعت کے بعد فیڈرل شریعت کورٹ کا فیصلہ برقرار رکھا۔فاضل بینچ نے حکومت کو اسلامی معیشت اور اسلامی بینکاری کے جلد قیام کا حکم دیا۔حکومت نے ابتدا میں اس فیصلے کو قبول کیا مگر دو سال بعد اس کے خلاف اپیل کر دی۔صدر مشرف کے جاری کردہ پی سی او کے تحت قائم ہونے والے نئے بینچ سے حکومت مرضی کا فیصلہ لینے میں کامیاب ہو گئی۔چنانچہ اس بینچ نے پہلے دونوں فیصلوں کو منسوخ کرتے ہوئے مقدمہ از سر نو سماعت کیلئے وفاقی شریعت کورٹ کو بھیج دیا۔البتہ ایک بات کسی حد تک مستحسن ہے کہ حکومت نے نجی شعبہ میں اسلامی بینکوں کے قیام کے ساتھ مروجہ بینکوں کو اسلامی بینکاری کی شاخیں قائم کرنے کی اجازت دے دی۔ اس مقصد کیلئے اسٹیٹ بینک میں اسلامک بینکنگ ڈویژن کے نام سے ایک خود مختار شعبہ بھی کام کر دیا جو اسلامی بینکاری سے متعلق ریگولیٹری اور لیگل معاملات کا ذمہ دار ہے۔اس نئے ڈویژن نے انتہائی محنت سے 2002 سے اسلامی بینکاری سے متعلق معمولات اور معیار سازی جیسے اہم کام مکمل کرنے کے بعد اسلامی بینکاری کیلئے باقاعدہ لائسنس جاری کرنا شروع کر دیئے۔[126]

میزان اسلامی بینک کو اولین اسلامی بینک ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔اس وقت پاکستان میں پانچ مکمل اسلامی بینک کام کر رہے ہیں جن کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے۔ان کے علاوہ چودہ مروجہ بینک متوازی بینکاری کر رہے ہیں۔ان بینکوں کی اسلامی بینکاری کی خدمات مہیا کرنے کیلئے مخصوص شاخین قائم ہیں جن میں ہر سال اضافہ ہو رہا ہے۔اس وقت مکمل اسلامی بینکوں اور مروجہ بینکوں کی مخصوص اسلامی بینکاری شاخوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے تجاوز کر چکی ہے۔ان بینکوں کی شاخوں کا زیادہ تر ارتکاز شہری علاقوں کی طرف ہے جبکہ دیہاتی آبادی ان سے استفادہ نہیں کر پا رہی۔ان شرح نمو اپنے قیام سے 25 ٪ سے زائد تک چلی آ رہی ہے اور اب تک ان کا بینکاری کی مارکیٹ میں 10 ٪ سے زیادہ حصہ ہو چکا ہے[127]۔اس نئے بینکاری نظام کے قیام کے سلسلے میں یہ اعتراف ضروری ہے کہ اسٹیٹ بینک نے 1980 کی دھائی کے تجربے سے سبق سیکھا ہے جس کی بنا پر اس نئے بینکاری نظام پر علماء کی جانب سے نسبتاً بہت کم تحفظات سامنے آئے ہیں۔

بلاشبہ 2008 میں کئی اہم اور جید پاکستانی علماء و مفتیان کی جانب سے آنے والے مشترکہ فتوی سے موجودہ اسلامی بینکاری نظام کو ایک بڑا دھچکا لگا۔اس فتوی میں انتہائی شدت سے نئے بینکاری نظام کو مروجہ بینکاری سے بھی بدترین کہا گیا مگر اس کے بعد مجوزین اور معترضین علماء کی جانب سے آنے والے تحقیقی مقالات سے یہ بات واضح ہوتی گئی کہ یہ فتوی گو کہ انتہائی مؤقف کا حامل ہے مگر مجوزین نے بھی تسلیم کیا کہ اس نئے اسلامی بینکاری نظام میں کئی امور قابل اصلاح ہیں۔اس صورتحال کو اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے بھی سنجیدگی سے لیا

اور ان اعتراضات کو دور کرنے کیلئے ایک قابل عمل پانچ سالہ ترجیحاتی منصوبہ تیار کیا جس میں ان اعتراضات کو دور کرنے کا طریقۂ کار اور لائحہ عمل پیش کیا-اس کے بعد سے علماء کے مابین اس نئے اسلامی بینکاری نظام پر اعتراضات کا سلسلہ تھم گیا ہے-اب ملک کی اہم ترین جامعات میں اسلامی بینکاری کیلئے ڈگری کورسز شروع ہو چکے ہیں-اسٹیٹ بینک نے نیشنل انسٹیٹیوٹ آف بینکنگ اینڈ فنانس میں اپنے طور پر ان بینکوں کے عملے کیلئے تربیتی پروگرام شروع کر دیئے ہیں-[128] عوام میں آگاہی کیلئے الیکٹرانک میڈیا پر پروگرام پیش کئے جا رہے ہیں- جس سے اس نئے اسلامی بینکاری نظام پر لوگوں کا اعتماد بحال ہونا شروع ہو گیا-

اسٹیٹ بینک نے اپنے پانچ سالہ منصوبے میں نہ صرف اسلامی بینکاری کی سہولت اب دیہی علاقوں تک پھیلانے کی طرف توجہ مبذول کئے ہوئے ہے تاکہ کاشتکار طبقے کو سلم سے قرضے دے کر زراعت کو ترقی دی جاسکے بلکہ اس کے ساتھ درمیانے اور چھوٹے تاجر طبقے اور کاروباری حضرات کیلئے استصناع اور دیگر پراڈکٹس سامان کی دستیابی آسان بنا کر تجارت اور ہنر کو ترقی دی جاسکے-اس کے علاوہ دیگر گئی شعبہ جات مثلاً رئیل اسٹیٹ اور مکانوں کی تعمیر[129] میں سرمایہ کاری کیلئے حکمت عملی تیار کی جا رہی ہے-اسلامی بینکوں کیلئے نقد رقوم کی دستیابی[130]، کائبور انڈکس چھٹکارے اور دوہرے ٹیکسوں سے بچاؤ کیلئے ضروری اقدامات کئے جا رہے ہیں- ان جیسے کئی دیگر اقدامات بھی نفاذ کے مراحل میں ہیں جن سے پاکستان میں اسلامی بینکاری کا نیٹ ورک وسیع ہونے کے ساتھ ان کی سہولیات بہتر بنانے میں مدد ملے گی جس سے ان کی نفع پذیری کے مسلسل رجحان میں مزید اضافے کی توقعات ہیں-ان شواہد کی بنا پر یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ پاکستان سمیت پوری دنیا میں اس صنعت کا مستقبل انتہائی روشن اور تابناک ہے[131]-

حوالہ جات و حواشی

1- اٹلی کے صوبہ فریزی کا دارالحکومت ہے-یہ شہر روم کے شمال مغرب میں 145 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے-

2- ادب و فنون لطیفہ کا مجلّہ Notes and Queries، 1849 سے لندن سے بطور سہ ماہی مجلّہ چھپ رہا ہے-
http://www.oxfordjournals.org/our_journals/notesj/about.html

3- United Dominions Trust Ltd v Kirkwood, 1966, English Court of Appeal, 2 QB 431

4- Muhammad Ayub, Understanding Islamic Finance, John & Willey Sons Ltd., England, 2007.pp:180

5- جو اپنی بچتوں کی حفاظت یا محفوظ ترسیل کیلئے گاہک بنتے ہیں اور کم سرمایہ کے حامل ہونے کی بنا پر پراجیکٹ کی تکمیل یا سرمایہ ہونے کے باوجود پراجیکٹس کی توسیع کیلئے مزید سرمایہ کے ضرورت مند ہونے کے باعث گاہک بنتے ہیں-

6- Muhammad Ayub, Understanding Islamic Finance, pp:180

7- انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا:ج:3،ایڈیشن:15،مادہ بینک

8- Banking Act, Revised Edition, The Law Revision Commission Under The Authority Of The Revised Edition of Laws Act (Chap 275), Informal Consolidation:Version In Force From 1/7/2015, pp:06

9- بینک کیلئے گاہک یا کسٹمر سے مراد ہر وہ شخص یا ادارہ ہے جس کا اکاؤنٹ وہ اپنے ساتھ کھولنے پر رضامند ہو جاتا ہے۔

10- Hong Kong Banking Ordinance, Ch 155, Gazette # ER I of 2013,Section 2, Interpretation, version 25-04-2013, Hong Kong,pp:02

11- مالیاتی اداروں سے مراد ایسے ادارے ہیں جو کسی نہ کسی طرح کا مالیاتی لین دین کرتے ہیں۔مالیاتی لین دین کئی اقسام کے ہوتے ہیں مثلاً سرمایہ کاری کرنا، قرض لینا دینا، رقوم جمع کرانا یا وصول کرنا، بیمہ، خرید وفروخت وغیرہ۔

12- Shakil Faruqi, Glossary Banking & Finance, Institute of Bankers Pakistan, pp:192

13- Glossary Banking & Finance, pp:792

14- Glossary Banking & Finance, pp:378

15- Glossary Banking & Finance, pp:34 ،130

16- Glossary Banking & Finance, pp:686

17- http://dictionary.cambridge.org/dictionary/english/retail-bank

18- Glossary Banking & Finance, pp:166

19- امریکہ میں 1929-1993 کے دوران پیش آنے والے مالیاتی بحران (Great Depression) سے امریکہ کے تقریبا 5000 کمرشل بینک ناکامی کا شکار ہوئے۔حکومت نے بینکوں میں کیلئے جو اصلاحات کیں وہ (The Glass-Steagall Act) کے توسط سے کی گئیں۔چنانچہ اس ایکٹ کے تحت کمرشل بینکوں کو کارپوریٹ سطح پر انویسٹمنٹ سے روک دیا گیا۔امریکی کانگریس نے 1933 میں ایکٹ پاس کیا اور صدر روز ویلٹ نے اس پر دستخط کئے۔

http://topics.nytimes.com/top/reference/timestopics/subjects/g/glass_steagall_act_1933/index.html

20- http://www.businessdictionary.com/definition/retail-banking.html

21- سرمایہ حد کا فرق مختلف بینکوں کے مالیاتی حالات، وسائل کی دستیابی اور ملکی قوانین کے باعث ہو سکتا ہے۔

http://financial-dictionary.thefreedictionary.com/Private+Banking

22- Glossary Banking & Finance, pp:406

23 http://financial-dictionary.thefreedictionary.com/Investment+banking

24- http://financial-dictionary.thefreedictionary.com/Unit+Banking

25- Glossary Banking & Finance, pp:800

26- Glossary Banking & Finance, pp:82

27- http://financial-dictionary.thefreedictionary.com/Branch+Bank

28- Glossary Banking & Finance, pp: 348

29- Glossary Banking & Finance, pp:596

30- Glossary Banking & Finance, pp:250

31- Glossary Banking & Finance, pp:770

32- Glossary Banking & Finance, pp:-134 ، 130

33- http://www.businessdictionary.com/definition/project-financing.html

34- Glossary Banking & Finance, pp:694

35- http://www.investopedia.com/terms/r/revolvingcredit.asp

36- اکاؤنٹ کھولنا، چیک بکس کا اجراء، بینک ڈرافٹ کی دستیابی، کریڈٹ کارڈز کا اجرا، انٹرنیٹ بینکاری کی سہولت وغیرہ

37- Glossary Banking & Finance, pp:186 ، Understanding Islamic Finance, pp:182

38- Glossary Banking & Finance, pp:706 ، Understanding Islamic Finance, pp:182

39- Understanding Islamic Finance, pp:182

40- Glossary Banking & Finance, pp:510

41- Glossary Banking & Finance, pp: 174

42- Glossary Banking & Finance, pp:122

43- Glossary Banking & Finance, pp:192

44- Glossary Banking & Finance, pp:480

45- اسے سرمایہ کی ضرورت کا ضابطہ کہا جاتا ہے- بینک کو یہ ضابطہ سرمایہ کاری کیلئے ڈھانچہ مہیا کرتا ہے-

46- Glossary Banking & Finance, pp:112

47 - http://www.businessdictionary.com/definition/cash-management.html

48- http://financial-dictionary.thefreedictionary.com/Cash+management

49- اثاثہ کی بیع اور سرمایہ کی درجہ بندی ایک سائنس بن چکی ہے جس سے بینک پوری طرح استفادہ کرتے ہیں-

50- http://www.businessdictionary.com/definition/capital-growth.html

51- Journal of Banking & Finance,Vol: 36, Issue:9, Elsevier, The Netherlands, 2012, pp.: 2552–2564

52- http://www.sbp.org.pk/departments/ibd.htm

53- http://www.sbp.org.pk/departments/ibd.htm

54- تجارتی بینکوں کی گزشتہ دواڑھائی صدیوں میں صنعتی انقلاب کے ساتھ تیزی سے نشوونما ہوئی-

55- بلاسود بینکاری میں سود کا عنصر خارج ہوتا ہے لیکن حلال وحرام اور مقاصد شریعہ کی تکمیل ضروری نہیں ہوتی-

56 - ایک اہم اکثریتی طبقہ ہونے کے ناطے امت کے اس جید طبقے کو جمہور علماء و مفکرین سے موسوم کیا گیا ہے-

57 - اسلامی بینکاری کے حوالے سے علماء عمومی طور پر تین قسم کی آراء کے حامل رہے ہیں- علماء کی ایک انتہائی قلیل تعداد جو جامعہ الازہر مصر اور مغربی سوچ سے مرعوب ہے بینکوں کے انٹرسٹ کو سود تصور نہیں کرتی اور ان سے بلاکراہت معاملات کرنے کے حق میں رہی ہے- ان کے بالمقابل علماء کا ایک اہم طبقہ ان کے اسلامی حل کو محال یا غیر ضروری خیال کرتا ہے اور کسی اضطراری صورتحال کے بغیر ان سے معاملات کرنے کو درست خیال نہیں کرتا- علماء کی ایک بڑی اکثریت مروجہ بینکاری کو تو ناجائز خیال کرتی ہے مگر ان کی افادیت کی بھی انکاری نہیں —ان کے نقطۂ نظر سے یہ

انسانی ضرورت کے ضمرے میں شامل ہیں- جس کی بنیاد پر وہ اس میں سود اود دیگر غیر شرعی امور کو نکال کر انہیں اسلامی شریعہ سے ہم آہنگ بنانے کے حق میں رہے ہیں- یہ رائے دراصل استحسان پر محیط ہے کیونکہ انہوں نے قریب قیاس (سودی اداروں سے لا تعلق ہو جانے) کو رد کر کے، بعید قیاس (امت کو عالمی معاملات سے کٹ جانے سے روکنے) کو اختیار کرتے ہوئے ان کے اسلامی حل کو ضروری سمجھا ہے- اول طبقے نے اجتہادی ٹھوکر کھائی ہے اور انٹرسٹ اور سود کا فرق نہیں سمجھ سکا-دوسرے طبقے نے بلا شبہ سود اور انٹرسٹ کو ایک نہ سمجھ کر سواد اعظم کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کی ہے مگر ان کی اہمیت اور افادیت کو نظر انداز کرتے ہوئے ان سے دور رہنا مناسب سمجھا ہے-آج کی دنیا میں معیشت باہم جڑی ہوئی ہے جس میں مسلمان کسی طرح کٹ کر نہیں رہ سکتے-

58- بین الاقوامی ضوابط کے باعث کاروبار کو بینکوں کے توسط کے بغیر کرنا ناممکن ہو چکا ہے-اسلامی کا آفاقی نظریہ ہر زمانے کے مسائل کا حل دینے کا داعی ہے- اسلام کے حرکی اصول مسلمانوں کو اس تکلیف سے نکالنے کے متقاضی ہیں-

59- یہ نہ صرف سودی نظام کو دوام بخشتا ہے بلکہ سود کی حرمت کے احکامات میں دنیوی و دینوی زندگی کی ناکامی بھی ہے-

60- اسلام بینکاری و عصری معاشی مسائل کا جامع حل قرآن و سنت اور فقہ کے اصولوں کی بنیاد پر فقہ کی مستند کتب سے اخذ کرنا مشکل نہیں ہے-دراصل اسلام نے حرام کردہ ہر شے کا متبادل حلال اشیاء کی شکل میں دیا ہے-

61- تفصیل کیلئے دیکھئے : غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، حرمت ربا اور غیر سودی مالیاتی نظام، ص: 15، 16

62- القرضاوی، یوسف، ڈاکٹر، ربا اور بینک کا سود، ص: 14

63- عثمانی، محمد، تقی، غیر سودی بینکاری، ص: 15، 16

64- مثلار قوم کا جمع کروانا، ایل سی کھولنا، اے ٹی ایم، وکالت، ڈرافٹ، ٹریول چیکس جیسے وظائف و خدمات-

65- یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم لوگوں کو اندرونی تجارت پر قناعت کرائیں- عثمانی، ص: 15، 16

66- غیر سودی بینکاری، ص: 15، 16

67- فقہ اسلامی کا ذخیرہ بات وسیع و وقیع ہے- عہد قرون اولی میں تابعین کے زمانے مسائل فقہ پر اختصاص کے حامل علماء دیکھنے کو ملتے ہیں-اسلامی فقہ اکیڈمی فقہ اسلامی کا ایک انڈیکس مرتب کر رہی جس کی ذخامت 100 جلدوں سے زائد ہو گی-

68- مسلمان تاجروں نے اسلامی اصولوں کی پاس داری سے تجارت کو فروغ دیا- تجارت کی بدولت بھات اور چین میں اسلام متعارف ہوا جبکہ ملائشیا اور انڈونیشا میں اسلام کی اشاعت کا سہرا تاجروں کے سر ہے-

69- بیت المال سے ریاستی اخراجات، تنخواہوں، بلاسود قرضوں کا اجراء ہوتا تھا-عبدالملک کے دور میں کرنسی کا اجراء بھی اسی کی ذمہ داری تھی-اسلامی ریاستوں میں ریاستی و انفرادی سطح پر شرکت و مضاربت کا نظام باحسن وخوبی کام کرتا رہا-

70- Glossary Banking & Finance, pp:282

71- Muhammad Ayub, Understanding Islamic Finance, pp:307-325

72- شرکۃ الابدان میں شریک مل کر اجرت کرتے ہیں اور اجتماعی کمائی میں سب شریک ہوتے ہیں جبکہ شرکۃ الوجوہ میں ساکھ کی بنیاد پر ادھار سامان لے فروخت کرتے ہیں اور منافع کو وہ طے شدہ نسبت کے مطابق تقسیم کر لیتے ہیں-

73- Muhammad Ayub, Understanding Islamic Finance, pp:325-342

74- اس میں بائع صاف بتادیتاہے کہ اس نے وہ شے کس قیمت پر خریدی اور یہ فروخت کنندہ سے کتنا منافع لے رہاہے-

75- دراصل یہ دونوں بیوع الگ نوعیت کی حامل ہیں مثلا بیع مؤجل میں مبیع کی قیمت کی ادائیگی تاخیر سے کی جاتی ہے جو یکمشت یا قسطوں میں ہوسکتی ہے-انگریزی میں اسے Deferred Sale کہتے ہیں-

76- Muhammad Ayub, Understanding Islamic Finance, pp:213-238

77- عموماوہ شخص یا ادارہ اس شے کو اسلامی بینک یا اجارہ کمپنی کے نام پر خود خریدتا ہے-

78- الزبیدی، سید محمد مرتضی الزبیدی، تاج العروس، ج:5، ص:422،مادہ" صنع"

79- ہی عقد علی بیع فی الذمۃ شرط فیہ العمل-الکاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی، بدائع الصنائع، ج:5، ص:2)

80- الشافعیؒ، محمد بن ادریس، امام، کتاب الام، ''مالیس عند الانسان'' ج:6، ص:288

81- مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیع سلم کی اساس اور عرف کی بنیاد پر عقد استصناع صحیح ہے-احناف نے اسے استحسانا جائز قرار دیا ہے-(الزحیلی، ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج:4، ص:632)

82- Understanding Islamic Finance, pp:309-320

83- پاکستان بینکس ایسوسی ایشن 1953 میں قائم ہوئی-اس کے قیام کا بنیادی مقصد ممبران بینکون کی ترقی کی غرض سے روابط کو فروغ دینا ہے-اس وقت اس کے ارکان کی تعداد 45 ہے جسے چھ گروپوں میں تقسیم کیا گیا ہے-

84- اس کے اثاثے 9.3 ارب سے زیادہ جبکہ ڈپازٹس 7.8 ارب امریکی ڈالر ہیں- ملک کے طول و عرض میں اس کے 29 علاقائی دفاتر اور 1400 سے زائد شاخیں ہیں جنہیں آن لائن پر خود کار نظام سے جوڑ دیا گیا ہے- یہ بینک افغانستان ،آزر بائیجان، بنگلہ دیش، بحرین کینیڈا، چین، ہانگ کانگ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ میں بھی کام کر رہا ہے-

85- https://www.nbp.com.pk/Islamic/ShariahPortal.aspx

86- آپ نے ایم اے اسلامیات، ایم معاشیات اور ایم بی اے (اختصاص فنانس) کے امتحانات پاس کر رکھے ہیں-

87- https://www.nbp.com.pk/Islamic/ShariahAdvisorProfile.aspx

88- دنیا کے پچیس ممالک میں کنزیومر اور ریٹیل بینکاری کی خدمات مہیا کر رہا ہے-حکومت نے اپنے 51 فیصد حصص آغا خان فنڈ برائے معاشی ترقی (*Economic Development*) کو 2004 میں فروخت کر کے پرائیویٹ انتظامیہ کے حوالے کر دیا جبکہ 2015 میں 41 اعشاری پانچ فیصد مذید حصص بھی کھلی مارکیٹ میں فروخت کر دیئے-

89- حبیب بینک بنیادی اسلامی بینکاری، کرنٹ، نفع و نقصان شراکتی اکاؤنٹ کے علاوہ بینک ایچ بی ایل مرابحہ، شراکت متناقصہ، اجارہ، سلم اور استصناع کی سہولت مہیا کر رہا ہے-(http://www.hbl.com/islamicbanking)

90- آپ اسلامی معاشیات میں پی ایچ ڈی ہیں اور 2006 سے شریعہ ایڈوائزر بھی ہیں-

91 - https://www.abl.com/the-bank

92 - https://www.abl.com/islamic-banking/islamic-banking-deposits

93 - https://www.bop.com.pk/view.aspx?id=1

94 - https://www.bop.com.pk/view.aspx?id=1151

95- http://www.pakistanbanks.org/members/profiles/bop_profile.html

96- مفتی زاہد وفاق المدارس سے شہادۃ العالیہ،العربیہ پاکستان اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی سے ایم اے عربی کیا- جامعہ امدادیہ، فیصل آباد کے نائب مہتمم ہیں-

https://www.bop.com.pk/view.aspx?id=1150

97- http://www.bok.com.pk/islamic/shariah.htm

98- میزان بینک پرائیویٹ رجسٹرڈ کمپنی ہے جسے مشرق وسطی کے اہم ترین مالیاتی اداروں کا تعاون حاصل ہے-

99- https://www.meezanbank.com/about-us/

100- اس کی بدولت بینک پراڈکٹ میں ترقی اور اسلامی تحقیق کے اعتبار سے بین الاقوامی سطح پر اپنی پہچان کا حامل ہے-

101- بینک اسلامی پاکستان کی کی ملک کے 77 سے زائد شہروں میں دوسو سے اوپر شاخیں ہیں-

102- http://www.bankislami.com.pk/about_us/

103- بینک نے 2007 اور 2008 میں صکوک بانڈ کے 13 لین دین کئے جو پاکستان میں سب سے زیادہ ہیں-

104- بینک نے 2007 میں 'بینک اسلامی مضاربہ لمیٹڈ' قائم کی ہے جو سو فیصدی مضاربت کیلئے وقف ہے-

105- آپ نے جامعہ دارالعلوم کراچی سے تخصص فی الافتاء،اقراء یونیورسٹی کراچی سے ایم بی اے کیا-

106- http://www.bankislami.com.pk/about_us/shariah_board.php#?3

107- اس وقت یہ اردن، ترکی، پاکستان، سوڈان اور بوسنیا ہرزگوینیا میں اسلامی بینکاری کی خدمات انجام دے رہا ہے-

108- بینک نے 1975 سے لے کر آج تک اسلامی بینکاری کے شعبہ میں اپنی غیر متنازعہ حیثیت برقرار رکھی ہے-

109- اہم پراڈکٹس میں رقوم کی فراہمی، ڈپازٹس کی وصولی وادائیگی اور اکاؤنٹ کی خدمات مہیا کرنا وغیرہ شامل ہے-

110- آپ نے نیویارک یونیورسٹی کے بین الاقوامی انسٹیٹیوٹ آف کمپیریٹو لاء سے کمپیریٹو لاء میں ماسٹر، جامعہ الازہر مصر سے قانون اور معشت میں ماسٹر کے علاوہ اسلامی فقہ میں 1965 میں پی ایچ ڈی کی-

111- http://www.dibpak.com/Sharia/Board-Members

112- البرکہ گروپ کا تعلق بحرین سے ہے جو بحرین اور دوبئی سٹاک ایکس چینج میں بطور جائنٹ سٹاک کمپنی رجسٹرڈ ہے-

113- پاکستان میں دو اسلامی بینکوں کا یہ اولین ادغام زیادہ موثر انداز سے خدمات کی انجام دہی کیلئے تھا-

114- http://www.albaraka.com.pk/al-baraka/

115- اسلامی اصولوں پر تیزی سے نشوونما پاتی ہوئی اسلامی بینکاری کو کئی درپیش چیلنجز سے نمٹنا ہے-

116- آپ 1999 میں سود کی حرمت کا فیصلہ دینے والے شریعت اپیلنٹ بینچ کے سربراہ تھے-

117- https://www.mcbislamicbank.com/

118- آپ چیئرمین رویت ہلال کمیٹی اور عالمی سطح کے معروف فقہی عالم ہیں-

119- تفصیل کیلئے دیکھئے: حرمت ربا اور غیر سودی مالیاتی نظام، ص:1

120- مسلم سربراہان کو اسلامی بینکوں سے پریشانی لاحق ہے۔ ان کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہے یا بٹھائی گئی ہے کہ اسلامی بینکاری نظام سے اسلامی تحریک کو تقویت ملے گی۔ القرضاوی، یوسف، ربا اور بینک کا سود، ص: 17-18

121- عمر سے اسلامی بینکاری کا آغاز ہوا۔ یہ اسلامی معاشی اصولوں پر بینکاری کا تجربہ تھا۔

122- دبئ اسلامی بینک ہے تو نجی سطح پر قائم ہوا جبکہ اسلامی ترقیاتی بینک ریاستی سطح پر جدہ سعودی عرب میں قائم کیا گیا۔

123 - اسٹیٹ بینک کو 1980 کی دہائی یہ ٹاسک دیا گیا مگر حکومتی مشینری کی سرد مہری سے یہ تجربہ بری طرح ناکام ہوا۔

124- اسلامی مالیاتی نظام میں لچک کی بنا پر اسے دنیا بھر میں وسیع پیمانے پر قبول کیا جا رہا ہے۔

125- اسلامی نظریاتی کونسل کے کام کی بدولت 1980 کی دھائی میں پورے بینکاری نظام کو اسلامی سانچے میں ڈھالا گیا۔

126 - ملاحظہ ہو سٹیٹ بینک کا 2004 کا اسلامی بینکنگ ڈپارٹمنٹ سرکلر نمبر 2-

127 - حکمت عملی کا منصوبہ، اسلامی بینکاری کی صنعت 2014-2018، اسلام آباد، جنوری 2014، صفحہ (II)

128 - نیشنل انسٹیٹیوٹ آف بینکنگ اینڈ فنانس بین الاقوامی تربیتی پروگرام پیش کرے گا۔ حکمت عملی کا منصوبہ، صفحہ 8

129 - اسلامی بینکاری کو ریئل اسٹیٹ کی خرید وفروخت وغیرہ سے منسلق کیا جائے۔ حکمت عملی کا منصوبہ، صفحہ 3

130 - اس میں اسلامی بینکاری کی مارکیٹ کی ترویج وترقی، قلیل مدتی سیال نقود کی مینیجمنٹ کے آلات اور اس سے متعلقہ مسائل کے حل شامل ہیں۔ حکمت عملی کا منصوبہ، صفحہ 5

131- اسلامی بینکوں کا پھیلتا ہوا نیٹ ورک سے ظاہر کرتا ہے کہ لوگ بینکاری سے استفادہ کر رہے ہیں۔

OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
mei.aiou.edu.pk
iri.aiou.edu.pk

آراء المستشرقين في الوحي: دراسة تحليلة

(Analytical research on the thoughts of Orientals about revelation)

* ڈاکٹر احمد رضا
اسسٹنٹ پروفیسر, شعبہ فکرِ اسلامی تاریخ و ثقافت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد
** حافظ محمد امین سعیدی
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامیات، جامعہ اسلامیہ بہاولپور

ABSTRACT

The term "Orientalism" later known as "Oriental Studies," began in reference to the study of languages and cultures of the so-called Orient. Although initially focused on the ancient and modern Near East, the term "Orient" was indiscriminately used for all of the Asian civilizations encountered by Europeans in their eastward imperial and colonial expansion. The term is derived from the Latin oriens, in reference to the direction of the rising sun or the east. The study of Islam and Muslim cultures during the medieval period in Europe was primarily apologetic. Oriental scholars translated religious, historical and literary texts from Arabic, Persian, Sanskrit, and Chinese, but most of these translations are not considered critical editions.

Modern Orientalism in an academic sense begins in the 18th century. In 1734 George Cell translated the holy *Quran* and criticized over the holy *Quran* due to Modern Orientalism sense. He wrote: Several if which stories or some circumstances of them are taken from the old and New Testament, but many more from the apocryphal books and traditions of the Jews and Christians of those ages, set up in the Koran as truths in opposition to the scriptures. That Muhammad was really the author and chief contriver of the Koran is beyond dispute…however they differed so much in their conjectures as it the particular person who gave him such assistance; that they were not able, it seems, to prove the charge; *Muhammad,* it is to be discovered.

الوحی أمرمهم،مدار جميع امور الإسلام واحكامه على الوحی لأن القرآن بناء الإسلام وهو كله وحی من الله قال الله لنبيه عليه السلام "قل..ان اتبع إلا ما يوحی إلی "[1] وقوله تعالی "وما ينطق عن الهوی*إن هو إلا وحی يوحی "[2]

معنی الوحی: أصل الوحی الاشارة السريعة بالكلام على سبيل الرمز والتعريض، أو بصوت مجرد عن التركيب أو بإشارة ببعض الجوارح، أو بالكتابة[3] فالوحی الإشارة والكتابة والرسالة والإلهام والكلام الخفی وكل ما ألقيته إلی غيرك يقال وحيت إليه الكلام وأوحيت ووحی وحيا وأوحی ايضا أی كتب

الوحی بمعناه اللغوی يستعمل

1. لإلهام الفطری كقوله تعالی "وَأَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّ مُوسَى أَنْ أَرْضِعِيهِ"[4] و "وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي "[5]
2. للإلهام الطبيعی والغريزي للحيوانكقوله تعالی "وأوحی ربك إلی النحل "[6]
3. الرمز والكناية يعنی الإشارة سريعة على طريق الرمز والإيماء بل كلام، كقوله تعالی بيانا عن زكريا "فخرج على قومه من المحراب فأوحی إليهم أسبحوا بكرة وعشيا "
4. لوساوس الشيطن كقوله تعالی "ان الشيطين ليوحون إلی أوليائهم ليجادلوكم"
5. لإلقاء الله تعالی إلی الملائكة أو امره، كقوله تعالی "اذ يوحی ربك ألی الملائكة أنی معكم فثبتوا الذين آمنوا "

والوحی الشرعی: "الكلام المنزل على نبی من أنبيائه[7] وقال الشيخ محمد عبده: "عرفان يجده الشخص من عند نفسه مع اليقين بأنه من قبل الله بواسطة أو بغير واسطة "[8] ذكره فی القرآن كقوله تعالی "فأوحی إلی عبده ما أوحی "[9] "وإنه لتنزيل رب العلمين نزل به الروح الأمين على قلبك لتكون من المنذرين "[10]

طرق الوحی على الأنبياء

الرؤيا الصادقة: كرؤيا إبراهيم فی المنام": "قال يبنی إنی أری فی المنام أنی أذبحك فانظر ماذا تری "

إلقاء الله فی قلب الرسول بلا واسطة الملك: كقوله تعالی "واصنع الفلك بأعيننا" و "لتحكم بين الناس بما أرائك الله" وبواسطة الملك كقوله عليه السلام "إن روح القدس نفث ی روعی "[11]

كلام الله بلا واسطة الملك: كقوله تعالی "وكلم الله موسی تكليما "

إرسال الملك إلی رسوله: كقوله تعالی " ما كان لبشر ان يكلمه الله إلا وحيا أو من وراء حجاب أو يرسل رسولا فيوحی بإذنه ما يشاء "[12]

صلصلة الجرس: يعنی هنا صوت كصوت الجرس الصلصلة صوت الحديد والجرس والفخار مما له طنين يريد صوت الملك الذي ينزل عليه بالوحي[13]

اقسام الوحی: الوحی المتلو والوحی غير المتلو، الوحی المتلو يعنی الذی يتلی فی الصلوات وهو القرآن وغير المتلو الذی لا يتلی فی الصلوات وهی الأحاديث النبوية، قال عليه السلام " ألا إنی أوتيت القرآن ومثله معه "[14]

فالوحی الشرعی يعنی وحی النبوة والرسالة هو بين الله وأنبياءه فقط وهو شیٔ لا يسطيع العقل والحواس ادراكه فهو بعيد ووراء من دائرة العقل والحواس وهو من امور ما بعد الطبعيات والذين يريدون أن يعلموه يدركوه بالحواس والعقل هم يدورون بين دارة العقل والحواس فقط وحقيقة الوحی أمر واقع خارج دائرة العقل والحواس۔

والمقصود من إنزل الوحیۃ وتعلیم وتدریب الإنسانیۃ لیفوزوا فی الدنیا والآخرۃ بواسطۃ الوحی سواءً کان ذلک العلم دینویا أم أخرویا۔ فمثلا قیل لنوح علیہ السلام اصنع السفینۃ مطابقا لما یصفہ علیک الوحی۔

القرآن وأقوال مشرکی مکة: عاش رسول الله صلی الله علیه وسلم فی اهل مکة اربعین سنة وکانوا یعترفون اخلاقه الحمیدة وصدقه وأمانته ویقولون له الصادق والأمین ولما بدأ نزول الوحی علیه وأخبرهم برسالته ونزول الوحی علیه، فزع رؤساء العرب کأن الرض جعل ینسل من تحت قدمیه ورأوا أن حکمهم وسلطانهم سیزول من قریبفتولوا وجوههم وبدأوا یظهرون العداوة والبغضاء وأصبحوا ینکرون برسالته وبکتاب الله ووحیهفتارة قالوا ان محمدا شاعر وتارة قالوا هو ساحر وتارة قالوا هو مجنون وتارة قالوا یعلمه البشر، یعنی ورقه بن نوفل أو میسرة، أو بحیرا راهب أو نسطورا، کما حکی القرآن اقوالهم " وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا"[15]

وکان سبب إنکارهم أنهم کانوا من القدیم رؤساء اهل مکة ولما نزل القرآن واخبرهم الرسول برسالته فهموا أن رئاستهم وحکومتهم وسیاستهم کلها فی خطر عظیم واحسوا أن سلطانهم سوف یزول

ورد الله دعاویهم ردا قاطعاً فی القرآن فی آیاته بأسالیب مختلفة

یقول الله تعالی إن القرآن لیس بقول البشر، وما هو بقول شاعر قلیلا ما تؤمنون- ولا بقول کاهن قلیلا ما تذکرون "[16] وما علمناه الشعر وما ینبغي له إن هو إلا ذکر وقرآن مبین "[17]- "تبارك الذي نزل الفرقان علی عبده لیکون للعلمین نذیرا "[18]، "تنزیل من رب العالمین "[19]، بلسان عربي مبین "[20] فی هذه الآیات القرآنیة رد علی ما قال المشرکون.

وایضا تدل علی أن ما یوحی الله إلی الرسول صلی الله علیه وسلم کانت حقیقة واقعیة و نصا معینا ولم یکن فکرا ذهنیا من الرسول نفسه ولا تصورا ولا خیالا فقط الذی اخترعه من عند نفسه. والجبریل لیس اسم للقوة الذهنیة، والوحی لیس اسم لخیالات الذهنیة والنفسیة، والرسول لیس اسم لشخص المعی یتکلم باقوال بدیعة من عند نفسهکما قال سیر السید احمد خان المتأثر من المستشرقین فی تفسیره "تفسیر القرآن" تحت تفسیر الآیة "وان کنتم فی ریب مما نزلنا .. "[21] وهذا ما قال جمیع المستشرقین مثلا جورج سل یقول: أما أن محمدا کان فی الحقیقة مؤلف القرآن والمخترع الرئیس له فأمر لا یقبل الجدل مع ذالك، أن المعاونة التی حصل علیها من غیره فی خطته هذه لم تکن معاونة یسیر، وهذا واضح أن مواطنیه لم یترکوا العتراض علیه بذالك The Mohammed was really the author and chief contriver of the Koran is beyond dispute; though it be highly probable that he had no small assistance in his design from others."[22] آرثر جفری یقول یشتمل هذا الکتاب علی مجموعات من خطباته التی ألقاها فی عشرین عاما، والأمر واضح أن محمدا کان مشغولا فی تصنیف کتاب للمسمین Muhammad's deliverances during the twenty odd years of his public ministry. It is clear that he had been preparing a book for his ccommunity…[23] وولیم مور أیضا مضی ألی قول تألیف القرآن[24] وجولد تسهیر قال إن تعالیم النبی صلی الله علیه وسلم نشئت عن روحه وکانت ممزوجا و منتخبا من معارف وآراء دینیة التی حصلت له مع إتصاله بالعناصر الیهودیة والمسیحیة أو غیرها وتأثره کأنه وحی إلهي[25]. وریتشارد بل ومونتجمری وات ایضا قالوا أن مصدر القرآن لم یکن الوحی، وأنه من تألیف محمد صلی الله علیه وسلم، وأنه قد لفق مادة القرآن من عناصر الثقافة الساعدة فی البیعة العربیة وقتئذ، کما قال ریتشارد بل ومونتجومری وات فی مقدمة القرآن لهما فی باب[26] The Historical Situation and Muhammad

والمستشرقون قياسا على مشا هداتهم القاصرة لا يصلون على درجة الحق والتسليم واليقين وهم بدؤوا ينكرون تصور الوحى ولا يسلمون الوحى ولا يؤمنون به وينكرون إمكان الوحى

امكانية الوحى

والحق ان الوحى ممكن،ألا تنظرون إلى عمل" Telepathy: the supposed communication of thoughts or ideas by means other than the known senses "ما به ينتقل احد ما فى قلبه إلى شخص آخر بلا عمل ظاهر وبلا قول،وهذا معهود ومعمول بين عامليهم واهل الغرب يقبلونه حقا.

وشاهدت مثل هذا فى مدرسة إبتدئية الحكومية لقرية L.1\128 حوالى العام 1970م كان يطلب الأستاذ جل محمد لأحد طلاب من الصف الرابع لعمل ويعمل الأستاذ عملا وكان يطرأ على الطالب النوم ويعطيه الأستاذ اوراقا ليكتب عليها ويكتب الطالب فى حالة النوم اوراقا وربما يسئله الأستاذ أسئلة فيجيبه واضحا فكان الطلبة يتحيرون ويتعجبون لهذا العمل.

ففيه دليل على جواز الوحى وامكانه هل الإنسان قادر على انتقال ما فى قلبه إلى آخر والله كيف لا يقدر عليه وهو رب العلمين وخالقه ومالكه والله على كل شئ قدير. بل الانكار تعصب محض وضد بلا فائدة.

آراء المستشرقين حول الوحى

آراء يوحنا الدمشقي: John of Damascus (دمشق حوالي 650م - فلسطين حوالي 749م)

يوحنا منصور بن سرجون عام 650م او 676م في دمشق خلال حكم الدولة الأموية ونشأ في بلاط الخلفاء الأمويين، لكن نحو عام 690 ترك كل شيء ودخل دير القديس سابا في فلسطين بالقرب من القدس، حيث سيم كاهناً. بذل جهداً عظيماً في الدفاع بقلمه وبعظاته عن العقيدة المسيحية.

اهم مؤلفاته "منهل المعرفة" وايضا يقال "ينابيع المعرفة" ذكر فيه تعاليمه الأساسية اللاهوتية المسيحية وقال لوحى القرآنى البدع والهرطقات والزندقات. يريد ان نبى الإسلام لما ما فاز لحصول درجة الكنسية العليا فغضب واخترع هرطقة وبدعة وزندقة فى الدين المسيحي ووحيه ليس إلا أحلامه فى اليقظة تلقاها فى النوم وقال ايضا ان القرآن تأليف محمد الذى اخذ من اسفار العهد القديم والجديد و تعلم على يد الراهب الأريوسي المهرطق، وسماه هرطقة المسيحية

وقال أيضا للمسلمين "سراسين" (Saracens)، يعني الذين أبعدتهم سارة باحتقار إشارة إلى استبعادهم من رابطة الإبراهيمية التي جمعت أبناء سارة من اليهود والنصارى وكأن فيه سب وشتم للمسلمين بأنهم قوم بلا نسب معلوم. وتتلخص رؤية الدمشقي اللاهوتية للإسلام ونبيه.[27]

متبعوا يوحنا

واستمرت هذه التصورات اللاهوتية ليوحنا الدمشقي حول الوحى والقرآن الكريم إلى القرن العشرين مثلا فى:

"ترجمة القرآن" للمستشرق الإنجليزى جورج سيل (1697-1736) طبع 1734م، وصار مأخذا لمن بعده.

و"ترجمة القرآن" لودفيجو ماراتشى (Ludwigo Marracci, 6 October 1612-5 Feb 1700) واعدها فى اربعين سنة، وطبعت فى بادو، ايطالية 1698م.

وفی القرن التاسع عشر جوستاف ويلGustav weilألف "حيات محمد"طبع 1943م وHistorische Kritische Einleitung in den Koran يعنى "مطالعة القرن فى ضوء التنقيد التاريخي"طبع1944م

وبعد جوستاف ويل قام تلاميذه ألوي سبرنجر (AloySpernger,1813-1893)، ووليم ميوير (WilliamMuir, 1819 -1905)وسبرنجر وموير كلاهما عاشا عددسنين فى الهند ووجدواهناكثيرا من مصادر السيرة النبوية وألف كلاهما فى السيرة وأدخلافيها ايضا بحثا فى ترتيب سور القرآن وجمعه.

وثيودور نولدكة (TheodoreNoldeke,1836 -1930) ،وألف نولدكة على نزول القرآن وجمعه والتنقيد على تاريخ متن القرآن.

وبعد نولدكة تلاميذه فريدرك شفالى FriedrchSehwallyوجوثليف برجستراسر GotthelfBergstrasserقدما عمل استاذهما وزاد برجستراسرمجلدين فى كتابه "تاريخ متن القرآن" وبعده قام فى عام 1938م اوتو برتزل Otto Pretzlلإعادة النظر وإمعان النظر عليه وكان هذا مثالا لعزم التاون العلمي.

واجناز جولدتسيهر (IgnazGoldziher, 1850-1920)مجري يهودي، من كتبه تاريخ مذاهب التفسير الإسلامي. والعقيدة والشريعة. ولقد أصبح زعيم الإسلاميات في أوروبا بلامنازع.

وجوليس فلهازن Julius Wellhausen,1844- 1918كان مستشرقا من ألمان وعالما للكتاب المقدس.وقدم المقارنة بين الكتاب المقدس و العلوم الإسلامية وألف "محمد فى مدينة ترجمة للواقدى"طبع برلين1882م.و"MedinavordemIslam",1889

وليون كايتاني (LeonCaetani,1869-1935)كان عالما من ايطاليا،وماهرا فى السياسة والتاريخ للشرق الأوسط.وقدم البحث والموازنة فى المصادر المتعلقة بالقرآن واصله وأفكار الإسلامية فى ما بين1904م و1926م.

ودافيد سامويل مرجليوث (DavidSamuelMargoliouth,1885-1940). إنجليزي، متعصب، من مدرسته طه حسين وأحمد أمين، وله كتاب التطورات المبكرة في الإسلام صدر 1913م. وله محمد و مطلع الإسلام صدر 1905م وله الجامعة الإسلامية صدر 1912م.

و ريجس بلا شير RégisBlachère ,3o jun 190- 7 Agust 1973مستشرق من فرنسا،له 222تأليفات لها ألف طبعات فى 8 ألسنة.ألف "ألقرآن"يعنى ترجمة القرآن بإسم "Le Coran"وطبع 124 مرة فيما بين 1947م و2016م. واتبع فيه بلاشير لنولدكة فى ذكر آيات القرآنية حسب ترتيب النزول.واختص مجلده الأول لتعارف القرآن يعنى مقدمة القرآن بإسم "Introduction au Coran"طبع فى .Maisonneuve et Larose 1947 ذكر فيه جمع القرآن وإختلاف قراءات متنه وتاريخه وذكر النسخ القرآنية القديمة.

وقد تبعوهم في القرن العشرين الميلادي لتطوير آرائهم وتضخيم استنتاجاتهم آخرون ، مثلا ريتشارد بل(RitchardBell,1876-1952)وتلميذه وليم مونتجمري وات.

(WilliamMontgomeryWatt,14 March 1909-24 October 2006)

ألف بل ترجمة القرآن و مقدمته ومونتجمرى وات سهل لبيان مقدمة القرآن لبل و لين اسلوبه حسب تغير الوقت. وبل جمع جميع افكار المستشرقين المتقدمين من تصور الوحي وجمع القرآن وتدوينه وترتيب سوره وآياته حسب نزوله وكلماته الأجنبية وأسلوب القرآن والحروف المقطعات وقصص القرآن وغيره

وهؤلاء المستشرقون قاموا بأساليب مختلفة ليثبتوا أن القرآن الكريم ألفه محمد صلى الله عليه وسلم من عند نفسه.

و في القرن العشرين الميلادي في ربعه الأخير أظهر المستشرقون الأفكار الجديدة وجعلوا يثبتون أن القرآن ليس فقط تأليف محمد صلى الله عليه وسلم، بل إنه اتصل إلى شكله الحالي بطريق التدريج عبر تطورات وتعديلات تمت في القرنين الأول والثاني من الهجرة. والذين يليق ذكرهم من بين هؤلاء المستشرقين الحاملين بالأفكار الجديدة هم كما يلي:

ج. جون ادوارد. وانسبرة(John Edwerd Wansbourough,1928- 2002)، ألف في القرآن Quranic Studies: Sources and Methods of Scriptural Interpretation (Oxford, 1977) وهو ايضا يسعى ان يثبت ان القرآن مأخوذ من روايات المجتمع العربية التى كانت مركبا من روايات اليهود و النصارى الذين كانوا أقاموا فى بلاد العرب وقطعاتها المختلفة الذين حملوا معهم كتبهم الدينية فأخذ القرآن من رواياتهم وكتبهم ومصادرهم كما مضغوا القمة بعضهم من بعض وزعم المستشرقون أنه صلى الله عليه وسلم تعلم من بعضهم يعنى اليهود والنصارى.

وهذه كلها قياسات وخيالات فاسدة وظنون محضة بلا دليل وبلا ثبوت لأنه إن كان النبى صلى الله عليه وسلم أخذ من كتب اليهود والنصارى فمن أين جاء فى القرآن نظرية التوحيد ما يخالف كتب اليهود والنصارى الموجودة؟ ومن أين جاء فى القرآن ذكر ميت الفرعون حين كان لا يعلمه أحد فى العالم؟ وأما إنكارهم الوحى القرآنى فإنه ليس أمرا بديعا الذى لا مثال له من قبل، فأجاب الله تعالى فى القرآن وقال "قل ما كنت بدعا من الرسل"[28] يعنى ما كنت اول رسول الذى ما نزل قبله وحى بل انا رسول كما جاء من قبلى آلاف الرسل وليس فيه مجال التعجب والإنكار و قال الله تعالى "انا أوحينا اليك كما أوحينا إلى نوح والنبيين من بعده .."[29] فلماذا تعجبتم وانكرتم على نزول الوحى والقرآن على محمد صلى الله عليه وسلم.

وأندرو ريبين (AndrewRippin) ولد فى عام 1950م فى لندن وهو ماهر فى علوم الاسلامية فى كنداوهو استاذ فى مادة التاريخ و رئيس قسم العلوم الإنسانية Humanities فى الجامعة وكتوريا ،وبريطانية، وكولمبيا وكندا. وصنف عدة كتب حول القرآن وتفسيره.

وقد قام ببسط ادعاءاتهم وترويجها آخرون أمثال باتريشيا كرون (Patricia Crone,1945-2015) كانت مستشرقة امريكية المتخصصة فى التاريخ الاسلامى فى القرون الاولى، ومايكل كوك (Michael Cook) وهو استاذ باحث ومعاون لباتريشيا كرونو كلاهما يعملان فى المدرسة الإستشراقية والعلوم الأفريقية فى لندن فى 1977م كرون صنفت Hagarism:The Making of the Islamic world وفى 1987م صنفت Meccan Trade and the Rise of Islam وفى آخر حياتها الوظيفية ركزت نظرها حول القرآن والثقافة والرواجات والرسومات المذهبية فى العراق والفارس و قطعات الفارسية فى

"the Qur'an and the cultural and religious traditions of Iraq, Iran, and the formerly Iranian part of Central Asia. وسط آسیا"

وكينيث كراج (Kenneth Cragg)ولد فى 1913م و مات فى 2012م. وكان استاذا فى آكسفورد فى اللغة العربية والعلوم الإسلامية وفى 1970م عين اسقفا فى يروشلم وايضا الى 1974 معين فى كليسة مصر وبعده فى كليسة المشرق الاوسط وايضا عين قارئا للدراسات الدينية فى الجامعة ساسكس Sussex University وتقاعد من آكسفورد فى 1982م. فظهر من هذا انه كان حاملا لخلفية الدينية وكان يظهر آرائه حول الوحى والقرآن.

وتوبي ليستر (Toby Lester)ولد فى 1964م كان صحافيا امريكيا وعالما و مصنفا ومعظم عمله كان فى خرائط العالم وجغرافيته وفى 2009م هو صنف "الجزء الرابع من العالم" وهو يحقق به دور خريطة القرن الخامس عشر الذى جمعه ألمانيون ولقد صنف فى "دور الخرائط فى إكتشاف امريكا" وبعد النظر فى خريطة العالم توبى ليستر يبين العلاقة بين المسيح والإله والعلاقة بين المسيح والآدم. وفى ضوء الخرائط هو يبين خدمات علماء العلوم والحكماء والفلاسفة والأطباء من اهل العرب الذين ما داموا لكشف نصوص الكلاسيكية فى عهد اذا يظنونهم اهل الغرب ملحدين.

وما قال المستشرقون حول الوحى والقرآن كله كذب وبهتان على نبي الإسلام صلى الله عليه وسلم لأن بدأ الوحى كان فى مكة وكان فى مكة قريش الذين عارضوا الإسلام وكانوا غير نصارى فليس حاجة مست لتعلمه كتب اهل الكتاب ولأخذ لتعاليم من كتبهم ومصادرهم الأسفار القديمة والجديدة.

واما ما قالوا انه أخذ من ورقة بن نوفل أو غلامه ميسرة أو نسطورا راهب فكان لقائه معهم فى وقت مختصر لا يسع تعليما وتعلما واما إذا اصررتم انه تعلم منهم وألف القرآن من عند نفسه فقلنا ان كل احد من الناس يريد ان يحصل له شهرة ورفعة عظيمة ويكون بطلا عظيما ولما كانوا قدروا على تأليف كتاب معجز، فلماذا ما ألفوا كتابا عظيما مثل القرآن فأى شيئ كان مانعا لهم من حصول هذا الفضل العظيم.

والقرآن تحدى جميع فصحاء العالم وبلغائه ان يأتوا بسورة من مثله وادعوا شهدائكم من دون الله ان كنتم صدقين فلماذا ما قاموا بإتيانهم مثل القرآن ففى سكوت جميع العالم وعدم إتيانهم مثل القرآن دليل على انه ليس لأحد من الجن والإنس فى العالم طاقة ان يأتى مثل القرآن وان يؤلف مثله من عند نفسه فكيف يقال ان محمدا صلى الله عليه وسلم ألف القرآن من عند نفسه فثبت ان قولهم بتأليفه القرآن هذا كذب محض وإفتراء عظيم وقول بلا دليل.

والغرب كله، ومثل يوحنا الدمشقى وأتباعه بعده إلى الأن لم يفهموا الوحى والقرآن ولم يصيبوا إلى روح القرآن وجوهر حقيقة الوحى. ووجهه أن مدار فهمهم على الحواس والمشاهدة وهم يقيسون افعال الله تعالى على افعالهم وقوة الله على قوتهم واذا لم يقدروا على أمر، يعتقدوا ان الله ايضا غير قادر عليه مثلهم فهذه مشكلتهم فى هذا الأمر.

والوحى أمر لا يقدر الحواس على اطلاعه لان هذا أمر ما فوق الفطرة وما بعد الطبعيات ولا يعلمه ولا يطلع عليه الا الله ورسله فقط والناس مأمورون على الإيمان عليه ولا سبيل للناس ولا قدرة لهم على إطلاعه لأن منتهى دائرة الحواس محدود ولا يقدر الحواس الذهاب والإطلاع ورائه كما قال الله تعالى "لا تدركه الأبصار وهو يدرك الأبصار"[30] ولهذا الوجه والسبب حرم عن الإيمان كثير من الناس، الكفار والمشركون لأنهم اصروا ليفهموا ما بعد الطبعيات بحواسهم وعقلهم القاصرة عن فهمها كما قال الله تعالى "إن الذين كفروا سواء عليهم

ءءتذرتهم ام لم تنذرهم لا يؤمنون* ختم الله على قلوبهم وعلى سمعهم وعلى أبصارهم غشاوة ولهم غذاب عظيم* وقال الله تعلى "وقالوا قلوبنا غلف، بل لعنهم الله بكفرهم فقليلا ما يؤمنون.

والذين تمسك يدهم قسمتهم العليا، رفعوا اقدامهم إلى التسليم ففازوا درجة الإيمان والإيقان. ومن النصارى المهتدين للإسلام العديد من اللاهوتيين مثلا:

الحسن بن أيوب، كان من احد كبار علماء النصارى، له كتاب "لماذا اسلمت؟ طبع مكتبة الناصرة،

وعلى بن سهل ربن الطبرى (770م-870م) 164ه، له كتاب "الرد على اصناف النصارى"،

وإبراهيم خليل أحمد، ولد فى الاسكندرية سنة 1919م، وله كتب "محمد صلى الله عليه وسلم فى التوراة والإنجيل والقرآن، إسرائيل والتلمود دراسة تحليلية، الصلب وهم أم حقيقة؟

ونصر بن عيسى بن سعيد المتطبب، المتطبب هو: نصر بن يحيى بن عيسى بن سعيد المتطبب، كان نصرانياً فأسلم، واشتهر بالمهتدي، من نصارى البصرة، وكان طبيباً وأديباً، لا يعرف سنة ولادته، عاش بعد سنة 449 هجرية، كان عالماً بديانة قومه، أسلم بعد نظر وبحث وروية، كتب رسالة في الرد على النصارى سماها: النصيحة الإيمانية في فضيحة الملة النصرانية، كانت وفاته بالبصرة في شهر رمضان سنة 589 هجرية (انظر: كشف الظنون 2/1957-1958، وهدية العارفين 2/492، ومعجم الأدباء 20/40-41، وعيون الأنباء 2/330-329، وانظر ترجمة وافية للمتطبب د. محمد السحيم مسلموا أهل الكتاب 1/191-200)

وعبد الأحد داود، 1667م-1940م ولد فى أرومية حاليا فى ايران، واسمه السابق ديفيد بنجامين كلدانى Devid Benjamin Keldani كان استاذا فى علم اللاهوت وقسيس لطائفة الكيلدان الكاثوليك، له كتاب "محمد فى الكتاب المقدس" تقبل الإسلام فى استانبول. يبين عبد الأحد داود عن دوافع اسلامه:

ان إهتدائه للإسلام لا يكون سوى عناية الله وهدايته والا كل القراءات، والأبحاث وجميع الجهود للوصول إلى الحقيقة كانت قاصرة وغير كافية. ولحظة الإيمان با الله وبنبيه صلوات الله عليه اصبحت نقطة التحول إلى السلوك النموذجي المؤمن.

وذكر عصيان الكنيسة يعنى طلبها الشفاعة للإيمان وللخلاص من من الجحيم وغيرها ورهبان الكنيسة شفعاء مطلقون كأن كل منهم إله.

وايضا يذكر ان عقيدة الصلب ينكرها القرآن والإنجيل المتداول يثبتها وكلاهما فى الأصل من مصدر واحد فالإختلاف بينهما غير طبيعي لأن هذا تضاد بينهما فيلزم على احدهما حكم التحريف وبعد المقارنة بين قصصهما يصل الباحث إلى نتيجة أن قصة قتل المسيح وصلبه ثم قيامه بين الأموات قصة خرافية، فثبت منه أن القرآن قائم إلى الأن على الوحى الأصلي كما نزل، والإنجيل وقع فيه التحريف من الناس. وذكر ايضا ان عقيدة التثليث بنفسها يثبت أنها ليس من الوحى الإلهى بل هو كذب وتحريف لأن بهذه العقيدة يلزم ان صفة الألوهية للمسيح كان موجودا قبل ولادته يعنى الصفة تسبق الموصوف بأن صفة الألوهية كان موجودا حين عدم الموصوف وهو ضحكة وخلاف الحقيقة وهو غير ممكن. فثبت به أن الوحى القرآني موجود وفق الحقيقة محفوظ وصادق إلى الأن. لأن القرآن يقدم عقيدة التوحيد "وإلهكم إله واحد لا إله إلا هو" وهو عين الحقيقة لا تضاد فيه.

قال عبد الأحد داود: بعد اعتزاله من الدنيا شهرا كملا وبعد اعادة قراءة الكتب المقدسة بلاتها القديمة و بنصوصها الأصلية أخيرا وصل إلى الحقيقة أن موقف الكتب المسيحية المتداولة غير حقيقي وغير صحيح. وموقف الوحى الإلهى القرآني هو الصحيح فأمن فى مدينة استانبول وقال "لا إله إلا الله محمد رسول الله" فلله

الحمد وقال: وأنا مقتنع بأن السبيل الوحيد لفهم معنى الكتاب المقدس وروحه ، هو دراسته من وجهة النظر الإسلامية" وله الكتب: "محمد فى الكتاب المقدس" و "الإنجيل والصليب"

وأبو محمد عبدالله بن عبدالله الترجمان الميورقي 1355م- 1423م ولد فى ميورقة كان قسيسا نصرانيا واسمه كان إنسيلم ترميدا او تورميدا ، ثم اسلم وله تأليف "تحفة الأريب فى الرد على اهل صليب" وكان وزيرا فى تونس وتوفى فيها ودفن هنالك.

وكل من المهتدين ما ترك المسيحية إلا بعد إدراكهم جوهر حقيقة الوحى القرآني فاختاروا الطريق الأصوب والأليق والأجدر بالإتباع.

وأما الذين أنكروا حقيقةَ الوحى القرآنى من اللاهوتيين النصارى ليس أنهم الأغبياء أو الجهلاء بل هنا أسباب وأمور أخرى حال بين فكرهم اللاهوتي وبين إقرار الوحى القرآنيو من تلك الأمور:

1- أن الوحى القرآني هدد للسلطان الكهنوتي للاهوتيين، وسلطانهم هذا أعطاهم القداسة والعصمة وحق التشريع وإقرار العقائد وتقنين الكتب المقدسة، مما نبه عليه القرآن فى قوله تعالى "إتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله والمسيح ابن مريم وماأمروا إلا ليعبدوا إلها واحدا لاإله إلاهو سبحانه عما يشركون*[31] وقال السيوطى فى تفسير قوله تعالى "أربابا من دون الله "حيث إتبعوهم فى تحليل ما حرم الله وتحريم ما أحل الله[32]. وهذا التفسير مأخوذ من الحديث لما سئل عدى بن حاتم (كان قبل الإسلام نصرانيا) فقال :ما عبدوهم يا رسول الله، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أما أنّهم لم يكونوا يعبدونهم، ولكنهم كانوا إذا أحلّوا لهم شيئاً استحلوه وإذا حرموا عليهم شيئاً حرموه[33]

2 - الأمر الآخر الذى حال بين فكر اللاهوتيين و إقرارهم للوحى القرآني ،هو ان القرآن أبطل أسس اللاهوت النصرانى التى أقام عليها اللاهوتيون بناء فكرهم يعنى ألوهية المسيح، وبنوة المسيح لله، والتثليث، وعقيدة الصلب والفداء[34]، وكذلك فضح القرآن لتحريف اللاهوتيين للعهد الجديد بإقرارهم كتباً ورسائل مقطوعة السند ومضطربة المتن.

3–والأمر الآخر لإنكارهم للوحى القرآني هو اتجاههم فى دراسة القرآن الكريم فى ضوء تجربة علم نقد كتاب المقدس Biblical Criticism كما مضوا فى تجرباتهم فى مراكز البحوث الغربية بمناهج البحث من مقارنة الأديان وعلم تاريخ الأديان وغيره والنقد عليها حسب المنهج العلمي. واستعاروا المنهج فى العلوم الإنسانية والإجتماعية لدراسة الإسلام والقرآن ووحيه وطبقوا مناهج ابحاثهم ودراسات اليهودية والنصرانية لنقد الكتاب المقدس العهد القديم والعهد الجديد[35] على دراسات القرآن[36] وظهر النقد على الكتاب المقدس فى القرن الثامن عشر. وحصل المستشرقون التخصص فى دراسات نقد الكتاب المقدس ودراسات نقد القرآن الكريم واخذوا نظرية تعدد مصادر التوراة و الإنجيل من دراسات القرآن لما اظهر القرآن ان اليهود والنصارى حرفوا وبدلوا فى كتبهم الدينية[37] ولما نقدوا على الكتاب المقدس تاريخه وجمعه ونصه وتعدد مصادره فطبقوا هذا المنهج على دراسة القرآن فادعوا ان القرآن له تاريخ وان الإسلام له تاريخ. والقصد خلفه بالتاريخ هو سعى لإثبات التراميم فيه والزيادة والنقصان وعدم حفظ نصه والقصد ايضا خلفه هو أن القرآن ليس وحى إلهي بل هو من صنع البشر.

والحقيقة أن القرآن ليس له تاريخ وعهد الوحى القرآنى من بداية الوحى إلى نهايته هو ثلاثة وعشرين عاما لا يكون تاريخا لايجوز أن يقال له تاريخ النص القرآني. والتوراة فلها تاريخ النص التوراتى قريبا من

ثمانمائة عام من نزول الوحي فى زمن موسى عليه السلام فى القرن الثالث عشر ق م إلى زمن إخضاع هذا الوحي للكتابة والتدوين على يد عزراء الكاتب فى منتف القرن الخامس ق م. فتغير فيه شكل النص من نص مكتوب إلى نص شفوى على مدى ثمانية قرون كما قال الله تعالى "وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ "[38] وقوله تعالى "فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ "[39] وقوله تعالى "فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ "[40] و قوله تعالى "يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا [41] وههنا أمر أهم أن الإسلام والوحى شيئ واحد فكما لا تاريخ للوحى هكذا لا تاريخ للإسلام فالتاريخ الموجود هو تاريخ المسلمين لا تاريخ الإسلام فيجب عدم الخلط بين الإسلام وتاريخ المسلمين. وأهل أوروبا إلى القرن السادس عشر كانوا يعتقدون أن كتبهم الدينية وحى من الله ومن بداية منتصف القرن السادس عشر أثاروا فيها الشكوك والشبهات فى دراسات الدينية فأخذ الغربيون يشككون فى معتقداتهم الدينية حتى يقول فرانسس بيكون (1565م-1626م) "قد لا أعتقد بجميع القصص والأساطير التى جاءت بالكتب الدينية ولكن لا يمكن ان أعتقد بعدم وجود عقل مدبر لهذا العالم. إن القليل من الفلسفة ينزع بعقل الإنسان إلى الإلحاد ولكن التعمق فيها ينتهى بعقول الناس إلى الإيمان... بوجود العناية الإلهية"[42]

المستشرقون حرفوا وغيروا فى حقيقة تصور الوحى القرآني فتارة يقولون: "إنها نوبات الصرع كانت فتصيب النبى فيغيب عن صوابه ويسيل العرق منه وتعتريه التشنجات، فإذا أفاق ذكر أنه أوحى إليه"[43] وتارة يقولون انه حدس أو إلهام أو أوهام أو هستيريا أو أمراض أخرى كان انبى صلى الله عليه وسلم يتصورها وحيا إلهيا وينقلها لأصحابه على هذا الأساس[44] و مستشرقو قرون الوسطى زعموا أن النبى محمدا صلى الله عليه وسلم لم يكن نبيا ورسلته كانت مبنية على المصالح الدنيوية والشخصية والقرآن مجموعة الخرافات المستعارة من التوراة بشكل مشوه وأن كلام الله من خلال القرآن [45] فالجواب من "نوبات الصرع" أن هذا القول بعيد من العقل السليم جدا لأن نوبة الصرع تمحو كل ذكر عن ذهنه ويصيبه النسيان التام بعد الإفاقة ايضا ولا يذكر شيئا مما صنع أو حل به خلالها لأن حركة الشعور والفكر تتعطل بتمامها.

والنبى صلى الله عليه وسلم ما اصابه شيئ مثله إثناء الوحى وما زال منه وما غاب عنه شعوره وعقله وحواسه المدركة بل كان يتنبه تنبها تاما مستعدا مستيقظا بيقظة عادية ويذكر اصحابه بعد حالة نزول الوحى كل ما يتلقاه إثناء الوحى وكثيرا ما يأتيه الوحى وهو فى يقظة كاملة ورد وليم ميور أيضا على قائلى نوبات الصرع [46] والنبى صلى الله عليه وسلم حفظ كل آية وجميع كلمات الوحى بتمامه الذى وجد إثناء نزول الوحى وتذكر وتلا وقرأ بالصحة وقال لكاتبى الوحى أن يضعوه فى اسورة فلان وقبل آية فلان وبعد آية فلان وبعد ذالك ايضا يتلوه فى صلواته فثبت أن قول نوبات الصرع، كذب وفرية وبهتان.

فإنكار المستشرقين الوحى القرآني كان من تعصب وعناد ولا يتصور العقل السليم مثل هذا القول، فأنهم أفشوا هذه الهفوات فى الناس ميبعدوا عن القرآن والإسلام ولكن اهل العقل السليم لم يعطوا أىَ أهمية لأقوالهم لان الله تعالى قال ووعد بنبيه صلى الله عليه وسلم بقوله: " يريدون ليطفئوا نور الله بأفواههم والله متم نوره ولو كره الكفرون[47]

الهوامش

1- يونس15:10
2- النجم4:53
3- أبو القاسم الحسين بن محمد المعروف بالراغب الاصفهانى،موقع يعسوب مفردات غريب القرآن ص 515
4- القصص7:28
5- المائدة111:5
6- النحل68:16
7- بدر الدين عينى ،عمدة القارى شرح البخارى، دار الطباعة العامرة ،استنبول ،1308 ه، ج1 ص 1
8- رشيد رضا،الوحى المحمدى ،المنار القاهرة 1357ه ص 44
9- والنجم10:53
10- الشعراء26 :192 - 195
11- أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني،المصنف ،المكتب الإسلامى،بيروت 1403ه،باب القدر،ج 11 ص 25
12- الشورى: 51
13- عياض بن موسى بن عياض المالكي، القاضي أبو الفضل، مشارق الأنوار على صحاح الآثار، المكتبة العتيقة ودار التراث
14- القرطبى ، شمس الدين ابو عبدالله محمد بن احمد بن ابى بكر،الجامع لأحكام القرآن الكريم ،دار الكتب المصرية 1358ه ج 1 ص 38
15- الفرقان25: 5-4
16- الحاقة:41،42
17- يس69:36
18- الفرقان1:25
19- الواقعة80:56
20- الشعراء195:26
21- سر سيد احمد خان،تفسير القرآن ، دوست ايسوسى ايٹس ،الكريم ماركيٹ ،اردو بازار لاہور،2004 ، ص 29- 35
22- Sale,G. The Koran; Commonly Called Al-Quran, with a Preliminary Discourse (first published, 1734), 2vols, Thomas Daviso, Whitefriars, London, 1825, p.88
23 Arthur Jeffery, Islam, Muhammad and his religion, Indiana,1979, p.47
24 William Muir, The Coran,chapt.1,The Coran as explained by The Life of Mahomet,Societyfor promoting Christian Knowledge, London,1878, p 1
25- إجنيس جولد تسهير1850م-1921م، العقيدة والشريعة،ترجمه الدكتور محمد يوسف موسى مع رفقائه، أستاذ جامعة عين الشمس بالقاهرة،طبع دارالكتاب العربى بمصر،1909م.ص 11-12
26- Richard Bell,Introduction to The Quran.EdinburghUnivesity Press,(first printed 1953),1958,p. 1.-- William Montgomery Watt, Bell's Introduction

to The Quran, ch: The Historical context, the international situation, Edinburgh University Press (first published 1970),1990, P. 1.

27- دانييل ساهاس، جدل يوحنا الدمشقي مع الإسلام، ص: 123 ـ 128، مجلة الاجتهاد ـ بيروت، عدد (28) السنة السابعة (1416هـ ـ 1995م). – Kotter B, Johanmes von Damaskus, pp. 127 – 132, TheologischeRealenzyklopadie XVII: London – New York – Bonn, (1988).

28- المجادلة9:58

29- النساء163:4

30- الأنعام103:6

31- التوبة31:9

32- جلال الدين السيوطى،تفسير الجلالين،دار الحديث القاهرة، مصر،التوبة 31

33- محمد بن عيسى الترمذي ـ الجامع ، دار الغرب الإسلامي ، كتاب التفسير ، بيروت، 1998 م، تفسير سورة التوبةرقم: 3095.

34- كما فى سورة النساء خصوصا فى ثلاث ركوعات من آخرها

35- G.W. Anderson, A Critical Introduction to the Old Testament, Prentice-Hall Inc., N.Y., 1959.p 29-51

36- محمد خليفة حسن،تاريخ الأديان ، دراسة وصفية مقارنة،دار الثقافة، القاهرة 2002، ص 20–22،ومقدمة تاريخ نقد العهد القديم من أقدم العصور حتى العصر الحديث، تحرير زالمان شازار، ترجمة أحمد هويدي، تقديم ومراجعة محمد خليفة حسن،المجلس الأعلى للثقافة، العدد 204، القاهرة 2000، ص3–13.

37 Hava Lazarus-Yafeh, InterwinedWorlds, Medieval Islam and Bible Criticism, Princeton Univ. Press, Princeton, New Jersey, 1991, p. 19 – 20, 63 – 64, 130, 136 -137, 139 – 141.

38- البقرة75:2

39- البقرة79:2

40- المائدة13:5

41- المائدة41:5

42- ول ديورانت ، قصة الفلسفة ،مكتبة المعارف بيروت ،1988م ،ص:147.

43- غوستاف لوبون،حضارة العرب،ترجمة عادل زعيتر،مطعة الحلبى،مصر،1964م، ص 114.

44- مشتاق بشير الغزالى، نظرة تحليلية لكتاب حياة محمد لوليام ميور،بحث منشور فى مجلة السدير،كلية الآدابجامعة الكوفة،النجف 2003م،العددالأول ، ص 154. و رونالد Dermengham, The Life of Mohammed, N.Y. Dial Press-1930, P 135-136. فكتور بودلى،حيات محمد الرسول،ترجمة عبدالحميد جودة السحَار ومحمد محمد فرج،القاهرة،1963م، ص 52- 53.

45- هشام جعيط،أوروبا والإسلام،ص 13.

46- Sir William Muir,The Life of Mohammad,Smith Elder and co,65, Cornhill,London,1961,P.14-29.53-52 و بودلى،حياة محمد الرسول، ص 52-

47- الصف8:61

OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
mei.aiou.edu.pk
iri.aiou.edu.pk

الاستعارة والكناية وشواهدهما في آيات الجهاد (دراسة وتحليل)

(Examples of *Al-Isteaarah* (Assimilation) &*Al-Kenaayah*(Metonymy) in the *Jihad* Verses)

* الدكتور محمد إسماعيل بن عبد السلام
الأستاذ المساعد بقسم اللغة العربية وآدابها، بالجامعة الوطنية للغات الحديثة -إسلام آباد
** الدكتور نور حيات خان
الأستاذ المشارك بقسم الدراسات الاسلامية بالجامعة الوطنية للغات الحديثة -إسلام آباد

ABSTRACT

The Holy *Quran* is miraculous book in terms of word, meaning and order, as it is the word of the Great *Allah* and His knowledge is familiar with all words in the shape of single words, compound words, meanings, synthesis and composing of all the letters, words and the sentences composed of nouns, verbs and particles. *Allah* is all – knowing, comessant and the all powerful and He is able and He knows all the thing and has counted everything.

Imam RagibI asfehani says that the Quranic words are the essence of the *Arab's* speech and narrations. Jurisprudent and the scholars have relyed on the words of the Holy *Quran* in their passing judgments and decisions. the poets and rhetoricians have used a Quranic vocabulary in their prose and poetry and derived nouns. The literary people depending on the language of *Quran* in composing their poems and prose and all the other things is nothing. It is a matter of fact that the Holy *Quran* has protected all kinds of sciences of rhetoric and eloquence as we see the Arabic grammar is alive due to the Holy *Quran*. Such case is with the sciences of rhetoric. They exist and really appear in all the verses of the Holy *Quran*. I have tried my best to mention all the two kinds of science of rhetoric *al-baayan*, *al-isteaarah*, (assimilation) *andal-kenaayah* (metonymy).I have pointed out them in all the verses related with *Jihad*. I have also stated the definition of these two terms of *ilm-ul-bayan*.

Keywords: *Al-Isteaarah*, (assimilation) & *Al-Kenaayah* (metonymy)

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله أما بعد:

فلا شك أن القرآن الكريم معجز من حيث اللفظ والمعنى والنظم لأنه كلام الله العظيم وعلمه تعالى محيط بجميع المفردات والمركبات والمعاني والنظوم والتأليف بين سائر الحروف والألفاظ والكلم والجمل من الأسماء والأفعال والحروف كلها، وهو عليم خبير.

يقول الإمام الراغب الإصفهاني:

"فألفاظ القرآن هي لبّ كلام العرب وزبدته، وواسطته وكرائمه، وعليها اعتماد الفقهاء والحكماء في أحكامهم وحكمهم، وإليها مفزع حذاق الشعراء والبلغاء في نظمهم ونثرهم، وما عداها وعدا الألفاظ المتفرعات عنها والمشتقات منها. هو بالإضافة إليها كالقشور والنوى بالإضافة إلى أطايب الثمرة وكالحثالة والتبن بالإضافة إلى لبوب الحنطة."[1]

وهذه البلاغة القرآنية تتجلي في آيات الجهاد فاخترت موضوع بحثي "الاستعارة والكناية وشواهدهما في آيات الجهاد" وقسمته إلي تمهيد ومبحثين وخاتمة وتشمل الخطة بما يلي:

التمهيد يشتمل علي معني البيان لغة واصطلاحا

المبحث الأول: الاستعارة وأمثلتها وشواهدها في آيات الجهاد

المبحث الثاني: الكناية وأمثلتها وشواهدها في آيات الجهاد

التمهيد

البيان في اللغة

إن كلمة البيان تدل في اللغة على معان عدة مثل: الكشف والوضوح والإيضاح والإفصاح يقال فلان أبين من فلان أي أوضح كلاما منه. والبيان في اللغة العربية كما عرّفه ابن منظور:

"الفصاحة واللَّسَن، وكلام بيِّنٌ فصيح، والبيان الإفصاح مع ذكاء"[2]

وفي هذا الصدد يقول الفيروز آبادي: "البيان هو الإفصاح مع ذكاء".[3]

(البيان) لغة: الكشف والظهور.[4]

وورد لفظ البيان ومشتقاته كثيراً في القرآن، كما قال الله تعالى: ﴿كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ﴾[5] وقال تعالى في مقام آخر: ﴿يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ﴾[6] فالمبين في هذه الآيات هو الله تعالى، وقوله تعالى: ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾[7] من غير هذه الآيات الكريمة نجد لفظ البيان يدل على الظهور والكشف والإيضاح والإفصاح، فالله عزوجل يبين آياته للناس، فيوضّحها ويكشفها، فلا يوجد فيها أي غموض وإبهام. والرسول ﷺ يوضح ما ينزّله الله فيشرحه، ويهدي إلى ما فيه من أسرار ورقائق، وقد يكون الرسول ﷺ موضّحا لمبهم، أو مفصلا لمجمل لهذا البيان. وفي الأحاديث الشريفة ما يدل على ذلك في قول النبي ﷺ ﴿إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا﴾.[8]

البيان في الإصطلاح

عرفه الإمام الطيبي بقوله: "هو معرفة إيراد المعنى الواحد في الطرق المختلفة الدلالة بالخفاء على مفهومها تفاديا عن الخطأ في التطبيق لتمام المُراد".[9] هو علمٌ يُعرف به إيراد المعنى الواحد بطرق مختلفة في وضوح الدلالة عليه.[10]

وإنما قُيِّدَت الطرق المختلفة بوضوح الدلالة لتخرج الألفاظ المترادفة فعلى الرغم أن الطرق مختلفة لإيراد المعنى الواحد إلا أن اختلافها في اللفظ لا في وضوح الدلالة.[11] فمثالها: أسد، ليث، غضنفر لا تدل على وضوح الدلالة بطرق متعددة إنما هي مترادفات بنفس المعنى. ومثال طرق البيان: رأيت محمدا الكريم، فنعبر عنه بطرق مختلفة من مثل:

محمد كالبحر في كرمه	التشبيه
اكتحلت عيناي برؤية محمد	استعارة
لمحمد بيت كريم	مجاز
محمد كثير الرماد	كناية

ومن خلال هذه التعريفات بين لنا أن البيان في الإصطلاح قريب من المعنى اللغوي. وعلي هذا فموضوعات علم البيان هي (التشبيه[12] والمجاز[13] والإستعارة والكناية) وهي التي توضح دلالة المعنى. فنذكر أمثلة للصور البيانية في آيات الجهاد.

المبحث الأول: الاستعارة وأمثلها وشواهدها في آيات الجهاد

الاستعارة لغة

هي مصدر الفعل استعار، وانطلاقا من القاعدة الصرفية القائلة: كل تغيير في المبنى تغيير في المعنى، "إن زيادة السين والتاء على الأصل عار تفيد الطلب، أي طلب العارة والعارة ما تداولوه بينهم، وقد أعاره الشيء وأعاره منه وعاوره إياه، والمعاورة والتعاور: شبه المداولة والتداول في الشيء يكون بين اثنين".[14]

الاستعارة في الاصطلاح

تنال الاستعارة اهتمام البلاغيين منذ نشأتها وحتى عصرنا الحديث، فهم يعملون على دراستها، وتعريفها، وإظهار حسنها، وبيان بلاغتها ويتبارون في تقسيما، وتوضيح الهدف منها، وبيان علاقتها بغيرها من الصور البلاغية الأخرى، وكل منهم يتناولها بمنظوره الخاص، وإن كانت الصورة في مضمونها واحدة لدى الجميع فهي بمنظور الرماني: "تعليق العبارة على غير ما وضعت له في أصل اللغة على جهة النقل للإبانة".[15]

قال أبو هلال العسكري: "الاستعارة نقل العبارة من موضع استعمالها في أصل اللغة إلى غيره لغرض، وذلك الغرض إما يكون شرح المعنى وفضل الإبانة عنه أو تأكيده والمبالغة فيه أو الإشارة إليه بالقليل من اللفظ أو تحسين المعرض الذي يبرز فيه"[16]

أهم أنواع الاستعارة

الاستعارة التصريحية

"هي التي حذف فيها المشبه وصرح بالمشبه به".[17]

الاستعارة المكنية

"حذف فيه المشبه به وأشير إليه بذكر لازمه المسمى فاستعارة مكنية."[18]

الاستعارة التمثيلية

يقول عبد القاهر الجرجاني: "وأما التمثيل الذي يكون مجازا لمجيئك به على حد الاستعارة فمثاله قولك للرجل يتردد في الشيء بين فعله وتركه: (أراك تقدم رجلا وتؤخر أخرى)".[19]

أمثلة وشواهد الإستعارة التصريحة في آيات الجهاد

كما قال الله تعالى: ﴿وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ﴾[20]

التصريحية الأصلية: فهذا هو أصل إطلاق الشوكة، وعلى ذلك ففي الآية استعارة لحدة السلاح في طائفة النفير، فقد شبهت حدة سلاحهم بإبر الشوك بجامع شدة التأثير فيهما، ثم حذف المشبه، وصرح بلفظ المشبه به، وذلك على سبيل الاستعارة التصريحية الأصلية، والطرفان في هذه الاستعارة حسيان، فحدة السلاح من سيوف ورماح مرئية، محسوسة الأثر، وأطراف الشوك كذلك.[21]

التصريحية التبعية: وقوله تعالى ﴿وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ﴾ الجملة معطوفة على ﴿يُحِقَّ الْحَقَّ﴾ فهي من مراد الله ﷻ، وكأن تثبيت الحق وإظهاره قائم على محق الكافرين، ولذلك بدأ بذكر الأول ثم عطف الثاني عليه، فبدأ بالأهم، ورتب ثباته على زوال النابذ له، وهم الكافرون. وعلى هذا فالقطع مستعار للإفناء، فقد شبه إفناء الكافرين بالقطع بجامع الاستئصال في كل منهما، ثم اشتق من القطع الفعل المضارع يقطع على سبيل الاستعارة التصريحية التبعية.[22]

قوله تعالى: ﴿فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّى إِذَا أَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا﴾[23] الاستعارة التصريحية فيقوله تعالى ﴿حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا﴾ حيث استعار الأوزار لآلات الحرب وأثقالها التي لا تقوم إلا بها كالسلاح والكراع، و يمكن أن تكون استعارة مكنية، بأن شبه الحرب بمطايا ذات أوزار أي أحمال ثقال، وإثبات الأوزار تخييل.[24]

أمثلة وشواهد الإستعارة المكنية في آيات الجهاد

قال الله تعالى: ﴿وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ﴾[25]

الاستعارة المكنية والاستعارة في دَابِرَ فتكون مكنية، وذلك بأن يقال: شبه دابر الكافرين بعضو فاسد بجامع استحقاق الإزالة في كل منهما، ثم حذف المشبه به ودُلّ عليه بلازم من لوازمه وهو القطع، وذلك على سبيل الاستعارة المكنية.[26]

أمثلة الاستعارة التمثيلية في آيات الجهاد

وقوله تعالى: ﴿الْآنَ خَفَّفَ اللهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِئَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللهِ وَاللهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾[27]

الاستعارة التمثيلية وفي تنكير كلمة (صابرة) تبين الاستعارة التمثيلية عظم الموقف وفخامته من خلال تفخيم الصبر الذي يحتاجه المؤمنون ليثبتوا في المعركة. وأبدعت الاستعارة التمثيلية فصوير أهمية الصبر عند القتال، وذلك بحسن اختيارها للألفاظ والأساليب التي وظفتها لتمثيل المعنى المراد.[28]

المبحث الثاني: الكناية وأمثلها وشواهدها في آيات الجهاد

الكناية في اللغة

عرفها ابن منظور بقوله: "أن تتكلم بشيء وتريد غيره، أو أن تكلم بما يستدل به عليه وهي مصدر كنى يكنو أو كنى يكني وكنيت عن كذا بكذا إذا تركت التصريح به، وهي على ذلك ضد التصريح".[29]

الكناية في الاصطلاح

عرفها السكاكي بقوله: "ترك التصريح بذكر الشيء إلى ذكر ما هو ملزومه لينتقل من المذكور إلى المتروك."[30]

وعرفها الخطيب القزويني بقوله: "لفظ أريد به لازم معناه مع جواز إرادة معناه الأصلي حينئذ."[31]

أقسام الكناية

توصلت جهود البلاغيين في نهاية المطاف حول الكناية إلى تقسيمها باعتبار إلى ثلاثة أقسام هي المكنيّ عنه:[32]

أ- الكناية عن الصفة: وهي التي يكون المكني عنه صفة

ب- الكناية عن الموصوف: وهي التي يكون المكني عنه موصوفا

ت- الكناية عن النسبة: وهي التي يكون المكني عنه نسبة

مثال الكناية عن الصفة في آيات الجهاد

كما قال الله تعالى: ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾[33] ﴿وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ﴾ الكلام كناية عن قلة عددهم وعدتهم وما كان بهم من ضعف الحال، و ذلك أنهم خرجوا على النواضح يعتقب النفر منهم على البعير الواحد، وما كان معهم إلا فرس واحد.[34] وقول الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ﴾[35] فالأدبار جمع دبر وهو الخلف ويقابله القبل وهو القدام ويكني بهما عن السوءتين، ففي قوله تعالى: ﴿تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ﴾ كناية عن الهزيمة لأن المنهزم يجعل خصمه متوجها إلى دبره ومؤخره وذلك أعون له على إدراكه وقتله.[36]

وقول الله تعالى: ﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾[37]

الكناية في قوله تعالى "عَنْ يَدٍ" كناية عن الانقياد أي عن يد مؤاتية غير ممتنعة لأن من أبى وامتنع لم يعط يده بخلاف المطيع المنقاذ.[38]

ومثال الكناية عن الموصوف في آيات الجهاد

وقال تعالى ﴿وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[39]

وفي قوله تعالى: ﴿يَوْمَ الْفُرْقَانِ﴾ كناية عن موصوف يوم بدر لأن الله فرق فيه بين الحق والباطل وبين الإيمان والكفر وهذه الغزوة كانت في السنة الثانية من الهجرة وهي أول معركة وقعت بين المسلمين والمشركين ولهذا سمي يوم الفرقان.

الكناية عن النسبة ومثاله: كقوله تعالى: ﴿وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَى فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾[40] كنى بالتحيز عن الهزيمة. والكراهة هنا كناية عن لوازمها وهي

الاستعداد لمقاومة المراد من تلك الإرادة فإن المشركين بكثرة عددهم وعُددهم يريدون إحقاق الباطل وإرادة الله تنفذ بالرغم على كراهة المجرمين، وأما مجرد الكراهة فليس صالحا أن يكون غاية للمبالغة في أحوال نفوذ مراد الله تعالى إحقاق الحق: لأنه إحساس قاصر على صاحبه ولكنه إذا بعثه على مدافعة الأمر المكروه كانت أسباب المدافعة هي الغاية لنفوذ الأمر المكروه على الكاره.[41]

الخاتمة: وهي تشتمل علي النتائج التي وصلت اليها خلال هذا البحث وهي كالآتي

لاحظنا في أثناء هذا البحث أن التشبيهات الواردة في آيات الجهاد تتناسب مع مضمون الآيات ونظمها وترتبط بمعاني الجهاد وبصفات المجاهدين. لقد امتازت الاستعارة في آيات الجهاد باللفظ المعبر عن معاني الجهاد وبالتصوير المؤثر وبالإيجاز الذي بلغ الغاية في الإعجاز.

وكان للتصوير الكنائي في الميدان الجهادي النصيب الأوفى في رسم مواقف الأعداء وتحديد معالم شخصياتهم وكشف بواطن خفاياهم والسخرية بهم.

وبعد هذه الدراسة التي تمت بتوفيق الله تعالى فإننا نلفت أنظار مسؤلي الجامعات وخاصة الجامعات الاسلامية بإدراج تدريس موضوع البلاغة القرآنية ضمن مفردات المناهج المقررة، وذلك لتوعية الطلاب المنتسبين إليها، كما نوصي شعوب هذه الأمة بالرجوع إلى القرآن الكريم والسنة النبوية.

وفي الأخير نشكر الله سبحانه وتعالى أنه وفقنا لإتمام هذا البحث وما كان فيه من الحسن فمن الله، وما كان فيه من التقصير فمن أنفسنا والكمال لله سبحانه وتعالى فقط، وهو حسبنا ونعم الوكيل.

الهوامش

1 - الحسين بن محمد بن المفضل المعروف بالراغب الأصفهاني أبو القاسم ،مفردات ألفاظ القرآن، ، دار القلم دمشق، ص/55
2- محمد بن مكرم بن منظور الأفريقي، لسان العرب، دار صادر بيروت، مادة (بين) 563/1 – 564.
3- مجد الدين محمد بن يعقوب الفيروزآبادي، القاموس المحيط، مؤسسة الرسالة بيروت، ص/1526
4- د. بدوى طبانة، معجم البلاغة العربية، راد الرفاعي للنشر والتوزيع والرياض، ص/ 97
5- البقرة ، 2/ 187
6- النساء ، 4/ 26
7- النحل ، 18/ 44
8- أبو عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري، صحيح البخاري، الناشر: دار طوق النجاة، عدد الأجزاء: 6، رقم الحديث/5767
9- الإمام الطيبي، التبيان في البيان، تحقيق: عبد الستار زموط، دار الجيل بيروت، ص/340
10- عادل جابر وآخرون، الجامع في اللغة العربية، ط4، دار الصفاء عمان، ص/21
11- أحمد بن مصطفى المراغي،علوم البلاغة "المعاني والبيان والبديع"، دار إحياء العلوم بيروت، ص/213
12- التشبيه:هو إلحاق أمر (المتشبه)بأمر (المشبه به) في معني مشترك (وجه الشبه) بأداة (الكاف وكأن في معناها) لغرض مشترك (وجه الشبه) بأداة (الكاف وكأن ومافي معناها) لغرض(فائدة)(أحمد مصطفي المراغي،علوم البلاغة، دارالكتب العلمية،بيروت ،لبنان ،الطبعة الأولى ،1402هـ-1972م
13- المجاز:هواللفظ المستعمل في غير ماوضع له لعلاقة مع قرينة مانعة من إرادة المعني الحقيقي (جواهرالبلاغة: السيد أحمد الهاشمي، دار احياءالتراث العربي، بيروت،لبنان، ط،1418هـ،1998ء
14- ابن منظور، لسان العرب، 4/ 618

15- على ين عيسى الرماني، النكت في إعجاز القرآن ضمن ثلاث رسائل في إعجاز القرآن، ط 5، دار المعارف القاهرة سنة 2008م، ص/85

16- أبو هلال الحسن بن عبدالله بن سهل العسكري، الصناعتين الكتابة والشعر، المكتبة العصرية بيروت، سنة 1986، ص/268

17- أحمد بن إبراهيم بن مصطفى الهاشمي، جواهر البلاغة في المعاني والبيان والبديع، ضبط وتدقيق: د. يوسف الصميلي، الناشر: المكتبة العصرية بيروت1940، ص/277

18- نفس المصدر، ص/ 278

19 - أبو بكر عبدالقاهر بن عبدالرحمن بن محمد الجرجاني، دلائل الإعجاز، الناشر: دار الكتاب العربي بيروت، الطبعة1، ص/ 69

20 - الأنفال ، 8 /7

21 - أبو القاسم محمود بن عمرو بن أحمد، الكشاف، عن حقائق غوامض التنزيل، الزمخشري جار الله، الناشر: دار الكتاب العربي بيروت، الطبعة: الثالثة، الأجزاء:4، 157/2

22 - د.ناصر بن عبد الرحمن، النظم القرآني، مكتبة التوبة الرياض، ص/479

23 - محمد ، 47/ 4

24 - محمود بن عبد الرحيم صافي، الجدول في إعراب القرآن، دار الرشيد دمشق، 9/ 202

25- الأنفال ، 8 /7

26 - د. ناصر بن عبدالرحمن الخنين، النظم القرآني، ص/ 479

27 - الأنفال ، 8/ 66

28 - أبو السعود محمد بن محمد بن مصطفى العمادي، إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم، الناشر:دار إحياء التراث العربي بيروت، 4/ 24

29 - ابن منظور، لسان العرب، 15/ 233

30 - يوسف بن محمد بن علي السكاكي، مفتاح العلوم، تحقيق: عبد الحميد هنداوي، ط1، دار الكتب العلمية بيروت، 2000م، ص/170

31 - د.محمد أبو موسى، التصوير البياني،دراسة تحليلية لمسائل البيان، مكتبة وهبة القاهرة، ص/370

32 - لعلي الجارم ومصطفي أمين، الناشر،مؤسسة الصادق، لطباعة والنشر،طهران،1420ه

33 - آل عمران ، 123/3

34 - محي الدين الدرويش، إعراب القرآن الكريم وبيانه، دار ابن كثير بيروت، 1/ 466

35 - الأنفال ، 15/8

36 - سيد قطب، في ظلال القرآن، ، دارالشروق، ط/5، 1977م، 285/4

37 - التوبة ، 29/9

38 - محمود صافي، الجدول في إعراب القرآن الكريم، 273/9

39 - الأنفال ، 8 /41

40 - الأنفال ، 8 /16

41 - محمد الطاهر بن محمد بن محمد الطاهر بن عاشور التونسي التحرير والتنوير، «تحرير المعنى السديد وتنوير العقل الجديد من تفسير الكتاب المجيد»، (المتوفى : 1393هـ)، الناشر: مؤسسة التاريخ العربي بيروت لبنان، عدد الأجزاء: 30، 273/9

OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI(AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
mei.aiou.edu.pk
iri.aiou.edu.pk

من أسباب الإرهاب: التعصب المذهبي والتحزب الطائفي

الدكتور محمد طاهر حكيم*
عميد كلية الشريعة والقانون الجامعة الإسلامية العالمية بإسلام آباد

ABSTRACT

There is no denying the fact that the whole world is facing great threat of terrorism. It is discovered that there are different causes of terrorism in different parts of the world. Among the causes of terrorism there is unemployment, religious bigotry, economic, political, social, and psychological disorder etc. However, this study examines religious fanaticism and sectarianism as the two biggest causes of the terrorism taking place everywhere in the world today. The purpose of this research work is to highlight and educate population about the true face of *Islam* and advance the tolerant version of *Islam* and negate the negative propaganda against the *Islamic* faith. The paper is based on the classical sources of *Islamic* law and attempts to contextualize the same in contemporary situation.

The research paper is divided into several parts. In the preface this paper highlights the importance, need and methodology of the research. In introduction the paper expounds the basic theme of the research. The first part throws light on the *Islamic* values of peace and moderation and it negates extremism of any kind. *Islamic Shariah* does not endorse any act of atrocities in any form. The second part thoroughly discusses and analyses that religious fanaticism and sectarianism are the two biggest causes of terrorism and threat to the peace everywhere. The paper ends with the most important results and recommendations.

تمهيد

(إرهاب، تعصب، تحزب)

1- **الإرهاب:** من معاني الإرهاب في اللغة: الخوف والفزع، ومنه: أرهبه ورهّبه وأسترهبه: أخافه وأفزعه، ومنه: ترهبه: توعده[1] ومنه قوله تعالى- حكاية عن جبن اليهود والمنافقين﴿ لَأَنتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِم مِّنَ اللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴾[2]

أما في اصطلاح الشريعة فالإرهاب في أصله الأول مصطلح قرآني ورد في قوله تعالى ﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾[3]. فالإرهاب في هذه الآية بمعنى الردع، أي جهزوا من العدة والعتاد بحيث لا يتجرأ عدوكم على العدوان والهجوم، وهو أقرب إلى كلمة (Deterrence) الانجليزية، وليس بمعنى العدوان، وإضرار الآخرين بدون مسوغ شرعي، وقد خلت كتب المصطلحات والتعريفات والمدونات الفقهية القديمة من كلمات "الارهاب والإرهابي" بمعنى التخويف والتفزيع بدون سبب، لأن تلك الكلمات حديثة الاستعمال، وقد ترجمت الكلمة من (Terrorism) إلى "الإرهاب" باللغة العربية.[4]

وعلى الرغم من أن كلمة "الإرهاب" من الكلمات الأكثر استخداما في مجال السياسة والإعلام، إلا أنها بقيت بمنأى عن ايجاد تعريف دقيق له، فكلمة "إرهاب" نفسها مثيرة للجدل، وتستخدم بصورة خاصة لوصف كل ما هو بغيض وكل ما هو محفوف بالشر والخطر. ولعل صعوبة تعريف الإرهاب ترجع إلى أنه تعبير يحوي عناصر مختلفة واتجاهات متعددة، فما يعتبره البعض إرهابا، يعتبره الأخرون مقاومة مشروعة دفاعا عن الحقوق الشرعية المسلوبة بل ما يراه البعض إرهابا يعده البعض الآخر جهاداً شرعيا ودفاعا عن حمى الدين والعقيدة والاعراض والممتلكات.[5]

وقد ذكر الباحثون في السياسة والإعلام له نحواً من 180 تعريفا منها:

- هجمات على البشر أو الممتلكات العامة أو الخاصة والتي تخالف القوانين الدولية.[6]
- "الترويع الحسيّ أو المعنوي المقصود للآمن أو غيره من أجل تحقيق غرض شرعي أو غير شرعي مطلقا"[7]
- وعرّفت الاتفاقات العربية لمكافحة الإرهاب الموقعة في القاهرة في 22 أبريل 1998م الإرهاب بأنه: "كل فعل من أفعال العنف أو التهديد به أيا كانت بواعثه أو أغراضه يقع تنفيذا لمشروع إجرامي فردى أو جماعي، ويهدف إلى إلقاء الرعب بين الناس أو ترويعهم بإيذائهم أو تعريض حياتهم أو حريتهم أو أمنهم للخطر، أو الحاق الضرر بالبيئة أو بأحد المرافق، أو الاملاك العامة أو الخاصة أو احتلالها أو الاستيلاء عليها أو تعريض الموارد الوطنية للخطر.[8]
- وحقيقة القول: أنه ليس هناك تعريف يحاول أن يكون أكثر دقة وتحديدا ومع ذلك فقد بذلت جهود من بعض فقهاء القانون والمجامع العلمية لوضع تعريف يوضح المقصود منه من وجهة نظرها الخاصة – كما تقدم - وهذا ما يمكن فهمه من أن الارهاب ليس أيديولوجية أو فلسفة سياسية، بل هو وسيلة لغاية.

2- **التعصب لغة:** من العصبية، وهي أن يدعو الرجل إلى نصرة عصبته والتألب معهم على من يناوئهم ظالمين كانوا أو مظلومين، ومن معانيه: المحاماة والمدافعة والنصرة لمن يشترك مع الإنسان برابط كالنسب أو المذهب.[9] واصطلاحا: المغالاة في الانتصار للرأي الفقهي أو للمذهب الفقهي دون دليل.[10]

"والتعصب هو نمط من السلوك يتصف بالتحيز الظاهر والميل الشديد الذي يتداخل فيه ويتماذج العامل النفسي مع العامل الذهني، ويتمحور حول شيء مّا، إما تجاه فكرة أو مبدأ أو معتقد أو شخص أو جماعة، وبشكل يكون ظاهرا ومنكشفا عند الأخرين".

"والتعصب يعمي العقل ويحجب الإنسان عن أعمال الفكر ويسلب منه قدرة التبصر في اختيار الموقف السليم، فهو موقف غير عقلاني، لأنه لا يستند، على قوة البرهان، ومنطق الاستدلال، وليس من غايته البحث عن الحقيقة واكتشافها والتمسك بها".

"التعصب يغلق على الإنسان منافذ المعرفة،والوصول إلى علوم الآخرين ومعارفهم ويحجب عنه اكتشاف عيوبه، والتعرف على نواقصه، والالتفات إلى ثغراته، والتنبيه على نقاط الضعف فيه، وذلك نتيجة الاعتزاز بالذات، والاستعلاء على الأخرين.[(11)] إن المعتصبين في كل مكان يؤمنون بأنهم على حق، وأن الآخرين على باطل، وهم يؤمنون بأن الآخرين يجب حجبهم ومنعهم وتحطيمهم لأنهم شر محض.لذا نهى الاسلام عن التعصب وحذر منه وجعله من دعاوى الجاهلية وأخلاقها قال صلى الله عليه وسلم(ليس منا من دعى إلى عصبية...).[12]

وقال ابن القيم رحمه الله "..ومثله التعصب للمذهب والطرائق والمشايخ وتفضيل بعضها على بعض بالهوى والعصبية، وكونه منتسبا إليه فيدعو إلى ذلك، ويوالي عليه ويعادي عليه ويزن الناس به، كل هذا من دعوى الجاهلية".[13]

وباختصار: فالتعصب مرض يعارض تعاليم الاسلام ومبادئه، ويؤدي إلى التفرق والتفكك وقطع المواخاة بين المسلمين.

3- **وأما التحزب** فهو من "حزب" وجمعه: أحزاب، والحزب: جماعة الناس، وحزب الرجل: أصحابه وجنده الذين على رأيه والأحزاب: الطوائف التي تجتمع على محاربة الأنبياء عليهم السلام، وتحزّب القوم: تجمعوا وتعصبوا.[14]

"جاءت كلمة "حزب" في القرآن مفردة 8 مرات، وثنيت مرة واحدة، وقد دلت في المرات التسع جميعها على مطلق الطائفة –أو الجماعة- أي لم تخرج عن مفهومها اللغوي، وجاءت إحدى عشرة مرة بالجمع "أحزاب" وعَلمّا على سورة كاملة، لكنها حملت المعنى السلبي للدلالة على الشر والباطل، أي بمعنى التحزب للكفر، وعلى جنود الكفار الذين تألبوا وتظاهروا أو تحزبوا على حرب النبي صلى الله عليه وسلم.[15]

وعلى هذ فإن التحزب هو تجمع فئة أو جماعة ذات فكر مخصوص على رأى مخالف لرأي الجماعة المسلمة يجعل الأمة شيعا وفرقا، ويخرق سياج الأخوة الايمانية ويسل لسخائم العداء والصراع، ويؤدي إلى اضطراب في الحياة الفكرية[16] وهو بهذا قريب من "الافتراق" الذي يقع بين المسلمين بسبب الأهواء والبدع حتى يتباغضوا ويتعادوا ويتبرأ بعضهم من بعض.وقد شاع استعمال "التحزب" لهذا المعنى السيء حتى لا يكاد يفهم منه الا هذا المدلول المذموم، وورد استعمال التحزب بمعنى التفرق المذموم في كلام بعض العلماء المتقدمين.[17]

إذا: التحزب الطائفي هو تجمع فئة أو طائفة أو جماعة تجمعهم صفة جامعة أو مصلحة شاملة أو فكر مخصوص على رأي مخالف لرأي الجماعة المسلمة، يجعل الأمة شيعا وفرقا، ويخرق سياق الأخوة الإيمانية، ويشيع ثقافة الكراهية ويفكك النسيج الاجتماعي، ويسبب التمزق والتشتت.

وسطية الإسلام ورحمته ومحاربته للغلو والتطرف والارهاب

الإسلام دين الوسطية والاعتدال والسماحة والرحمة والسلام، والميزة الأساسية التي ميز الله بها هذه الأمة عن باقي الأمم هي ميزة "الوسطة والاعتدال" قال تعالى ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾[18]

"والوسطية هي: الأخذ بوسط بين طرفين متضادين، و"التطرف" هي الأخذ بأطراف الأمور لا بأوساطها، فالوسطية تأتي بمعنى التوسط بين شيئين، وبمعنى العدل والخيار، والأجود، والأفضل، وما بين الجيد والردي.وهي منهج فكري، وسلوك اخلاقي، وهي حق بين باطلين، واعتدال بين متطرفين، وعدل بين ظلمين.والوسطية ضد التطرف والغلو،فديننا دين يسر ورحمة، ولين وسماحة، ولولم يكن كذلك لما انتشر في أصقاع الأرض بأسرها،وأمتنا هي الأمة الوسط بكل معاني الوسطية.[19]

وقد جاء ت الآيات القرآنية والأحاديث النبوية الشريفة تشيد بالوسطية والاعتدال وتدعو إلى التيسير ورفع الخرج، والرحمة والرفق، والعدل والتواضع،قال تعالى﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾[20]وقال سبحانه﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾[21]وقال صلى الله عليه وسلم: "إن هذا الدين يسر، وأبشروا ولن يشاد الدين أحد إلا غلبه فسددوا وقاربوا[22]وقال(يسروا ولا تعسروا وأبشروا ولا تنفروا[23]وقال عليه الصلاة والسلام محذرا من الغلو والتطرف والتشدد "إياكم والغلو في الدين فإنما أهلك من كان قبلكم الغلو في الدين"[24]وقال "هلك المتنطعون" قالها ثلاثا[25]والمتنطعون: هم المتشددون.

وقد حرم الإسلام إخافة الناس والاعتداء عليهم بالضرب أو القتل بغير حق أو التعرض لأموالهم أو انتهاك أعراضهم أو تفجير المساكن والمركبات، وتخريب المنشآت، وتوعد على ذلك بأشد الوعيد قال سبحانه وتعالى﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾[26]

وقال صلى الله عليه وسلم في حجة الوداع:

(إن دماءكم وأموالكم وأعراضكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا، في بلدكم هذا)[27]وقال: (كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه)[28]وقال: (اتقوا الظلم، فإن الظلم ظلمات يوم القيامة).[29]

وقد شنع الإسلام على الذين يؤذون الناس في أرجاء الأرض. قال تعالى﴿وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾[30]وأمر بالابتعاد عن كل ما يثير الفتن بين الناس، وحذر من مخاطر ذلك، قال سبحانه: ﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾[31]

وعالج الإسلام نوازع الشر المؤدية إلى التخويف والإرهاب والترويع والقتل بغير حق، قال صلى الله عليه وسلم: "لا يحل لمسلم أن يروّع مسلما"[32]

وإن أول مقاصد الإسلام في المجتمع الإنساني هو: مقصد الرحمة، قال تعالى في رسوله صلى الله عليه وسلم﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾[33] ومن مفاهيم هذه الآية: أنه ليس لرسول الله صلى الله عليه وسلم وظيفة ولا مهمة إلا نشر الرحمة، ومن السنة قوله صلى الله عليه وسلم (من لا يرحم لا يُرحم)[34]

ومن الواضح أن الآية والحديث ينتظمان الناس جميعا من حيث هم ناس، بغض النظر عن الجنس أو اللون أو الدين أو المكان. ولقد عبرت السنة عن الرحمة بلفظ آخر وهو (الرفق) فقال صلى الله عليه وسلم (إن الله رفيق يحب الرفق في الأمر كله، ويعطى على الرفق ما لا يعطي على العنف"[35]ولا شك أن الرحمة والرفق نقيضان للعنف والإرهاب في اللفظ والدلالة، وما يترتب عليهما من فعل وسلوك.[36]هذا، وقد بلغ من اهتمام الإسلام بالرحمة والرفق، والبعد عن التشدد والعنف أنه أمر المسلمين إذا اضطروا لرد العدوان أن يكون هذا الرد مقيدا بعدم الاعتداء بل منضبطا بالعدل والاخلاق والرحمة.

قال تعالى ﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾[37] وفي الحديث أن النبي صلى الله عليه وسلم مر على امرأة مقتولة في بعض الغزوات فوقف عليها وقال: "ما كانت هذه لتقاتل"، ثم نظر في وجوه أصحابه وقال لأحدهم: "ألحق بخالد بن الوليد، فلا يقتلن ذرية ولا عسيفا ولا امرأة".[38]

وأوصى أبو بكر رضي الله عنه جيشه فقال: "لا تخونوا ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا، ولا تقتلوا طفلا صغيراً ولا شيخا كبيرا ولا امرأة، ولا تذبحوا بقرة ولا بعيرا إلا لمأكلة الخ.[39]

هذا هو منهج الدفاع المشروع في الإسلام، وهو منهج نقيض للعنف والإرهاب.

- فمنهج الإسلام ينهى عن تمنى لقاء العدو (لا تتمنوا لقاء العدو، ولكن إذا لقيتم فاثبتوا، واسألوا الله العافية)[40] في حين أن الإرهاب يتمنى ذلك ويهواه.
- منهج الإسلام يقيد الدفاع بالعدل والرحمة والرفق وبعدم محاربة غير المحاربين من النساء والأطفال والشيوخ والرهبان، وبعدم إفساد البنية بالتخريب والتحريق وقطع الشجر، في حين أن الإرهاب يمارس ذلك كله.
- إن من أقوى دوافع العنف والإرهاب: الإكراه على المذهب، ووأدا لهذا الدافع، وأيصادا لأبوابه، حرم الإسلام تحريما صارما قاطعا: الاكراه في الدين، قال تعالى ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾[41]
- وقال جل وعلا ﴿فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ. لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُسَيْطِرٍ﴾[42]
- وقال سبحانه ﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾[43]

وبهذا هدم الإسلام أعتى أسس الاستبداد الديني الذي يقترن دائما بالعنف والبطش والإرهاب وقوضه تقويضا. لأنه يستحيل أن يهادن العنف والإرهاب.[44]

وبهذا أسس الإسلام نظامه على الرحمة والرفق واللين مع الكل مع المسلم والكافر والصغير والكبير والذكر والانثى بل حتى مع الحيوان والطير. قال صل الله عليه وسلم: "إنما أنا رحمة مهداة"[45] وفي صحيح مسلم: قيل له صلى الله عليه وسلم، ادع على المشركين، فقال: "إني لم أبعث لعانا، وإنما بعثت رحمة"[46]

ولما جيء بالحكم بن كيسان أسيرا، جعل صلى الله عليه وسلم يدعوه إلى الاسلام ويكرر عليه — وهو يأبى - فقال عمر رضي الله عنه يا رسول الله: "دعني أضرب عنقه ويذهب إلى أمه الهاوية"، ولكنه صلى الله عليه وسلم لم يسمع لعمر وبقى يدعوه حتى أسلم، ثم التفت - عليه الصلاة والسلام - إلى أصحابه وقال: "لو أطعتكم فيه وقتلته دخل النار"[47]

وفي أبي داؤد: أن الصحابة كانوا في سفر، فأخذوا فرخين من طائر، فجعل الطائر يُعرش ويرفرف عليهم، فقال صلى الله عليه سولم: "من فجّع هذه بولدها، ردوا إليها ولدها".[48]

وعن جابر — رضي الله عنه - قال: أقبل جمل على النبي صلى الله عليه وسلم حتى دنا منه وجعل يرغو على هامته، فقال: إن هذا الجمل يستعديني على صاحبه، ثم قال يا جابر: إذهب إلى صاحبه فأتنى به، فقال جابر: ما أعرفه يا رسول الله، قال: إنه سيدلك عليه، قال: فخرج حتى وقف بي على جماعة في مجلس، فقلت: أين رب هذا الجمل؟ فقال رجل إنه لي، فقال جابر: أجب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلما جاء، قال له صلى الله عليه وسلم: إن

جملك يزعم أنك حرثت عليه منذ سنين، حتى إذا أعجزته وأعجفته وكبر سنه أردت أن تنحره، فقال: والذي بعثك بالحق إن ذلك لكذلك، فابتاعه صلى الله عليه وسلم منه وقال: انطلق أيها البعير فأنت حر لوجه الله ".[49]

فهذه الأدلة تقرر سماحة هذا الدين ويسره ووسطيته، وأنه ينافي الغلو والتشدد والتطرف والإرهاب، وهو المنهج الحق والاساس الذي يجب أن تسير عليه المجتمعات الإسلامية لأنه يحميها من الغلو والتطرف والإرهاب كما أنه المنهج القويم الذين سار عليه الصحابة رضي الله عنهم والسلف الصالح من هذه الأمة.

أما أسطورة الإرهاب الإسلامي ونسبته إلى الاسلام فهو لا يعدو إلا أن تكون وسيلة من وسائل الدعاية ضد الإسلام، والحقيقة أن الارهاب ليست له هوية ولا ينتمي إلى بلد وليست له عقيدة إذ أنه يوجد عندما توجد أسبابه ومبرراته ودواعيه، في كل زمان ومكان.

والحقيقة أن هناك دوائر معيينة اختارت عن قصد أن تجعل من الإسلام العدو الجديد لتبرير سياسة الهيمنة والتدخل، متجاهلة أن الإرهاب ظاهرة عامة موغلة، لها جذورها التاريخية فهناك أكثر من 370 منظمة إرهابية تعيش في 120 دولة[50] وليس من الامانة محاولة إلصاق الإرهاب بالاسلام، فهذا نوع من الخطأ، لأنه يعني إنكار الأسباب الحقيقية للمشكلة، وعدم القيام والعمل بإزالتها، ومن ثم استمرار دوافع الارهابين.

والمطلوب: دراسة الأسباب ذات العلاقة بجميع أشكال الإرهاب والعنف والقضاء عليها.

من الأسباب الدينية للارهاب التعصب المذهبي والتحزب الطائفي

تتعدد أسباب الإرهاب، وتختلف باختلاف الزمان والمكان، وقد توجد جميعها في بيئة معينة، أو زمن معين، وقد تختلف باختلاف البيئات والازمان، وإن التحديات الكبيرة التي يمثلها الإرهاب تدفعنا إلى أن نفهم بشكل أفضل هذه الأسباب والعوامل التاريخية والسياسية والاجتماعية، لأن معرفة ذلك يجعلنا أكثر قدرة على محاربته، والبحث عن علاجه.

ونظرا لأن أهداف الإرهاب وأغراضه وأشكاله -بل وأسبابه- في تغير مستمر ولأن تحديد هذه الاسباب ومعالجتها عمل علمي فيجب أن يتوافر عليه مختصون، يدرسون الواقع ويفقهونه عن علم ودراية ورشد، ثم وضع السبل لمعالجته وفيما يلى نورد أهم هذه الأسباب في عجالة.

- الاسباب الاقتصادية: كالفقر والبطالة وسوء توزيع الثروة (خلل في العدالة الاجتماعية) والظلم والاستغلال والجوع، والاستغلال الأجنبي للموارد الوطنية...الخ تشكل كل هذه العوامل محور أسباب انتشار ظاهرة الإرهاب.
- الاسباب الاجتماعية مثل: انتشار ظاهرة الطلاق وانتشار الاجرام بأشكاله، وتغلب المحسوبية، والوساطة، والقبلية على حساب العدالة الاجتماعية وانتهاك حقوق الانسان وتدمير البيئة.. الخ
- الاسباب السياسية مثل: غياب الوطنية في الأحزاب السياسية، ومنظمات المجتمع المدني، واستخدام القوة ضد الدول الضعيفة، والتدخل في الشؤون الداخلية للدول، واحتلال الاجنبي للدول (كليا أو جزئيا) واغتصاب الاراضي والنهب والظلم ... الخ وعدم قدرة منظمة الامم المتحدة على تحقيق أهدافها وتطبيق مبادئها الهادفة لوضع حد لكل اشكال الاستعمار والظلم والاضطهاد والتدخل والعنصرية وبالتالي عدم قدرتها على ضمان حقوق الإنسان وحرياته الاساسية.
- الاسباب المرضية كاختلالات عقلية أو أمراض نفسية يعاني منها الارهابي ويلجأ بسببها إلى العنف والحقد على المجتمع وأفراده بالانتقام منهم.

- الاسباب الدينية مثل انتشار الدعوات الهدافة والافكار الضالة التي تحارب الدين، وتسعى لإقصاء الإسلام، وعلمنة الحياة، واستفزاز المسلمين في أعز ما يملكون وهو دينهم، ومثل الكبت الديني الشديد، وحرمان الناس من حقوقهم في عبادة الله بحرية واطمئنان، بينما يفتح الباب على مصراعيه لكل فكر آخر ورأي شاذ، ومثل: تفشي المنكرات ومناظر المعصية في بعض البلدان، التي تستفز بعض الغيورين على الدين، وفي غياب الوعى الشرعى والفهم الفقهى، يدفعهم ذلك إلى ارتكاب أعمال العنف ظنا منهم أن ذلك انتصار للدين...الخ[51]

ومن الأسباب الدينية للارهاب -أيضا-: "التعصب المذهبي والتحزب الطائفي" وهو ما أتحدث عنه في المطلبين الآتيين: المطلب الأول: التعصب المذهبي، المطلب الثاني: التحزب الطائفي.

التعصب المذهبي

التعصب المذهبي هو: المغالاة في الانتصار للرأي أو المذهب الفقهي دون دليل، وهو نمط من السلوك يتصف بالتحيز الظاهر والميل الشديد إلى فكرة أو مبدأ أو مذهب أو شخص أو جماعة.

ومن مساوئه: أنه يعمى العقل ويحجب الإنسان عن اعمال الفكر، ويسلب منه قوة التبصر في اختيار الموقف السليم، لأنه لا يستند الى قوة البرهان ولا منطق الاستدلال، ومن ثم يؤدي إلى الاختلاف والتفرق بل إلى التشدد والتطرف.

ومن مساوئ التعصب المذهبي:

- التباغض والعداوة: حيث يؤدي التعصب المذهبي إلى التباغض والعداوة والتفرق، لدرجة أن الواحد لا يصلى خلف من يخالفه في المذهب، ولا يتزوج ولا يزوج منهم، وقد طالب بعض المتعصبين في نهاية القرن الثالث عشر الهجري إلى تقسيم المساجد لشدة الخلاف والشقاق، والتنافر والتناحر، واختصاص كل طائفة بمساجدها ومدارسها وطلابها وأساتذتها وأحيائها السكنية.[52]

قال شيخ الاسلام ابن تيمية -رحمه الله-

"وأما من بلغ به الحال إلى الاختلاف والتفريق إلى درجة أن يوالى من وافقه ويعادي من خالفه، بل ربما يقاتله على مثل هذا ونحوه مما جوزه الله سبحانه... فهؤلاء من الذي فرقوا دينهم وكانوا شيعا، فالواجب عدم السير وراء متعصبي المذاهب، لأن منهم من عمدته العمل الذي وجده في بلده، فجعل ذلك هو السنة دون ما خالفه مما صح دليله[53]-"

- ظهور الفتاوى المنكرة: حيث كان كل فريق من المتعصبين لمذهبهم يصدر فتاوى منكرة ضد المذاهب الأخرى، ما أنزل الله بها من سلطان، وليس لها أصل في الدين[54].
- المناظرات المذهبية: وقد كثرت المناظرات المذهبية والجدل المذهبي كمظهر من مظاهر التعصب المذهبي، ولم يكن هدفها الوصول إلى الحق وكشف الحقيقة وإنما هدفها هدم ما عند الغير من حجج وبراهين، وكانت الأهواء والعصبية واظهار الغلبة وراء ذلك الجدل، وانعكس ذلك على الكتب التي ألفت، فكثر الخلافات بين المذاهب[55]

قال الحافظ ابن حجر: -كما نقل الدكتور التركي[56]- "ثم حدث بعد ذلك أن وجد باحثون لم يتحروا مسلك أسلافهم فتعارضت افكارهم وتعصب كل بطائفته، فكثر بينهم المراء والجدل، وتولدت بينهم البغضاء حتى وصفوا بأنهم خصوم بعض".

- أن التعصب المذهبي صبغ الحياة العلمية بطابعه في أصول الدين وفروعه، وأدى ذلك إلى اشتداد النزاع والتنافر بين مختلف طوائف أهل العلم، فكثر فيهم الغلاة والمتعصبون من مختلف الطوائف المذهبية دون استثناء.[57]
- أن التعصب أخذ من أهل العلم - على اختلاف طوائفهم - أوقاتا عزيزة كثيرة وجهودا مضنية كبيرة، أمضوها في خدمة الفقه المذهبي المتعصب انتصارا له، وردا على مخالفيه، وفوت عليهم الاهتمام. باقامة كليات الدين ومقاصده السامية الكبرى كالأخوة، والعدل واجتماع الكلمة، والتعاون على البر والتقوى. قال الامام أبو شامة – كما نقله عنه الامام الشاه ولي الله الدهلوي[58] - " ينبغي لمن اشتغل بالفقه أن لا يقتصر على مذهب إمام، ويعتقد في كل مسألة صحة ما كان أقرب إلى الكتاب والسنة المحكمة، وذلك سهل عليه إذا كان اتقن العلوم المتقدمة، وليجتنب التعصب والنظر في طرائق الخلاف المتأخرة، فأنها مضيعة للزمان ولصفوه مكدرة.."
- أنه أفسد العقل الفطرى الذي مدحه القرآن الكريم، وأثنى على أصحابه في آيات كثيرة وهم أولوا الالباب والنهى، وأصحاب الفطر السليمة، فأفسد ذلك التعصب هذا العقل الفطري ومسخه وأبعده عن نور الهداية الربانية، وقذف به في أحضان الأهواء والشبهات والشهوات، حتى انتهى به الامر إلى انكار ثوابت شرعية معروفة من الدين بالضرورة كصفات الله تعالى، والقول بقدم الكون وبتحريف القرآن الكريم، وهذه المزاعم كلها باطلة لا دليل عليها من النقل الصحيح ولا من العقل السليم.
- أنه أورث المسلمين نزاعا وتفرقا مذهبين ما زالا قائمين إلى يومنا هذا ولم يجدا حلا صحيحا ناجعا وذلك واضح جدا في أدبيات الجماعات والطوائف الاسلامية المعاصرة، وفي مقرراتها ومؤسساتها، فهي مليئة بالتعصب المذهبي، وفي نزاع وصداع، وسباب وشتم، وتشنيع وتبديع، وتهويل وتنافس، انتصارا للمذهب وتعصبا على مخالفيه[59].
- أن تمذهب عوام الناس وتعصبهم لمذاهبهم عن جهل وطيش، وعصبية عمياء بتحريض من مشايخم وكبرائهم أدى ذلك إلى أن أصبح هؤلاء العوام وقودا للفتن المذهبية الدامية التي حدثت بين الطوائف المذهبية خلال العصور الإسلامية المختلفة[60]
- بقاء كثير من المسائل - الأصولة والفقهية - المختلف فيها بين المذاهب على ما هي عليه دون تحقيق علمي نزيه - يرفع عنها الخلاف، لأن المتعصبين سعوا جاهدين إلى الاحتفاظ بمذاهبهم والاحتجاج لها، والدفاع عنها حتى وإن كانت أدلتهم ضعيفة، فأدى ذلك إلى تكريس العصبية المذهبية والتشجيع عليها والدفاع عنها، وإبقاء مسائل الخلاف قائمة - كما كانت[61] -
- التعصب المذهبي أدى إلى تمزيق وحدة الامة وتفريقها وكثرة الصراعات القبيلية الطائفية بين أفرادها، إلى جانب ضياع الحق وسط الجدال، واتباع الأهواء ليؤدي في النهاية إلى العنف والتشرد وضعف الامة وتكالب الأعداء عليها.
- أنه أدى إلى تفشي وظهور التمايز الطبقي والعرقي والمذهبي بين طبقات المجتمع وذهاب الاخوة لتحمل محلها آفة الغرور والكبر واحتقار الأحزين، قال صلى الله عليه وسلم: "... بحسب امرئ من الشر ان يحقر أخاه المسلم...[62]" كما أدى إلى ضياع الاعمال الصالحة بحجة عدم الانتماء والموافقه،

وإلى عدم نصرة المظلوم، والصدع بالحق، والأمر بامعروف والنهى عن المنكر، وجمع الكلمة والمؤاخاة.[63]

أنه أوصل الغلاة المتعصبين إلى الانحراف في فهم القرآن الكريم، باتباع الظن والهوى في فهمه، والاحتكام إلى الأفكار المذهبية المسبقة في تفسيره- كما هو حال الشيعة والمعتزلة وغيرهم من الفرق المنحرفة عن الشرع الحكيم- ومثال ذلك ما روي أن شيعيا جاء إلى الفقية أبي بكر غلام الخلال البغدادي (ت 363هـ) فسأله عن قوله تعالى ﴿وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾[64] فقال له: هو أبو بكر رضى الله عنه، فقال الشيعي: بل هو على رضى الله عنهم، فهم به أصحابه، فقال لهم: دعوه، ثم قال له: اقرأ ما بعد الآية: ﴿لَهُم مَّا يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا﴾[65] وهذا يقتضى أن يكون هذا المصدق ممن له إساءة سبقت، وعلى قولك أيها السائل لم يكن لعلى- رضى الله عنه- إساءة[66] بمعنى أن الآية لا تنطبق عليه، وإنما على غيره، وهو أبو بكر الصديق رضى الله عنه.

- أنه أدى إلى تشويه صورة الاسلام المشرقة بسبب الغلو والتشدد التطرف ورفض الآخر، والمطلوب: هو إبراز صورته الحقيقة في وسطيته واعتداله ورفضه المطلق بممارسات فئة قليلة شوهت صورته واستغلت وسطيته لتسيير به نحو الغلو والتطرف والارهاب ورفض الآخر.

وباختصار: فإن التعصب المذهبي أخطر الظواهر وأشدها فتكا وتدميرا، فلم تشهد هذه الأمة خسارة في وقارها وعزتها وهيبتها على مدى تاريخها كخسارتها بسبب التعصب. وتكمن خطورته أنه قائم على الكراهية والازدراء والتمييز والحقد ومنع الآخرين من ممارسة حقوقهم المشروعة. الأمر الذي يؤدي به إلى التشدد والتطرف.

التحزب الطائفي

التحزب الطائفي هو تجمع فئة أو طائفة أو جماعة تجمعهم صفة جامعة أو مصلحة شاملة أو فكر مخصوص على رأى مخالف لرأي الجماعة المسلمة- بدون دليل معتبر- يجعل الأمة شيعا وفرقا، ويخرق سياج الاخوة الايمانية ويشيع ثقافة الكراهية، ويفكك النسيج الاجتماعي، ويوقع فيما حذر الله عنه من التمزق التشتت ويسل لسخائم العداء والصراع، ويؤدي إلى اضطراب في الحياة الاجتماعية.

ومن مساوئ التحزب الطائفي وما يؤول إلى التشدد والارهاب:

- أن التحزب الطائفي قائم على مبدأ الحزب وشعاراته، لا على مبادئ الإسلام وقيمه وتعليماته، فهو تحجيم للإسلام فلا ينظر للإسلام إلا كحزب والله تعالى يقول (إن الدين عند الله الإسلام).
- أن العلاقة بين التحزب والافتراق علاقة حميمة، فحيث وجد التحزب كان الافتراق ، وحيث حل الافتراق وجد التحزب، وقد قال صلى الله عليه وسلم "الجماعة رحمة، والفرقة عذاب[67]" وقال الامام ابن تيمية: "كل ما أوجب فتنة وفرقة فليس من الدين، سواء كان قولا أو فعلا[68]"
- أنه يورث عند أصحابه عقدة الاستعلاء التنظيمي والثقافي حتى إنهم يرفضون الآخرين تعاليا أو تجاهلا أو تعصبا ضدهم ويسخرون منهم والله تعالى يقول (يا أيها الذين آمنوا لا يسخر قوم من قوم عسى أن يكونوا خيرا منهم).[69]

- وإذا كان التحزب الطائفي سببا للفرقة، والفرقة أول معول يضرب في وحدة الأمة وتماسكها، فإن الطائفية المذهبية لتعدد مناهجها الفكرية واضطرابها سبب للهزائم التي تحل بالمسلمي، وأنى لأمة متفككة أن تصمد أمام مواجهات الأعداء ومؤامراتهم، قال تعالى:
﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ﴾[70]
- إن كثيرا من الجماعات والأحزاب ينصبون أشخاصا قادة لهم، فيوالون أوليائهم ويعادون أعدائهم ويطيعونهم في كل ما يفتون لهم دون الرجوع إلى الكتاب والسنة، وليس هذا لأحد إلا لرسول الله صلى الله عليه وسلم، قال الإمام ابن تيمية: "من نصب شخصا كائنا من كان فوالى وعادى على موافقته في القول والفعل فهو من الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا"[71]

وقال: "وليس هذا لأحد غير النبي صلى الله عليه وسلم"[72] ومثل هذا المنهج لا يصلح أن يكون أساسا للتغيير ووحدة صف المسلمين، بل ولم يحدث أن توحدت كلمة المسلمين على مذهب من المذاهب أو على حزب من الاحزاب، رغم المحاولات التي بذلت لذلك، وإذا كان الأمر كذلك فلنختصر الطريق، ونعود إلى التمسك بالمنهج الأول الذي يصلح به أمر هذه الأمة، منهج الاتحاد والوحدة والاجتماع على ضوء الكتاب والسنة.[73]

- التحزب الطائفي ينتج شركة مبيدة للإخاء الاسلامي بمنظوره العام، إذا يبنى حجابا كثيفا دون ذلك، فلقاء مسلمين من حزبين، قلب كل منها معمق وفق تحطيط ومنهج لا يلتقي مع الآخر، في الشعار أو في كل أو بعض ما وراء الرمز والشعار، من الضرورة بمكان أن يكون شئ من التناكر في القلوب وتبادل الطرف الحسير، فيكون لقاء مجاملة أو شدو مجاذبة.

أما اللقاء تحت شعار الإسلام، وأخوة الايمان، ومحبة الاحسان، والحاكم السنة والقرآن، فهذا والله تمام الاخاء وتآلف الاجناد.[74]

- التحزب الطائفي يمنح أعداء الإسلام الفرصة في الطعن على الإسلام في عقيدته وأحكامه، لأن العقيدة تجمع ولا تفرق، فيكف صار أهل العقيدة الواحدة متفرقين متباغضين، بل إن من المسلمين من لا يمسك بالإسلام الصحيح عندما يرى ما عليه الأحزاب والجماعات.
- التحزب يجعل المسلمين أضعف أمام المخاطر والعدو المشترك، وها هو التاريخ يحدثنا عن تنازع ملوك الطوائف في الأندلس وتحزبهم ضد بعض، بل وباستعانتهم بالعدو ضد الأخ المختلف - وهذا ما يفعله بعضنا في هذه الأيام - فما كانت نهايتهم، وهل فرق العدو بين جماعة وآخرى؟ ولنقترب من التاريخ اكثر فها هو موشى ديان - وزير الدفاع الإسرائيلي الأسبق الذي شارك في هزيمة الجيوش العربية المحتشدة، واحتلال القدس والضفة الغربية وغزة وسيناء والجولان - عندما سئل عن سبب انتصار جيشه وهو جيش واحد على عدة جيوش، فأجاب: "لأننا جيش واحد، وهم عدة جيوش"[75]
- التحزب الطائفي يؤدي إلى التفكك الاجتماعي، وحالة التشاحن والتباغض والحقد بين فئات المجتمع الواحد، وربما بين أفراد الأسرة الواحدة، وهو ما ينتج عن ذلك من مشاكل اجتماعية ونفسية وجرائم أخلاقية نتيجة للجو العام الملوث بنزاعات تخالف العقل والدين قطعا، وتستهلك أكثر الطاقات، وتحرم المجتمع والأمة في الاستفادة من هذه الطاقات من مواقعها الطبيعية - كالاهتمام

بالشباب وقضايا هم مثلا- مما يخلف خللا لامحالة منه في النظام العام تنتج عنه مثل هذه الافعال والعقد النفسية والاجتماعية التي يدفع الجميع ضريبتها[76].

- لولا التحزب والتفرق لما تسنى لأحد أن يملى على الأمة ويفرض عليها خيارات تخالف دينها ومصالحها ومستقبلها، لكن ما حيلة الضعيف إلا أن يخضع لإرادة الأقوياء، ومن خلال ذلك مررت ما يسمى بمشاريع التسوية الظالمة والهاضمة للحقوق في فلسطين والبوسئة وغيرهما، فتقدم التنازلات وتنتزع الاعترافات، بل وأحيانا تقدم المبادرات والتبرعات لاسترضاء العدو الغاشم أو للحصول على صك البراءة عن تهمة الارهاب ونحوه ولسان حاله يقول[77]:

فليتك تحلو والحياة مريرة وليتك ترضى والانام غضاب
وليت الذي بيني وبينك عامر وبيني وبين العالمين خراب
إذا صح منك الود فالكل هين وكل الذي فوق التراب تراب

- التحزب الطائفي يشغل الأمة عن همومها العظام وتحدياتها الجسام، وتستمرئ الأمة حربا طاحنة فيما بينها حتى يأكل بعضها بعضا، ويلعن بعضها بعضا، كان الأولى أن تتجه هذه الجهود، وهذه الطاقات نحو البناء والتنمية ومواجهة الأعداء فمن الخيانة للأمة أن يحمى الوطيس، وتنصب المناجيق، ويتقاذف الناس بكلمات هي أشد من الحجارة، وأنكى من السهام من أجل مسائل تحتمل أكثر من وجه، وتقبل أكثر من تفسير، فهي من مسائل الاجتهاد التي دلت على سعة هذا الدين ومرونته، المصيب فيها مأجور، والمخطئ فيها معذور، وخطؤه فيها مغفور، بل هو —بنص الحديث- مأجور، لذا كان من الواجب على المفكرين أن يشغلوا جماهير المسلمين بهموم أمتهم الكبرى والسعي الجاد لجمع الكلمة، واتحاد الصفوف حتى يكونوا كالبنيان المرصوص ضد كل مفرق ومخالف.[78]

- إن التحزب يؤدي إلى تعميق الغرور، والإعجاب بالرأي، وسوء الظن بالآخرين واتهام النوايا، والعصبية للرأي والزعيم والإقليم والبلد والحزب والجماعة، وتناكر القلوب، واحتقان النفوس بالبغضاء، وتتبع عثرات الآخرين، وصد الناس عن سبيل الهدى، وتثبيت العزائم، والانشغال عن معالى الأمور، ومتطلبات الزعامة والرئاسة والزيارة والسياسة، وهذه الأمور تؤدي في النهاية إلى الغلو والتطرف والتشدد والإرهاب.

نسأل الله السلامة، ولو لم يكن من أمر التحزب أنه عمل مستحدث لم يعهد في الصدر الأول فليسعنا ما وسعهم، لكفى.

الخاتمة

اختتم هذا البحث المتواضع بجملة من النتائج أوجزها في الآتى:

- الإسلام دين الوسطية والاعتدال، ويحارب الغلو والتطرف والإرهاب.
- عناية الإسلام بتماسك الأمة ووحدتها وحثه على ذلك، ودعوته إلى أن تربي الأجيال على حب الوفاق والوئام، وبعض الافتراق والتشتت.
- التحذير من نوازع الشر المؤدية إلى التخويف والإرهاب والترويع والقتل بغير حق.
- منهج الإسلام مؤسس على الرحمة والرفق واللين مع الكل مع المسلم والكافر والصغير والكبير والذكر والأنثى بل حتى مع الحيوان والطير.

- التحذير من التعصب المذهبي والتحزب الطائفي وتجنب أسبابهما وما يؤول إليه أمرهما من التشدد والتطرف.

التوصيات

- التأكيد على ضرورة جمع كلمة المسلمين ونبذ الفرقة والخلاف.
- لفت أنظار المسلمين إلى الحال التي يعيشون عليها، ومدى ما لحقهم من الخسارة والهوان بسبب التعصب المذهبي والتحزب الطائفي.
- بيان الآثار الواقعية للتعصب والتحزب التي ترسم صورة مفزعة لمستقبل الأمة، ودعوة المخلصين إلى العمل لتجنبها حتى لا تقع الأمة فيها أو إلى معالجة أسبابها حتى تتعافى الأمة من آثارها.
- دعوة العالمين للإسلام إلى تبنى دورات ومؤتمرات وندوات عن منهج الإسلام في التعامل مع قضايا التشدد والتطرف والتعصب والتحزب.
- إظهار السخط والاستنكار على من يضرب على وتر الحزبيات والعصبيات ويحاول ترسيخها وتأجيج نيرانها.
- تشجيع روح التنافس والتسابق للخروج من نفق التحزب المظلم إلى الواقع المتقدم والتفوق في أمور الدين والدنيا، والبعد عن السيطرة المطلقة والنظرة الاحادية التي يتشبث بها المتحزبون والمتعصبون، ويعضون عليها بالنواجذ.
- التذكر الدائم بأننا نواجه خطرا التعصبات مشتركا لا يميز بين فئة وأخرى، وإنما يريد القضاء على الجميع إن سخت له الفرصة- وإن هذه والتحزبات هي أكبر هدية يمكن أن نقدمها له في سبيل تحقيق أهدافه وإضعاف قدراتنا على مواجهته.[79] فلنثبت ولنصبر﴿وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾[80]

الهوامش

1 - محمد بن أبي بكر الرازي، مختار الصحاح،مؤسسة علوم القرآن،بيروت،1404هجري،ص256
2 - الحشر59: 13
3 - الأنفال 8 :60
4 - عصمت الله، الدكتور ،موقف الاسلام من الارهاب ، مجلة الدراسات الإسلامية : مجمع البحوث الإسلامية، الجامعة الإسلامية العالمية، العدد 3 يوليو- سبمبر 2004م
5 - رؤي عالمية،السعوديون والإرهاب،غنياء للنشرالرياض،1426هجري، ص 74، 98، 99.
6 - المرجع السابق ص 75، 100- 101.
7 - موقف الاسلام من الارهاب " مجلة الدراسات الإسلامية، العدد 3، يوليو- ديسمبر 2004م.
8 - حسان غريب، الدكتور، الإرهاب ودور المملكة العربية السعودية في مكافحة، للنشرالرياض،1426هجري ص 51.
9 - محمد بن مكرم بن منظور ،لسان العرب ومختار الصحاح، مادة: عصب.طبع بولاق،2003م، مؤسسة علوم القرآن،بيروت،1404هجري
10 - محمد أبي زهرة ، الإمام ، تاريخ المذاهب الإسلامية،دارالفكرالعربي،1402هجري، 7/1- 8.

11 - الـدكتور زكي ،المـيلاد في مواجهـة خطـر التعصـب، والتعصـب الـديني، رئـيس تحريـر مجلـة "الكلمة"السعودية موقع www.rohama.org
12 - أبو داؤد سليمان بن الأشعث السجستاني،سنن إبي داؤد،دارالحديث،القاهره، رقم الحديث(5121) وضعفه الالباني.
13 - ذاد المعاد 428/2.
14 - لسان العرب ، مادة: حزب، ومختار الصحاح ص 133.
15 - الدكتور محمد محمود صقر، العمل الحزبي في الاسلام ، موقع www.alukah.net
16 - العلامة بكر أبو زيد، حكم الانتماء إلى الفرق والاحزاب،دارابن حزم،القاهره، ص 109، 110، 117.
17 - الدكتور أحمد مختار عبد الحميد ،معجم اللغة العربية المعاصرة،1402هجري، 1/ 484.
18 - البقرة 2: 143
19 - الدكتور محمد عادل عزيزة ،الوسطية في الإسلام للدكتور محمد عادل عزيزة، موقعwww.taghrib.org
20 - البقرة 2 :143
21 - البقرة 2 :185
22 - محمد بن إسماعيل البخاري ـ الجامع الصّحيح ، دار السّلام ـ الرّياض ـ ط2 ـ 1999م . رقم (5121)
23 - مسلم بن الحجاج ـ الجامع الصحيح (1734) وأبو داؤد (4825) والإمام أحمد (19572).
24 - محمد بن يزيد ابن ماجة القزويني ـ السّنن (3029) وابن حيان (3871).
25 - رواه مسلم(2670) وأبو داؤد (4608).
26 - النساء 4 :93
27 - البخاري ـ الجامع الصحيح (1741) مسلم بن الحجاج ـ الجامع الصحيح (1679)
28 - رواه أبو داؤد (4882) وابن ماجه (3933).
29 - البخاري ـ الجامع الصحيح (2447) مسلم بن الحجاج ـ الجامع الصحيح (2579) والإمام أحمد (5662)
30 - البقرة 2 :205
31 - الانفال 8 :25
32 - وراجع: الدكتور عبدالسلام بن سالم السحيمي، موقف رابطة العالم الإسلامي من الإرهاب ص 11 وفكر الإرهاب والعنف في برقم (5004)المملكة العر بية السعودية للدكتور عبدالسلام بن سالم السحيمي ص 13 وما بعدها.
33 - الانبياء21 :107
34 - البخاري ـ الجامع الصحيح 5667
35 - البخاري ـ الجامع الصحيح (5678) مسلم بن الحجاج ـ الجامع الصحيح (2596) وأبو داؤد (4807)
36 - زين العابدين الركابي ،بحث الإسلام والإرهاب.. نقيضان لا يجتمعان في كتاب: السعوديون والإرهاب، رؤى عالمية ص 396.
37 - البقرة2: 190
38 - البخاري ـ الجامع الصحيح (3014) مسلم بن الحجاج ـ الجامع الصحيح (1745) محمد بن عيسى الترمذي ـ الجامع (1408)
39 - رواه البيهقي في السنن الكبرى 90/9.

40 - البقرة2: 256
41 - البخاري ـ الجامع الصحيح (3026) مسلم بن الحجاج ـ الجامع الصحيح (1742).
42 - الغاشية88: 21
43 - يونس10: 99
44 - السعوديون والإرهاب ص 400 وما بعدها، بحث: زين الدين الركابي.
45 - رواه ابن أبي شيبة في مصنفه (3237) والحاكم 35/1.
46 - مسلم (2599).
47 - الطبقات لابن سعد 128/4 وراجع الاصابة لابن حجر 109/2.
48 - أبو داؤد (2675).
49 - رواه الطبراني في الدعاء كما في حياة الحيوان الكبرى للدميري 653/1- 654.
50 - السعوديون والإرهاب ص 94.
51 - السعوديون والارهاب ص 64 وموقف رابطة العالم الإسلامي من الارهاب ص 31-32 والارهاب: الدكتور عبدالرحيم بن حمادي ،أسبابه وطرق مكافحته. موقع: www.turess.com
52 - الدكتور خالد كبير علال ،التعصب المذهبي في التاريخ الإسلامي ص 161 وانظر الفتاوى لابن تيمية 210/22
53 - الدكتور عبدالله بن عبدالمحسن التركي، الفتاوى 66/22 نقلا عن اسباب اختلاف الفقهاء ص 41/40 وانظر أيضا. الثعابي الفاسي الفكر السامي في تاريخ القفه الاسلامي 446/2- 448
54 - المدخل إلى الفقه الإسلامي ص104 (منشورات جامعة القدس 1996م)
55 - عبد الوهاب خلاف، خلاصة التشريع الإسلامي ص 97 (دار القلم)
56 - في أسباب اختلاف الفقهاء ص 41
57 - التعصب المذهبي في التاريخ الإسلامي ص 161
58 - الشاه ولي الله، الانصاف في بيان اسباب الإختلاف ص 100
59 - المرجع السابق ص163
60 - المرجع اسابق ص 168
61 - التعصب المذهبي في التاريخ الإسلامي ص 169
62 - أبو داؤد (4882)
63 - موقع www.jameataleman.org
64 - الزمر39: 33
65 - الزمر39: 34-35
66 - طبقات الحنابلة لابن ابي يعلى 125/2 نقلا عن: التعصب المذهبي ص 162
67 - رواه ابن ابي عاصم في السنة (895)
68 - الاستقامة 37/1
69 - موقع: www.ibtesama.com
70- الرعد13: 11
71 - فتاوى شيخ الإسلام أبن تيمية 239/2-340
72 - المرجع السابق 164/25
73 - العلامة بكر أبو زيد ،حكم الانتماء إلى الفرق والاحزاب والجماعات الإسلامية ،ص 93
74 - المرجع السابق ص 114-115

75 - موقع: http://rasid.com/artc

76 - المرجع السابق

77 - أبوفراس الحمداني،الديوان،ص48،دارالكتاب العربي،بيروت،1414،1994ء

78 - الدكتور يوسف القرضاوي ،الصحوة الإسلامية بين الاختلاف المشروع والتفرق المذموم ،ص 136

79 - كيف نكافح التحزب: لأحمد عبد الرحيم، موقع www.mozn.net

80 - الأنفال8: 46

OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
mei.aiou.edu.pk
iri.aiou.edu.pk

منصب النبي صلى الله عليه وسلم كإمام وقائد وأبعاده ودلالاته في فقه الدين وفي التعامل مع الأحاديث النبوية

(The Position of the Prophet, may prayers and peace be upon him as an imam/ a leader and its dimensions and connotations in the religious jurisprudence and in dealing with the Prophetic *Hadith*)

*** الدكتور عبد القادر بن عبد الكريم بن عبد العزيز جوندل**

الأستاذ المساعد بالجامعة الإسلامية العالمية في اسلام آباد والأستاذ المتعاون بجامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية

ABSTRACT

A dissertation titled: The Position of the Prophet, may prayers and peace be upon him, *as a* leader in view of the Prophetic Sunnah and its dimensions and connotations in the religious jurisprudence and in dealing with the Prophetic Hadith (sayings of our Prophet Mohammed which, with the accounts of his daily practices "Sunnah", constitute the major source of guidance for Muslims apart from the Holy *Qur'aan*.)

The essential mission of the Messenger, may prayers and peace be upon him, is primarily the Prophethood and conveyance of the Message of *Allah*, Almighty. Nonetheless, he, peace and prayers be upon him, had assumed the political leadership of Muslims along with the required capability of ruling and execution. The way he tackled the issue of leadership, as an Imam, may peace and prayers be upon him, constitutes "an attribute additional to Prophethood, Messenger's mission, *fatwa* and exercise of judicial power". Accordingly, this has required him, peace be upon him, to have acts and dispositions in connection with the position of leadership (i.e. acting as an imam) different from the acts made by him in his capacity as the Prophet, the Messenger of *Allah*, Almighty, or in any other capacity. In this research /dissertation, I have come out with several findings, fore mostly including the following:

Every judgment made by our great Prophet, may the Prayers and Peace of *Allah* Be Bestowed upon him, in his capacity as the leader (by virtue of his position as the Greatest Imam) shall be entrusted to the rulers. Permission from the ruler must be considered as regards such judgment. Meanwhile, the ruler/*imam* must observe the circumstances of time

and place observed by the Messenger of *Allah*, prayers and peace be upon him, in most of his political discretions at war and peace and in all cases because they constitute partial and variable policies changing according to the most probable interest.

The acts of the Prophet in connection with his capacity as the *Imam* (political leader) are characterized by the fact that they are associated with partial interest dictated by specific circumstances in terms of time, place, and prepositional conditions. Such acts may certainly vary with the variation of these same circumstances

التمهيد

المطلب الأول: مفهوم الإمامة لغة واصطلاحاً

قال ابن منظور في لسان العرب: "الإمام كل من ائتم به قوم، كانوا على الصراط المستقيم أو كانوا ضالين، والجمع أئمة، وإمام كل شيء قيّمه، والقرآن إمام المسلمين، قال: وسيدنا محمد صلى الله عليه وسلم إمام الأئمة، والخليفة إمام الرعية..."[1].

وفي الاصطلاح: "الإمام هو الذي له الرئاسة العامة في الدين والدنيا جميعاً"[2].

ويسمى الإمام أيضاً: خليفة، لكونه يخلف النبي صلى الله عليه وسلم في أمته بحراسة الدين وسياسة الدنيا، ويقال له: خليفة بإطلاق، وخليفة رسول الله صلى الله عليه وسلم.

المطلب الثاني: منزلة الإمامة في الدين

قال شيخ الإسلام ابن تيمة -رحمه الله-: "يجب أن يعرف أن ولاية أمر الناس من أعظم واجبات الدين، بل لا قيام للدين ولا للدنيا إلا بها، فإن بني آدم لا تتم مصلحتهم إلا بالاجتماع لحاجة بعضهم إلى بعض، ولا بد لهم عند الاجتماع من رأس"[3].

وقد جاءت الأحاديث الصحيحة تؤكد على لزوم الجماعة وتمنع من الانعزال والتفرق ومنها ما يلي:

1- عن عبد الله بن عمر -رضي الله عنهما- قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من خلع يداً من طاعة، لقي الله يوم القيامة، لا حجة له. ومن مات وليس في عنقه بيعة، مات ميتة جاهلية"[4].

2- عن أبي سعيد الخدري -رضي الله عنه- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إذا خرج ثلاثة في سفرٍ فليؤمّروا أحدهم"[5]. فهذا الحديث يبين لنا ضرورة تنظيم شؤون المسلمين وانتظامهم تحت قيادة تدير شؤونهم حتى في أبسط التجمعات.

وقد أكّد لنا النبي صلى الله عليه وسلم في أوامره على السمع والطاعة والجماعة وقال: "من فارق الجماعة قيد شبر، فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه إلا أن يراجع، ومن ادعى دعوى الجاهلية، فإنه من جُثَى جهنم"[6].

المبحث الأول

مفهوم منصب الرسول صلى الله عليه وسلم بالإمامة وأبعاده في فقه الدين

المطلب الأول: الإمامة العظمى في العهد النبوي

لقد جاء الإسلام بالأحكام العادلة بالقوانين السامية والشريعة التي تحقق سعادة الناس وخيرهم، وأراد الله سبحانه وتعالى أن تقوم الحكومة الإسلامية لتنفيذ ما جاء به الوحي من أحكام، وإقامة الحدود ورعاية المصالح، وإقرار الحق الذي أرشد إليه الدين.

فمن هنا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجمع إلى جانب تبليغه أحكام الله تعالى وأوامره إلى الناس كافة، كلاً من سلطتي الإمامة الكبرى والقضاء.

قال تعالى: ﴿ وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ﴾[7]، وقال تعالى: ﴿ إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ﴾[8].

وعليه فقد تولى النبي صلى الله عليه وسلم منصب الإمامة العظمى، وهي تعني الرئاسة العامة في الأمة الإسلامية لحراسة الدين وحفظه وتطبيق أحكامه، وسياسة الأمة في امورها الدينية، وهو ما يعبّر عنه الإمام القرافي بكون الإمام قد "فوّضت إليه السياسة العامة في الخلائق، وضبط معاقد المصالح، ودرأ المفاسد، وقمع الجناة، وقتل الطغاة، وتوطين العباد في البلاد إلى غير ذلك مما هو من هذا الجنس"[9].

وبهذا المعنى تكون مهمة الإمامة متميزة عن الرسالة التي لا يدخل فيها إلا التبليغ من الله تعالى، وعلى الرغم من أن وظيفة الرسول صلى الله عليه وسلم الأساس هي النبوة وتبليغ الرسالة، إلا أنه مارس قيادة المسلمين وإمامتهم السياسية بكل ما تستلزمه من قدرة على الحكم والتنفيذ.

الأعمال التي باشرها النبي صلى الله عليه وسلم بمنصب الإمامة

عندما هاجر النبي صلى الله عليه وسلم من مكة إلى المدينة استقبله الأنصار وجعلوا له القيادة والرئاسة في المدينة، ونزلت على النبي صلى الله عليه وسلم التشريعات التي تساعده على إيجاد نظام حكم الدولة، فبدأت رئاسة الدولة بالنبي صلى الله عليه وسلم.

وباشر النبي صلى الله عليه وسلم اختصاصات لا يباشرها اليوم إلا رئيس الدولة كإعلان الحرب، وعقد الصلح وإبرام المعاهدات، ورئاسة شؤون القضاء وتنفيذ الأحكام، فكان عليه الصلاة والسلام هو المرجع في شؤون الدولة الداخلية والخارجية[10].

وقد سنّ النبي صلى الله عليه وسلم في بداية قيام دولته تنظيمات يكفل بها تحقيق المصالح العامة للدولة، ومن أهم هذه التنظيمات ما يلي:

1- بناء المسجد مكان العبادة وإدارة الحكم.
2- المؤاخاة بين المهاجرين والأنصار، وهذا يعني تعزيز وحدة الجبهة الداخلية.
3- تعيين رسول الله صلى الله عليه وسلم للأمراء والعمال.
4- مراسلة الملوك بعد صلح الحديبية.
5- كتابة الصحيفة التي تحدد نوع العلاقة بين سكان المدينة المسلمين واليهود وتبين الحقوق والواجبات بينهم.
6- تنظيم العمل بالشورى في أهل الحل والعقد في الشؤون السياسية العامة للدولة، مثل الشورى في إدارة شؤون الحرب، والمعاهدات بين النبي صلى الله عليه وسلم والقبائل وفي تعيين الولاة.

7- تنظيم أحوال المعاملات الأسرية والاقتصادية ومراقبة الأسواق.
8- تنظيم الأحكام الجنائية (قانون العقوبات).
9- إرسال الولاة والقضاة والعمال على الأقاليم والقبائل من أجل تعليم الناس أمور دينهم، وإقامة الصلاة، وجمع أموال الزكاة، والحكم بين الناس بالعدل.

المطلب الثاني

أولاً: جمع النبي صلى الله عليه وسلم بين مناصب الإمامة والقضاء والتبليغ وأبعادها في فقه الدين

إن وظيفة النبي صلى الله عليه وسلم ومهمته التي حددت في القرآن الكريم ليست مقصورة على التبليغ وحده، بل منها التعليم والتزكية أيضاً، وذلك يتمّ بأن يكون ما بلّغه النبي صلى الله عليه وسلم بالقول مطبّقاً تطبيقاً حياً مشاهداً.

لذا فقد بُعث النبي صلى الله عليه وسلم مبيّناً بقوله وفعله، وملتزماً فيهما بالمنهج الرباني، وكان من تمام البيان الفعلي أن النبي صلى الله عليه وسلم قام في حياته بأدوار مختلفة في البيئة الاجتماعية التي كان واحداً من أفرادها. وكان في كل دور من تلك الأدوار قدوة لمن يأتي بعده صلى الله عليه وسلم ممن يمثل ذلك الدور.

فقد كان صلى الله عليه وسلم رئيس دولة، وقائد جيش، كما كان صلى الله عليه وسلم مفتياً وقاضياً وراعياً لأسرته إلى غير ذلك من الأدوار التي مارسها صلى الله عليه وسلم في حياته.

وكان كثير من هذه الأدوار ممتزجاً بعضه ببعض، في شخصه صلى الله عليه وسلم.

والتصرف الذي كان يتصرفه كان ينتمي إلى واحد أو أكثر من هذه الجهات من شخصه الشريف.

والاقتداء به صلى الله عليه وسلم في فعل من أفعاله يكون صحيحاً إذا كان المقتدي به مساوياً له في الجهة التي صدر عنها ذلك الفعل. فالتصرفات الصادرة عنه بوصفه رئيس الدولة يقتدي به فيها من كان بعده رئيس دولة. وما فعله بوصفه مفتيا، يقتدي به فيه المفتي. وما فعله بوصفه قاضياً، يقتدي به فيه القاضي. وما فعله بوصفه إماماً في الصلاة يقتدي به فيه الأئمة بعده.

يقول القرافي –رحمه الله- في كتابه "الفروق" الفرق السادس والثلاثون: "اعلم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم هو الإمام الأعظم، والقاضي الأحكم، والمفتي الأعلم.. فجميع المناصب الدينية فوضها الله تعالى إليه في رسالته، وهو أعظم من كل من تولى منصباً منها في ذلك المنصب إلى يوم القيامة، فما من منصب ديني إلا وهو متصف به في أعلى رتبة، غير أن غالب تصرفه صلى الله عليه وسلم بالتبليغ، لأن وصف الرسالة غالب عليه، ثم تقع تصرفاته صلى الله عليه وسلم: منها ما يكون بالتبليغ والفتوى إجماعاً، ومنها ما يجمع الناس على أنه بالقضاء، ومنها ما يجمع الناس على أنه بالإمامة، ومنها ما يختلف العلماء فيه، لتردده بين رتبتين فصاعداً: فمنهم من يغلب عليه رتبة، ومنهم من يغلب عليه أخرى، ثم تصرفاته صلى الله عليه وسلم بهذه الأوصاف تختلف آثارها في الشريعة: فكل ما قاله صلى الله عليه وسلم أو فعله على سبيل التبليغ كان ذلك حكماً عاماً على الثقلين إلى يوم القيامة: فإن كان مأموراً به أقدم عليه كل أحد بنفسه، وكذلك المباح، وإن كان منهياً عنه اجتنبه كل أحد بنفسه، وكل ما تصرف فيه –عليه السلام- بوصف الإمامة لا يجوز لأحد أن يقدم عليه إلا بإذن الإمام، اقتداء به صلى الله عليه وسلم، لأن سبب تصرفه فيه بوصف الإمامة دون التبليغ يقتضي ذلك، وما تصرف فيه صلى الله عليه وسلم بوصف القضاء لا يجوز لأحد أن يقدم عليه إلا بحكم حاكم، اقتداء به صلى الله عليه وسلم، لأن السبب الذي لأجله تصرف فيه صلى الله عليه وسلم بوصف القضاء يقتضي ذلك، وهذه هي

الفروق بين هذه القواعد الثلاث"[11].

وخلاصة الأمر أن تصرفات النبي صلى الله عليه وسلم عند القرافي أربعة أنواع:

1- تصرف بالتبليغ
2- تصرف بالفتوى
3- تصرف بالقضاء
4- تصرف بالإمامة

ويستفاد منه أن هذه خصيصة من خصائص النبي صلى الله عليه وسلم حيث أعطي الرسالة والإمامة، والنبوة والخلافة والحكم والفتيا، وكل المناصب الدينية والدنيوية التي لم يعطها رسول قبله، ورغم كل هذا كان عبداً شكوراً.

المطلب الثالث: أبرز مظاهر الفروق بين المناصب النبوية وأبعادها ودلالاتها في فقه الدين

أولاً: الفروق بين هذه المناصب عند الإمام القرافي

وقد فرّق الإمام القرافي بين مفهوم كل من هذه المناصب في الأحكام بفروق دقيقة فيقول في كتابه "الإحكام في تمييز الفتاوى عن الأحكام".

"إن تصرف الرسول صلى الله عليه وسلم بالفتيا هو إخبار عن الله تعالى بما يجده في الأدلة من حكم الله تبارك وتعالى... وتصرفه صلى الله عليه وسلم بالتبليغ هو مقتضى الرسالة، والرسالة هي أمر الله تعالى له بذلك التبليغ، فهو صلى الله عليه وسلم ينقل عن الحق للخلق في مقام الرسالة ما وصل إليه عن الله تعالى، فهو في هذا المقام مبلغ وناقل عن الله تعالى"[12].

ويكون في مكان آخر: "..تصرفه عليه الصلاة والسلام بالفتيا والرسالة والتبليغ.. فذلك شرع يتقرر على الخلائق إلى يوم الدين، يلزمنا أن نتبع كل حكم مما بلغه إلينا عن ربه بسببه من غير اعتبار حكم حاكم ولا إذن إمام، لأنه عليه الصلاة والسلام مبلغ لنا ارتباط ذلك الحكم بذلك السبب، وخلى بين الخلائق وبين ربهم، ولم يكن منشئاً لحكم من قبله ولا مرتباً له برأيه على حسب ما اقتضته المصلحة، بل لم يفعل إلا مجرد التبليغ عن ربه كالصلاة، والزكاة، وأنواع العبادات، ثم تحصيل الأملاك بالعقود من البياعات والهبات وغير ذلك من أنواع التصرفات، لكل أحد أن يباشره ويحصل سببه ويترتب له حكمه من غير احتياج إلى حاكم ينشئ حكماً وإمام يجدد إذناً"[13].

وأما تصرفه صلى الله عليه وسلم بالقضاء فيقول فيها القرافي: "..تصرفه صلى الله عليه وسلم بالحكم.. مغاير للرسالة والفتيا، لأن الفتيا والرسالة تبليغ محض واتباع صرف، والحكم إنشاء وإلزام من قبله صلى الله عليه وسلم بحسب ما نتج من الأسباب والحجاج، ولذلك قال صلى الله عليه وسلم: "انّكم تختصمون إليّ، ولعلّ بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض، فمن قضيت له بشيء من حق أخيه فلا يأخذه، إنما أقتطع له قطعة من النار"، دلّ ذلك على أن القضاء يتبع الحجاج وقوة اللحن بها، فهو صلى الله عليه وسلم في هذا المقام منشئ، وفي الفتيا والرسالة متبع مبلغ، وهو في الحكم أيضاً متبع لأمر الله تعالى له بأن ينشئ الأحكام على وفق الحجاج والأسباب، لأنه متبع في نقل ذلك الحكم عن الله تعالى، لأن ما فوض إليه من الله لا يكون منقولاً عن الله.."[14].

وأما تصرفه صلى الله عليه وسلم بالإمامة فيقول فيه القرافي: "وصفه عليه الصلاة والسلام بالإمامة.. وصف زائد على الرسالة والفتيا والقضاء، لأن الإمام هو الذي فوِّضت إليه السياسة العامة في

الخلائق، وضبط معاقد الصلح، ودرء المفاسد، وقمع الجناة، وقتل الطغاة، وتوطين العباد في البلاد، إلى غير ذلك مما هو من هذا الجنس، وهذا ليس داخلاً في مفهوم الفتيا ولا الحكم ولا الرسالة.. لتحقق الفتيا بمجرد الإخبار عن حكم الله تعالى بمقتضى الأدلة، وتحقق الحكم بالتصدي لفصل الخصومات دون السياسة العامة.."[15].

وننتهي من ذلك إلى أن الإمام القرافي -رحمه الله- رأى أن تصرفات النبي صلى الله عليه وسلم متنوّعة، وأن بينها فروقاً دقيقة، فالرسالة تبليغ محض، والفتيا كذلك مع شيء من الاجتهاد في اختيار الحكم المناسب لموضوع الفتيا، بينما القضاء إنشاء وحكم على وفق الحجاج والأسباب، لكن الإمامة إنشاء مع إلزام بالتنفيذ. ولم يفت القرافي أن يذكر لنا موضع الاقتداء والاتباع للنبي صلى الله عليه وسلم في كل نوع من أنواع تصرفاته صلى الله عليه وسلم، فما كان من تصرفاته صلى الله عليه وسلم بالرسالة أو الفتيا فهو شرع دائم لجميع المسلمين، وعلى الجميع أن يعملوا به، لأنهم جميعاً مخاطبون به.

وأما ما كان من تصرفه صلى الله عليه وسلم بالقضاء فإنه لا يُعمل به إلا بناءً على حكم قاضٍ، وما وصل إلينا من تصرفاته صلى الله عليه وسلم بالإمامة فهو موكول إلى أولياء الأمور ينظرون فيه بناءً على ظروف عصرهم في إطار المقاصد العامة والمقررات الثابتة في التشريع الإسلامي"[16].

دلالة التصرفات النبوية بالإمامة في التعامل مع الأحاديث النبوية

المطلب الأول: تعريف التصرفات النبوية بالإمامة

يُعرف التصرفات النبوية بالإمامة بأنها تصرفاته صلى الله عليه وسلم بوصفه إماماً للمسلمين ورئيساً للدولة، يدير شؤونها بما يحقق المصالح ويدرأ المفاسد، ويتخذ الإجراءات والقرارات الضرورية لتحقيق المقاصد الشرعية في المجتمع، ويسميها الإمام ابن القيم -رحمه الله- بأنها تصرفات بالسياسة الشرعية أو بالإمارة[17].

وقد كان الصحابة -رضي الله عنهم- يميزون بين وظيفته صلى الله عليه وسلم مبلغاً للرسالة والوحي ووظيفته بوصفه إماماً وقائداً سياسياً وحربياً، وإذا اختلط عليهم الأمر سألوه، فبين لهم ذلك. وقد ثبت أن الرسول صلى الله عليه وسلم يفعل الأمر، فيسأله الصحابة -رضوان الله عليهم- هل هو وحي فيجب طاعته، أو هو رأي يمكن معارضته برأي آخر، يشيرون عليه في الرأي برأي آخر، فيقبل منهم ويوافقهم، ومن الأمثلة على ذلك ما يلي:

1- ورد في الحديث أن النبي صلى الله عليه وسلم لما نزل بدر أنزل بأدنى مياهه، فقال له الحباب بن المنذر: أهذا منزل أنزلكه الله ليس لنا أن نتقدمه، أم هو الرأي والحرب والمكيدة؟ فقال صلى الله عليه وسلم: "بل هو الرأي والحرب والمكيدة" قال: فإنه ليس بمنزل، انهض حتى نأتي أدنى ماء من القوم، فننزله ثم نغور ما وراءه من القليب، فنشرب ولا يشربون[18].

2- ومنه ما رواه أبو سعيد الخدري –رضي الله عنه- قال: لما كانت غزوة تبوك أصاب الناس مجاعة، قالوا: "يا رسول الله لو أذنت لنا فنحرنا نواضحنا فأكلنا وادهنا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "افعلوا"، فجاء عمر فقال: يا رسول الله إن فعلت قل الظهر، ولكن ادعهم بفضل أزوادهم، ثم ادع الله لهم عليها بالبركة، لعل الله أن يجعل في ذلك، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نعم..."[19].

ففي هذه الأمثلة راجع الصحابة بعض قراراته صلى الله عليه وسلم وناقشوه فيها، وقبل منهم صلى الله عليه وسلم ذلك ونزل في كثير من الأحيان عند رأيهم، وهذا كله دليل على أنهم أدركوا مبكراً أن من تصرفاته صلى الله عليه

وسلم ما هو اجتهادي مرتبط بالمصلحة وقابل للتغيير والمراجعة. وعليه فقد تبين أن التصرفات النبوية بالإمامة تصرفات تشريعية خاصة بزمانها وظروفها، وليست ملزمة لأي جهة تشريعية أو تنفيذية بعده.
ولذلك لما سرد الإمام ابن القيم –رحمه الله- نماذج من تصرفات الرسول صلى الله عليه وسلم وخلفائه الراشدين بالسياسة الشرعية قال بعدها: "والمقصود أن هذا وأمثاله سياسة جزئية بحسب المصلحة، يختلف باختلاف الأزمنة، فظنها من ظنها شرائع عامة لازمة للأمة إلى يوم القيامة، ولكل عذر وأجر، ومن اجتهد في طاعة الله ورسوله فهو دائر بين الأجر والأجرين"[20].

المطلب الثاني: أمثلة ونماذج على دلالة التصرفات النبوية بالإمامة في التعامل مع الأحاديث النبوية

وقبل استعراض بعض الأمثلة التي يمكن أن تدخل في تصرفات الرسول صلى الله عليه وسلم بالإمامة لابدَّ من الإشارة إلى أن هناك أموراً لا شك في أنها منها باتفاق العلماء، كتجهيز الجيوش وتولية الولاة وقسمة الغنائم وعقد العهود وغيرها[21]، وقد تقدم ذكر نماذج منها في المبحث الأول. لكن هناك أموراً في السنة لم يتفق العلماء على كونها من تصرفاته صلى الله عليه وسلم بالإمامة، لأنها وردت في صورة تشريعات عامة، لذلك فهم يلجأون إلى البحث عن قرائن في ملابسات التصرف النبوي وظروفه لتمييز ما هو شرع عام لأمة كلها وما هو تصرف راجع إلى الإمام وإذنه[(22)] وفيما يلي يذكر الباحث نماذج من تصرفه صلى الله عليه وسلم بالإمامة وهي:

أولاً: النهي عن ادِّخار لحوم الأضاحي

مثال أول نجده في هذا الإجراء الذي اتخذه الرسول صلى الله عليه وسلم بوصفه إمام المسلمين المكلف شرعاً بالتدخل لتخفيف أزمات المجتمع ودرء المشاق عن أفراده، لما وفدت على المدينة وفود من قبائل هربت من الجفاف فصادف دخولها المدينة مناسبة عيد الأضحى، فربما سبب ذلك أزمة تموينية أو غذائية بالمدينة، وربما لاحت بذورها في الأفق، فنهى الرسول صلى الله عليه وسلم عن ادخار لحوم الأضاحي فوق ثلاثة أيام، وأمرهم أن يأكلوا منها ويتصدقوا بباقيها تحقيقاً لمبدأ التكافل الاجتماعي وتخفيفاً على المتضررين... فليس من المقبول شرعاً وعقلاً أن يأكل بعض المجتمع اللحم حتى الشبع بينما لا يجد آخرون ما يسدّون به الرمق.

فقد روى البخاري من حديث سلمة بن الأكوع قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "ومن ضحّى منكم فلا يصبحن بعد ثلاثة ويبقى في بيته منه شيء"، فلما كان العام المقبل قالوا: يا رسول الله، نفعل كما فعلنا في العام الماضي؟ قال: "كلوا وأطعموا وادّخروا، فإن ذلك العام بالناس جهد [أي كانوا في أزمة] فأردت أن تعينوا فيها[23].

ومنها ما رواه مسلم عن عائشة -رضي الله عنها- قالت: دفّ الناس من أهل البادية حضرة الأضحى في زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "ادخروا الثلاث وتصدقوا بما بقي"، قالت: فلما كان بعد ذلك قيل: يا رسول الله، لقد كان الناس ينتفعون من ضحاياهم يجعلون منها الودك ويتخذون الأسقية، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنما نهيتكم من أجل الدافة التي دفت حضرة الأضحى فكلوا وتصدقوا وادّخروا"[24].

وعن سليمان بن بريدة عن أبيه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم في حديث طويل: "[.......] وكنت نهيتكم عن لحوم الأضاحي فوق ثلاث ليتسع ذو الطول على من لا طول له فكلوا ما بدا لكم وأطعموا وادّخروا"[25].

وهكذا تبين هذه الروايات الظروف التي من أجلها نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن ادخار لحوم الأضاحي فوق ثلاث. وهي أن جماعات من الناس ألجأتهم الحاجة والمجاعة إلى المدينة فأراد النبي صلى الله عليه

وسلم بهذا الحكم أن يشارك الأغنياء في إطعام الفقراء، حيث نهى عن ادخار اللحم أكثر من ثلاث ليال لتسد تلك الحاجة التي ألمت الناس ولكن عندما اختلفت الظروف، وزالت المجاعة أذن لهم النبي صلى الله عليه وسلم في الادخار فاختلف الحكم من الحظر إلى الإباحة بحسب الظروف.

يقول الشيخ أحمد شاكر في التعليق على هذا الحديث: "وكان تصرف النبي صلى الله عليه وسلم على سبيل تصرف الإمام والحاكم فيما ينظر فيه لمصلحة الناس، وليس على سبيل التشريع في الأمر العام، بل يؤخذ منه أن للحاكم أن يأمر وينهي في هذا، ويكون أمره واجب الطاعة لا يسع أحداً مخالفته......فإنه قصد إلى تعليمهم أن مثل هذا يدور مع المصلحة التي يراها الإمام، وأن طاعته فيها واجبة"[26].

"وليس الحكم الجزئي هو المهم هنا، ولكن المهم هو منهج التعامل مع الواقع، والأهداف التي يجب العمل لتحقيقها فيه، ويمكن اتخاذ نفس الإجراء في حالة وجود ظروف غذائية أو تموينية مماثلة أيّاً كان سببها، كما يمكن اتخاذ أي إجراء آخر مناسب تراه الجهات التشريعية المتخصصة، ولا شك أن ذلك يختلف باختلاف الظروف الحضارية وتعقد العلاقات الاقتصادية وتغير ملابسات كل حادثة[27]. وتؤسس هذه الأمثلة والنماذج كلها منهجاً واحداً في التعامل مع السنة هو الذي حاولنا التدليل عليه هنا، ونقاطه الأساسية تتمثل فيما يلي[28]:

1- ليس كل ما ورد في السنة من تصرفات الرسول صلى الله عليه وسلم واجب الاتّباع. بل منه تصرفات نهائية هي شرع دائم واجب الاتّباع، ومنه تصرفات الرسول صلى الله عليه وسلم بالإمامة يجب فيها الالتزام بالمنهج وليس بالأحكام الجزئية.

2- إن عدم الالتزام بتصرفات الرسول صلى الله عليه وسلم بالإمامة مراعاة لمقاصدها ليس خروجاً عن السنّة ومخالفة للرسول صلى الله عليه وسلم، بل هو عين اتّباع السنة وعين طاعة الرسول صلى الله عليه وسلم. والجمود هو الخروج عن المراد الشرعي لأنه قصم بين حكم الشرع وبين مقصده ومآله.

3- إن الواجب على كل جهة مكلفة بالتسيير أو التشريع –على مستوى الدعوة أو الدولة- الاجتهاد في تلك التصرفات لتحقيق مقاصد التشريع ببدائل مناسبة ومكافئة.

وما قررناه هنا أصل من أصول الشرع يجب عدم إغفاله عند التعامل مع نصوص السنة تفادياً لأي خطأ أو مزلق. لذلك يقول القرافي: "وعلى هذا القانون وهذه الفروق يتخرج ما يرد عليك من هذا الباب من تصرفاته صلى الله عليه وسلم فتأمل ذلك فهو من الأصول الشرعية"[29].

المبحث الثالث

خصائص التصرفات النبوية بالإمامة ودلالاتها في فقه الدين

نقصد بالخصائص هنا الأمور التي تميز التصرفات النبوية بالإمامة عن باقي التصرفات النبوية، ويمكن حصر أهم خصائصها ودلالاتها في فقه الدين في الأمور الآتية:

1- تصرفات تشريعية خاصة.
2- مرتبطة بالمصالح العامة.
3- تصرفات اجتهادية.

المطلب الأول: تصرفات تشريعية خاصة.

فتصرفات الرسول صلى الله عليه وسلم بالإمامة تصرفات للاقتداء والتنفيذ، فهي بالتالي سنة تشريعية، لكنها تصرفات جزئية مرتبطة بتدبير الواقع وسياسة المجتمع، فهي خاصة بزمانها ومكانها وظروفها، ومن ثم فهي ليست

شرعاً عاماً ملزماً للأمة إلى يوم القيامة، وعلى الأئمة وولاة الأمور بعد الرسول صلى الله عليه وسلم ألا يجمدوا عليها، وإنما عليهم أن يتبعوه صلى الله عليه وسلم في المنهج الذي بنى عليه تصرفاته، وأن يراعوا المصالح الباعثة عليها، والتي راعاها النبي صلى الله عليه وسلم زماناً ومكاناً وحالاً.

يقول الإمام ابن القيم –رحمه الله-: "إن الرسول صلى الله عليه وسلم قد يقول الحكم بمنصب الإمامة فيكون مصلحة للأمة في ذلك الوقت وذلك المكان، وعلى تلك الحال، فيلزم من بعده من الأئمة مراعاة ذلك حسب المصلحة التي راعاها النبي صلى الله عليه وسلم زماناً ومكاناً وحالاً"[30].

ويقول القرافي –رحمه الله-: "لا يجوز لأحد الإقدام عليه إلا بإذن إمام الوقت الحاضر لأنه صلى الله عليه وسلم إنما فعله بطريق الإمام ولا استبيح إلا بإذنه"[31]. ويقول القرافي –رحمه الله- ايضاً: "وما وصل إلينا من تصرفاته صلى الله عليه وسلم بالإمامة فهو موكول إلى أولياء الأمور ينظرون فيها بناء على ظروف عصرهم في إطار المقاصد العامة والمقررات الثابتة في التشريع الإسلامي"[32].

وهكذا فإن أمثال تلك التصرفات بالإمامة مفوضة إلى رأي الإمام أو الجهات المسؤولة في المجتمع، تراعي فيها مقاصد الشرع –حسب المصلحة التي راعاها النبي صلى الله عليه وسلم زماناً ومكاناً وحالاً- والجمود على تلك التصرفات النبوية على الرغم من قيام دواعي تغييرها، خروج عن المراد الشرعي ومجافاة للسنة.

ومن الأمثلة على ذلك قول النبي صلى الله عليه وسلم: "من أحيا أرضاً ميتةً فهي له"[33].

فقد حكم النبي صلى الله عليه وسلم بتمليك الأرض التي لا يملكها ولا يستغلها أحد لمن يحييها بالزراعة أو غيرها من أنواع الاستثمار، أما في غير عهده صلى الله عليه وسلم فإن الإمام أو الجهات المسئولة هي المخول لها أن تعطي هذا الحق أو تمنعه أو تنظمه بطريقة مغايرة حسب المصلحة.

ولذا قال الإمام أبو حنيفة: "الإحياء لا يكون إلا بإذن الإمام"[34].

المطلب الثاني: تصرفات مرتبطة بالمصالح العامة

إن رعاية المصالح الفردية أو الخاصة مبثوث في تصرفاته صلى الله عليه وسلم بكل أنواعها، لكن التصرفات بالإمامة تهدف أساساً إلى تحقيق المصالح العامة، ورئيس الدولة (أو الإمام) شرطه الاساس، لدى القرافي، أن يكون "عارفاً بتدبير المصالح وسياسة الخلق"، وإذا كان القضاء يعتمد الحجج والقرائن والبينات، والفتيا تعتمد الأدلة الشرعية، فإن التصرف بالإمامة "يعتمد المصلحة الراجحة أو الخالصة في حق الأمة وهي غير الحجة والأدلة"[35].

والسبب في ذلك أن "الإمام هو الذي فوّضت إليه السياسة العامة في الخلائق، وضبط معاقد المصالح، ودرء المفاسد، وقمع الجناة وقتل الطغاة وتوطين العباد في البلاد[36]. ومن الأمثلة على ذلك أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى مرة عن ادخار لحوم الأضاحي فوق ثلاث فقال لهم: "إنما نهيتكم من أجل الدافة التي دفت حضرة الأضاحي فكلوا وتصدقوا وادخروا"[37] فهذه مصلحة عامة اعتبرت في تغيير هذا الحكم الشرعي، لذلك ذهب الشيخ أحمد محمد شاكر إلى "أنه تصرف منه صلى الله عليه وسلم على سبيل تصرف الإمام والحاكم فيما ينظر فيه لمصلحة الناس، وليس على سبيل التشريع في الأمر العام"[38].

المطلب الثالث: تصرفات اجتهادية

فمن المتفق عليه أن الرسول صلى الله عليه وسلم عندما يبلغ عن الله أو عندما يبين الدين يتصرف وفق

ما أوحي إليه به أو وفق ما فهمه من الوحي مما لا يقر فيه على خطأ، وعندما يتصرف بوصفه "إماماً" أو قائداً سياسياً إنما يتصرف باجتهاده ورأيه الذي يمكن أن يصيب فيه أو يخطئ، وهذا الأمر الثاني يكاد يجمع عليه الأصوليون والفقهاء.

واستدلوا عليه بقوله تعالى: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾[39] فلو كان وحيا لم يشاور فيه[40].

وهذا النص يشير إلى أمثلة من تصرفاته صلى الله عليه وسلم السياسية، وإلى أنها كانت عن اجتهاد منه صلى الله عليه وسلم ورأي. ومما يدل أيضاً على أن تصرفاته صلى الله عليه وسلم بالإمامة راجعة إلى اجتهاده، مشاورته لأصحابه فيها، إذ لو كان مأموراً بالوحي في القضية المعروضة لما استشارهم[41]، وقد تقدم ذكر نماذج منها في المبحث الثاني.

وخلاصة القول في هذه الخصائص أن تصرفات الرسول بالإمامة ليست ملزمة لأي جهة تشريعية أو تنفيذية بعده، ولا يجوز الجمود عليها بحجة أنها "سنة"، وإنما يجب على كل من تولى مسؤولية سياسية أن يتبعه صلى الله عليه وسلم في المنهج الذي هو بناء التصرفات السياسية على ما يحقق المصالح المشروعة، كما لا يجوز لأحد أن ينشئ الأحكام بناء عليها إلا أن يكون في مقام التسيير والتشريع، ومن الأخطاء الشائعة في فهم النصوص النبوية اعتبار تصرفات جزئية بحكم الإمامة شرعاً عاماً للأمة كلها، وهذا باب واسع للجمود والغلو في فهم الدين، ولذلك لما سرد ابن القيم نماذج من تصرفات الرسول صلى الله عليه وسلم وخلفائه الراشدين بالسياسة الشرعية قال: "والمقصود أن هذا وأمثاله سياسة جزئية بحسب المصلحة يختلف باختلاف الأزمنة، فظنها من ظنها شرائع عامة لازمة للأمة إلى يوم القيامة ولكل عذر وأجر.

ومن اجتهد في طاعة الله ورسوله فهو دائر بين الأجر والأجرين.

الخاتمة

في ختام هذه الدراسة أذكر أهم النتائج التي توصلت إليها وهي كالآتي:

1- إن الله سبحانه وتعالى خصّ الرسول صلى الله عليه وسلم من بين سائر الأنبياء حيث أعطاه الرسالة، والإمامة، والنبوة، والخلافة، والحكم، والفتيا، وكل هذه المناصب الدينية والدنيوية لم يعطها رسول قبله، ورغم كل هذا كان عبداً شكوراً.

2- إن النبي صلى الله عليه وسلم كان هو الإمام والمرجع في الحكم في العهد النبوي، فبدأت به الإمامة ورئاسة الدولة في الإسلام، وكان يقوم بتدبير شؤون دولته عن طريق الوحي فيما ورد بشأنه وحي، وإلا عمل بما أدّى إليه اجتهاده، وكذلك بما يشير إليه أهل الرأي من الصحابة، وهكذا سار الخلفاء الراشدون.

3- إن النبي صلى الله عليه وسلم قد باشر بعد هجرته إلى المدينة شؤون إدارة الدولة، فأسّس المسجد النبوي الذي كان مقرّاً لإدارة الدولة الإسلامية في عهده، وآخى النبي صلى الله عليه وسلم بين المهاجرين والأنصار بطريقة أدّت إلى استقرار المجتمع داخل الدولة، ووضع بينه وبين اليهود من سكان المدينة وثيقة لضمان الدفاع عن أمن الدولة الناشئة واستقرارها.

4- إن سيّد الحكام والساسة هو الرسول صلى الله عليه وسلم، لذا يجب أخذ السياسات من أقواله وأفعاله وسيرته ومغازيه، لأن مثل هذا اللون لا يوجد إلا في ميراث النبوة.

5- إن الشريعة هي المصدر الحقيقي للتشريعات الصادرة في مجال السياسة والأنظمة الأخرى، والسياسة جزء من أجزائها، لا قسيمها كما يدعي بعض الجهال، وأن الشريعة كاملة شاملة كافية، وليست الأمة

بحاجة إلى نظام أو سياسة خارجة عنها في أي زمان أو مكان أو حال.

6- إن كل حكم صدر من الرسول صلى الله عليه وسلم بموجب الرسالة والنبوة هو حكم عام لكل أحد، ثابت لا يتغير بتغير الأزمنة والأمكنة، والأحوال إلى يوم القيامة.

7- كل حكم صدر من النبي صلى الله عليه وسلم بموجب الإمامة العظمى فهو مناط بالحكام، فلابد من اعتبار إذن الإمام فيه، ويجب على الإمام مراعاة الأحوال، والأزمنة والأمكنة التي راعاها رسول الله صلى الله عليه وسلم في معظم أحكامه السياسية في الحرب والسلم، وفي كل الأحوال، لأنها سياسات جزئية متغيرة حسب المصلحة الراجحة.

8- كل حكم صدر بموجب منصب الفتيا من النبي صلى الله عليه وسلم فهو شرع لازم لجميع المسلمين، أما ما صدر من الفتاوى من أحد المفتين من المسلمين هو حكم فتيا غير ملزم، يأخذ منه ويدع حسب الواقعة، وحسب أصدق وأوثق المفتين عنده في أي زمان أو مكان.

9- تتميز التصرفات النبوية بالإمامة بأنها مرتبطة بمصالح جزئية، تمليها ظروف محددة من حيث الزمان والمكان والحال، ويمكن أن تختلف طبعاً لهذه الظروف نفسها.

10- إن التصرفات النبوية بالإمامة مرتبطة مباشرةً بأحوال الدولة الإسلامية ونظامها الكلي من الناحية السياسية، والاجتماعية، والاقتصادية.

11- تبين من خلال الإمام القرافي وغيرهم أن هناك فروقاً دقيقةً بين الأحكام الصادرة بموجب الإمامة والأحكام الأخرى ومنها:

- إن الإمام الحاكم وحده هو المنوط إليه السياسة العامة للدولة الإسلامية، ولا يملك هذا الحق المفتي أو القاضي وغيرهم.
- إن الحاكم له السلطات العامة التي يتحقق بها المصالح العامة، وليس هذا لغيره.
- أن الأحكام الصادرة بموجب الإمامة تتميز بقوة التنفيذ بخلاف الأحكام الصادرة بموجب الحكم أو الفتوى أو غيرها للأسباب.

خلاصة البحث

إن وظيفة الرسول صلى الله عليه وسلم الأساس هي النبوة وتبليغ الرسالة إلا أنه مارس قيادة المسلمين وإمامتهم السياسية بكل ما تستلزمه من قدرة على الحكم والتنفيذ، وتصرفه عليه السلام بالإمامة "وصف زائد على النبوة والرسالة، والفتيا والقضاء" فاقتضى ذلك أن تكون له من منصب الإمامة تصرفات تختلف عن تصرفاته الصادرة عنه بحكم النبوة والرسالة أو بحكم أي مقام آخر.

وقد توصلت في هذا البحث إلى نتائج كثيرة أهمها ما يلي:

1- كل حكم صدر من النبي صلى الله عليه وسلم بموجب الإمامة العظمى فهو مناط بالحكام، فلابد من اعتبار إذن الإمام فيه، ويجب على الإمام مراعاة الأحوال، والأزمنة والأمكنة التي راعاها رسول الله صلى الله عليه وسلم في معظم أحكامه السياسية في الحرب والسلم، وفي كل الأحوال، لأنها سياسات جزئية متغيرة حسب المصلحة الراجحة.

2- تتميز التصرفات النبوية بالإمامة بأنها مرتبطة بمصالح جزئية، تمليها ظروف محددة من حيث الزمان والمكان والحال، ويمكن أن تختلف طبعاً لهذه الظروف نفسها.

الهوامش

1- ابن منظور،محمد بن مكرم بن منظور،لسان العرب ،دارصادر،بيروت،ط1، 24/12 مادة (أمم).
2- الجرجاني، عبد القاهر ،التعريفات، دار الكتب العلمية بيروت لبنان (ص: 35).
3- السياسة الشرعية في الراعي والرعية (ص: 138).
4- مسلم بن الحجاج، الجامع الصحيح، كتاب الإمارة، باب: وجوب ملازمة المسلمين عند ظهور الفتن، وفي كل حال، وتحريم الخروج على الطاعة ومفارقة الجماعة، رقم (1851)
5- سليمان بن الاشعث السجستاني، الأزدي، سنن أبو داود،كتاب الجهاد، باب: في القوم يسافرون يؤمِّرون أحدهم، رقم 2608
6- أحمد بن محمد بن حنبل ، الشيباني، المسند، رواه أحمد في مسنده من حديث معاذ بن جبل ـ رضي الله عنه ـ 5 /232 برقم (22082).
7- المائدة 5: (50-49).
8- النساء 4: (105).
9- شهاب الدين للقرافي، الإحكام في تمييز الفتاوى عن الأحكام وتصرفات القاضي والإمام، (ص:93).
10- منير حميد البياتي ،النظم الإسلامية للدكتور/ (ص 220) ، الأردن، عمان، دار وائل للنشر، الطبعة الأولى عام 2006م.
11- الفروق للقرافي (223/1-221) المكتبة العصرية، صيداء، بيروت، الطبعة الأولى 1424هـ
12- الإحكام في تمييز الفتاوى عن الأحكام وتصرفات القاضي والإمام (ص: 86-87).
13- نفس المصدر (ص:96).
14- نفس المصدر (ص: 87-90).
15- نفس المصدر (ص: 93).
16- فس المصدر (ص: 95).
17- "الطرق الحكمية في السياسة الشرعية" (ص15-13) تحقيق محمد حامد الفقهي.
18- رواه الحاكم (427/3-426) وسكت عنه، والسيرة النبوية لابن هشام (192/2).
19- رواه مسلم في صحيحه برقم (27) (كتاب الإيمان/ باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعاً)، وأحمد في سنده (11/3).
20- الطرق الحكمية في السياسة الشرعية تحقيق محمد حامد الفقهي، ص 18.
21- الفروق (207/1).
22- انظر: سعد الدين العثماني، الدكتور،بتصرف كتاب: "فقه الدين والدولة" ص: 33 وما بعدها.
23- محمد بن اسماعيل بخاري، الجامع الصحيح، كتاب الأضاحي باب ما يؤكل من لحوم الأضاحي وما يتزود منها، رقم الحديث (5569)ومسلم ،كتاب الأضاحي ، باب ما كان من النهي عن أكل لحوم الأضاحي ، رقم (1974)
24- رواه مسلم برقم (1971)، كتاب الاضاحي باب ما كان من النهى عن أكل لحوم الأضاحي بعد ثلاث، وأبو داود، كتاب الأضاحي، باب في حبس لحوم الأضاحي.
25- رواه مسلم في صحيحه ،كتاب الاضاحي ، باب ما كان في النهي عن أكل لحوم الأضاحي بعد ثلاث، رقم (1977)
26- الرسالة للإمام الشافعي بتحقيق الشيخ أحمد شاكر (ص 242-245).
27- أنظر: كتاب في فقه الدين والسياسة (ص: 35) وما بعدها.
28- انظر بتصرف: في فقه الدين والسياسة للدكتور/ سعد الدين العثماني (41-40).
29- الفروق (209/1).
30- زاد المعاد في هدي خير العباد (430/3-429).
31- الإحكام في تمييز الفتاوى عن الأحكام وتصرفات القاضي والإمام (ص: 95).
32- نفس المصدر (96-95).
33- تقدم تخريجه في المبحث الثاني.
34- كتاب الخراج (ص 176).
35- الإحكام للقرافي (ص: 41).
36- نفس المصدر (ص: 93).

37- رواه مسلم كتاب الأضاحي باب ما كان من النهي عن أكل لحوم الأضاحي بعد ثلاث، وأبوداود كتاب الأضاحي باب في حبس لحوم الأضاحي.

38- الرسالة للشافعي، هامش (ص 242).

39- آل عمران: 159

40- ابن تيمية ، المسودة في أصول الفقه، ص 508، وانظر منهاج السنة المحمدية (160/3)، ودرء تعارض العقل والنقل (51/7).

41- منهاج السنة المحمدية (160/3).

OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AOU)
ISSN (Print): 1992-8556
mei.aiou.edu.pk
iri.aiou.edu.pk

الخدمة المصرفية في المصارف التقليدية الإسلامية في باكستان

(Banking services in Pakistan: Traditional Islamic Banks)

* محمد الطاف حسين الأزهري

الباحث بمرحلة الدكتوراه، كلية الشريعة والقانون، الجامعة الاسلامية العالمية، اسلام آباد

** الدكتور محمد إبراهيم سعد النادي

مشرف على البحث، أستاذ بكلية الشريعة والقانون، الجامعة الإسلامية-اسلام آباد-وجامعة الأزهر-جمهورية مصر العربية

Abstract

Banking services meet the potential needs of society over diversified perspectives in terms of consumer, corporate, investment, agriculture, microfinance and central banking. Further, these services fulfil the credit shortage, protect the money and share credibility in international banking as well. The banking sector has developed over the time gradually offering banking services according to the need of time. Moreover, there are sound evidences in the era of ignorance, at time of beloved Prophet *Muhammad* PBUH and later in Umayyad and Abbasids time onward on banking services. In context of Pakistan, there is prevailing dual banking system; conventional and Islamic banking offering a variety of banking services. This study investigates the banking services with historical review and concludes all of them on banking services offered in Pakistan.

Keywords: Banking Services, Banking History, Dual banking system, Conventional and Islamic banking

تعريف الخدمة المصرفية (Banking Services) لغةً واصطلاحاً

قبل الخوض في التعريف اللغوي والاصطلاحي أريد أن أشرح الكلمة تحليلاً باعتبار أجزائه؛ وأقول: هي مركب توصيفي من الموصوف والصفة. وكل جزء منها لها معنًى مستقل عن المعنى الاصطلاحي. بيانها فيما يلي:

أوّلاً: تعريف كلمة الخدمة (Service) لغةً[1]

الخدمات جمع خدمة، وهي المساعدة، وهي من خَدَمَ، كلمة الخدمة بالكسر (الاسم) وبالفتح (المصدر) مصدر خَدَمَ يَخدِمُ، يقال: خدمه أي قام بحاجته؛ وأخدمه، وخدَّمه، واستخدمه، واختَدَمَه: أي جعله خادمًا أو سأله أن يخدمه، والخَدَمُ: الخدَّام، والخدّام (مبالغةٌ في الخادم) جمع خادم: وهو من يخدِمُ الآخرين ويفيدهم وينفعهم في أمورهم مهما كانت؛ وكلمة الخادم يصدق على الذكر والأنثى، لأنه يجرى مجرى الأسماء غير المأخوذة من الأفعال، ويقال للأنثى في لغةٍ قليلةٍ الاستعمال: خادمة. ومنه الخَدْمة: الساعة من ليلٍ أو نهار؛ والخَدَمَةُ: الحَلقَة المحكَمة.

وكلمة الخدمة ترادفها كلمة (Service) في اللغة الإنجليزية، وهي ربما مأخوذة من كلمة فرنسية (service) أو لاطينية (servitium)، وتستعمل في معانٍ كثيرةٍ لغةً مثل: مساعدة أو فضل، هديّة، منحة، عناية واهتمام.

ثانياً: تعريف كلمة الخدمة اصطلاحاً

لقد وردت تعريفات متعددة عن الخدمة اصطلاحاً، ويلاحظ بأنه لا يخرج المعنى الاصطلاحي عن المعنى اللغويّ؛

أما الآن فنذكر لك بعضاً من تعريفات الخدمة اصطلاحاً:

1. إنها تمثل عملاً أو تسهيلات تقود للمساعدة في إنجاز الأعمال مقابل أجر معين.[2]
2. نشاط يرافقه عدد من العناصر غير الملموسة والتي تتضمن التفاعل مع العملاء (الزبائن) أو مع خاصية الحيازة (الامتلاك) وليس نتيجة لانتقالها للمالك.[3]
3. إنها عبارة عن تصرفات أو أنشطة أو أداء يقدم من طرف إلى طرف آخر، وهذه الأنشطة تعتبر غير ملموسة ولا يترتب عليها نقل ملكية أي شيء كما أن تقديم الخدمة قد يكون مرتبطا أو غير مرتبط بمنتج مادي ملموس[4].
4. الخدمة: هي أداء لنشاط موجة لإشباع حاجات المستفيدين[5]
5. التعريف لدى الباحث:

الخدمة أمر غير مرئي، هي عبارة عن تصرف أو نشاطٍ أو من جانب إلى جانب آخر يبتني على أساس المساعدة والتسهيل في إنهاء عملٍ معينٍ، وقد يرافقه أجر.

ثالثاً: التأملات في التعريفات

ترشدنا هذه التعريفات إلى ملامح، منها:

1. هي عبارة عن تصرف أو نشاطٍ. 2. إنها تبتني على المساعدة والتسهيل لطرفٍ آخر. 3. إنه نشاطٌ يرافقه عددٌ من العناصر غير الملموسة. 4. وإن تقديم الخدمة قد يكون مرتبطا أو غير مرتبط بمنتج مادي ملموس. 5. إنها أمر غير مرئي.

رابعاً: أنواع الخدمة[6]

تنقسم الخدمات إلى عدّة أقسام، وذلك بناءً على معايير عديدة، كالمُقابل الماديّ، وطبيعة المجال الذي تُقدم خلاله الخدمة، وطبيعة القائمين عليها، ويمكن تقسيمها حسب العديد من الأسس ومن أهمها الأسس التالية:

التقسيم الأوّل: خدمات حسب الزبون

وهو ينقسم إلى نوعين:

أوّلاً: الخدمات حسب المستهلكين: وهي خدمات مختلفة تقدم للزبائن كالتأمين على الحياة والسياحة وحلاقة الشعر لهذا سميت بالخدمات الشخصية.

ثانياً: الخدمات حسب المنشآت: وهي خدمات مختلفة تقدم في الأعمال (المنشآت)، كما يجري الاستشارات الإدارية.

التقسيم الثاني: خدمات حسب درجة الاعتمادية في تقديم الخدمة

وهو ينقسم إلى نوعين:

أوّلاً: خدمات تعتمد في تقديمها على الإنسان بدرجة كبيرة.

ثانياً: خدمات تعتمد في تقديمها على المكائن والآلات بدرجة كبيرة. فالطبيب النفسي مثلاً لا يحتاج إلا إلى عدد قليل من المعدات. بينما الطيار يحتاج إلى معدات غالية الثمن وهي الطائرة وتوابعها.

التقسيم الثالث: خدمات حسب أهمية حضور المستفيد من الخدمة إلى أماكن تقديمها

وهو نوعان:

أوّلاً: خدمات تتطلب حضور المستفيد لأماكن تقديم الخدمة.

ثانياً: خدمات لا تتطلب لحضور المستفيد لأماكن تقديم الخدمة

التقسيم الرابع: خدمات حسب دوافع مقدم الخدمة

وهو ينقسم إلى نوعين:

أوّلاً: خدمات تقدم بدافع الربح:

وتشمل الخدمات المدفوعة الأجر، كالخدمات السياحية التي تقدمها بعض المكاتب، ويتحملها على الأغلب المُرشد السياحيّ، وتنحصر مهمته في تعريف السائح على الأماكن الأثرية والتاريخية في بلدٍ ما، واصطحابه إلى المطاعم والأماكن الترفيهية ضمن جولةٍ سياحيةٍ كاملة،

ثانياً: خدمات تقدم بدون دافع الربح:

والخدمات غير الربحية التي تُقدمها الجمعيات الإنسانية، أو المنظمات الإغاثية التي يظهر دورها بارزاً وقت النكبات والكوارث الطبيعية، أو الحروب وتشمل خدماتها: محاولة توفير ممراتٍ آمنة لخروج المدنيين من الأماكن المحاصرة إلى المناطق الأكثر أماناً، وتقديم المعونة المادية، وتوفير الملبس، والمأكل، وأدنى متطلبات الحياة العادية.

التقسيم الخامس: خدمات حسب الخبرة المطلوبة في أداء الخدمات

وهو ينقسم إلى نوعين:

أوّلاً: خدمات مهنية.

ثانياً: خدمات غير مهنية.

تعريف كلمة المصرفيّة (Banking) لغةً واصطلاحاً

أوّلاً: كلمة "المصرفية" لغةً[7]

المصرفية: من الصرف، وكلمة الصرف تطلق في اللغة على عدة معانٍ متعددة مثل: الرد (أي رد الشيئ من حالة إلى حالة أو إبداله بغيره)، والتحوّل، و الحيلة، ومنه قوله تعالى: (فما تستطيعون صرْفاً)[8] وصرف الحديث: أن يزاد فيه ويحسن. ومنه المَصْرِفُ: مكان الصرف، وبه سُمّي البَنْكُ مصرِفاً؛ والصَّيْرَفُ: صرَّاف الدراهم، وهو محترف حرفة الصَّرافة- أي استبدال النقود، ونقدها –ليتبين جيّدها من رديئها، والصَّيْرَفِيُّ: هو الصَّيْرِفُ والصَّرّاف. وفي اصطلاح الفقهاء الصرف هو: بيع الأثمان؛ أو بيع الثمن بالثمن أو هو: البيع إذا كان كل واحد من عوضيه من جنس الأثمان.[9] وعلم الصرف :هو علم خاص معروف في اللغة العربية، تعرف به أبنية الكلام واشتقاقه.

ثانياً: كلمة المصرفيّة اصطلاحاً

كلمة المصرفية منسوبة إلى المصرف، وهي اصطلاحاً: "تلك الخدمات التي تقوم بها البنوك للعملاء"[10]

ثالثاً: كلمة المصرفية اصطلاحاً لدى الاقتصاديين

وفي لغة الاقتصاد تطلق على مبادلة عملة وطنية بعملة أجنبيةٍ (Exchange)؛ وتطلق أيضاً على سعر المبادلة.

رابعاً: تعريف الخدمات المصرفية (Bank Services)

الخدمات المصرفية[11] تصنّف في قائمة المنتجات غير الملموسة؛ و مفهوم الخدمة المصرفية لا يختلف كثيراً عن مفهوم الاصطلاحي للخدمة عامةً حيث أنها نشاط يحصل عليه العميل من الأفراد أو الآلات التي تقدم خلالها، وإنّ مستوى الإشباع يرتبط بمستوى أداء الأفراد أو الآلات[12].

وعرف بعض علماء المصارف الخدمة المصرفية كما يلي:

1. هی الأنشطة التی تقوم بها البنوك التجارية لمساعدة عملائها في أنشطتهم المالية واجتذاب عملاء جدد وزيادة مواردها المالية بحيث لا تتعرض عند أدائها لأي نوع من المخاطر التجارية[13].

2. هي: عبارة عما يقدمه البنك للعميل من معلومات أو وسائل لتحقيق غرض نفعي أو الحماية من خسارة متوقعة.[14]

3. هي الخدمات التي تقوم بها البنوك عادةً، بهدف الربح أساساً.[15]

4. التعريف المختار لدى الباحث: (وهو تعريف ذكره أحد الباحثين البارزين):

الخدمات المصرفية هي: مجموعة من الأنشطة والعمليات ذات مضمون النفعيّ الكامن في العناصر الملموسة وغير الملموسة والمقدمة من قبل المصرف، والتي يدركها المستفيدون من خلال ملامحها وقيمتها المنفعية، والتي تشكل مصدرًا لإشباع حاجاتهم ورغباتهم المالية والائتمانية الحالية والمستقبلية وفي الوقت ذاته تشكل مصدراً لأرباح المصرف من خلال العلاقة التبادلية بين الطرفين[16].

رابعاً: التأملات في التعريفات: نجد أن هذه التعريفات تتزين بملامح عديدة منها

1. أنها غالباً تعتبر في قائمة المنتجات غير الملموسة. 2. أنها عبارة عن مجموعة من الأنشطة والمنافع غير الملموسة التي يعرضها المصرف للبيع. 3. أنها تتعدد و تتنوع إلى أقسامٍ عديدة. 4. هی عبارة عن الأنشطة التی تقوم بها البنوك لاجتذاب العملاء ومساعدتهم. 5. وأنها تبتني على زيادة الموارد المالية للبنوك. 6. وأنها تبتني أساساً على هدف الربح للمصارف التي تقدمها. 7. وأنها تقدمها المصارف التجارية والإسلامية على السواء.

خصائص الخدمة[17]

كل شئي كما يتميز عن الآخر بتعريفه، كذلك يتميز بخصائصه، فيناسب لي أن أذكر خصائص الخدمة بطبيعتها وهويتها عن جميع ما يماثلها. و تنسب للخدمة خصائص، وإن تنوعت التقسيمات والخصائص، وهي كما يلي:

1. **غير ملموسة:**(" Intangibilité ")

إنها أمر مجرد عن المادة و ليس لها كيان ماديّ وإنما تمثل مجالاً حسيًا أو نظرياً .ولأنها غير ملموسة ولعدم قدرة المصرف علي تقديم عرض ملموس للخدمة المصرفية فان الحكم النهائي علي ما يقدمه الموظف سوف يرتبط بما يطلبه ويتوقعه العميل من هذه الخدمة.

2. **التنوع**

الخدمات المصرفية تتنوع و تعدد بمعنى أنها ليست معيارية أي غير قابلة للقياس ومتغيرة بشكلٍ عالٍ، والمؤسسات المصرفية تعمل بجدٍّ على تقديم مدىً واسعٍ للخدمات و المنتجات لملاقاة حاجات الزبائن والعملاء.

3. **الحدوث والتلازمية:**(Inséparabilité)

فالخدمة تحدث في آنٍ واحدٍ و تستهلك في آنٍ آخر وبمشاركة طالب الخدمة بالعملية والانتاج والاستهلاك للخدمة المصرفية خاصتان متلازمتان.

4. **التلاشي وعدم البقاء:**(La périssabilité)

إنها غير ملموسة وذات خاصية تلازمية فلا يمكن تخزينها و تتلاشى بمجرد تقديمها.

5. **عدم قابليتها للتملك**

وبما أنها غير ملموسة و تستهلك مباشرة، فهي غير مقابلة للتملك، ولكن قد ينتج عنها نقل للمالكية.

6. **استخدام التقنيات الحديثة المتطورة**

تقدم العصر الحديث في كل مجال و تسابق فالأنشطة المصرفية تتطلب استخدام أحدث التقنيات لتنفيذها.

7. **إعداد و تدريب الكوادر المختصة**

يتطلب تقديم الخدمات المصرفية إعداد كوادر خاصة، وتدريب قدرات العاملين وتطويرها، مع سرعة الأداء و توفير الكفاءة العالية والدقة في العمل. ولا يحصل هذا الهدف إلا من خلال تبني سياسة واضحة ومرنة في هذا المجال.

أنواع الخدمات المصرفية[18]

يمكن تقسيم الخدمات المصرفية باعتباراتٍ مختلفةٍ و نواحٍ عديدة، وذلك بناءً على معايير عديدة، كالمُقابل الماديّ، وطبيعة المجال الذي تُقدم خلاله الخدمة، وطبيعة القائمين عليها، وأذكر بعضاً منها فيما يلي :

التقسيم الأوّل: أنواع الخدمات المصرفية عموماً

والخدمات المصرفية بعمومها تنقسم إلى ثلاثة أنواعٍ:

1.خدمات معلوماتية. 2.خدمات تأمينية. 3.خدمات السكرتارية.

التقسيم الثاني: باعتبار مستويات الخدمة

ويمكن النظر للخدمة المصرفية من ثلاثة مستويات وهي:

الأولى: الخدمة الأساسية: وتمثل جوهر المنفعة التي يسعى إليها العميل من شراء الخدمات بعبارة أخرى لماذا يقوم العميل بشراء هذه الخدمة؟ ويتعلق هذا الجانب بالمنافع أو الفوائد المترتبة بشراء الخدمة المصرفية.

الثانية: الخدمة الحقيقية:

وتعني مجموعة الأبعاد الخاصة بجودة الخدمة.

الثالثة: الخدمة الإضافية:

وهي الاهتمام الشخصي بالعميل والخدمة والكفالة أو الضمان مع الالتزام الشديد في تحديد الموعد التسليم، و التعهد باستيراد ثمن الخدمة إذ لم يكن العميل راضيا..الخ، وتقدم هذه الجوانب مع الجانب الملموس من المنتج أكثر من الجانب غير الملموس.

التقسيم الثالث: باعتبار الائتمان وعدمه: وهو نوعان[19]

النوع الأوّل: خدمات مصرفية ائتمانية:

هي خدمات يتم تنفيذها كعمليات استثمارية وهي بديلة للخدمات الائتمانية المحسوبة بالفائدة في البنوك العادية وهي:

المرابحة، والإجارة (الإجارة المنتهية بالتمليك الإجارة الموصوفة بالذمة)، وبيعة السلم، والاستصناع، والقرض الحسن وخدمات أخرى.

النوع الثاني: خدمات مصرفية لا تشمل عمليات ائتمانية

هي الخدمات المصرفية التي لا تتضمن عمليات ائتمانية، فيتم تنفيذها كخدمة مصرفية، و يتم أخذ عمولة أجر مقابل تقديم الخدمة، وهي نفس الخدمات المؤداة في المصارف العادية، وتختلف معها في بعض النقاط. مثل: الحسابات (الحسابات الجارية ــ الودائع لأجل)، والوكالة (وكالة فيها تفويض من المودعين باستثمار الودائع في أي مشروع ــ وكالة فيها تقييد من المودعين باستثمار ودائعهم في مشروعات محددة)، و الاعتمادات المستندية، وخطابات الضمان، والحوالات. (وهي على شكل المثال لا الحصر).

التقسيم الرابع: تقسيم الخدمات المصرفية باعتبار المديونية[20]

يمكن لنا أن نقدّم الخدمات المصرفية بهذا الاعتبار إلى ثلاثة أنواع، وهي:

النوع الأوّل: طابع المديونية: يغلب فيها على البنك طابع الآخذ للأموال كمدين بها، وليس بالضرورة هنا أن يكون مقترضاً، مثل الإيداعات بأنواعها.

النوع الثاني: طابع الدائنية: يغلب فيها على البنك طابع الإعطاء للأموال كدائنٍ بها، وليس بالضرورة هنا أن يكون مقرضاً، وتعتبر خطابات الضمان والاعتمادات المستندية غير المغطاة كلياً أو جزئيًّا عمدة القسم الثاني.

النوع الثالث: مختلط أو مشترك بين الوصفين (الدائنية - المديونية): هذا القسم يجمع الصفتين : الدائنية والمديونية. بقية أنواع الخدمة تدخل في هذا القسم.

التقسيم الخامس: الخدمات المصرفية باعتبار العملاء [21]

وهو ينقسم إلى ثلاثة أنواع:

النوع الأوّل: الخدمة المحايدة: هي الخدمة التي تقدّم للعملاء الجدد الذين لم يتعاملوا مع المصرف مسبقاً. مثل تقديم خدمة الإنترنت لطائفة معينة من الناس.

النوع الثاني: الخدمة البديلة: هي الخدمة التي تقدم للعملاء الحاليين الذين يبدلون توجهاتهم من خدمة إلى أخرى.

النوع الثالث: الخدمة المكملة: هي الخدمة التي تقدم لاجتذاب العملاء الجدد يتوقع منهم الحصول على خدمات.

التقسيم السادس: الخدمات المقدمة من المصارف التجارية

تتضمن الخدمات البنكية التي يقدمها البنك التجاري إلى نوعين:

النوع الأوّل: الخدمات الموجهة لقطاع الأفراد.

وهي كالتالي: أ. التحويلات: ب. خدمات البطاقات ج. صناديق إيداع الأمانات د. الحسابات الجارية: ر. بيع وشراء العملات.

النوع الثاني: الخدمات المقدمة للتجار والشركات: أ. الاعتماد المستندي ب. التحصيل المستندي

ج. خطابات الضمان د. القرض الحسن.

وهذا هو التقسيم الذي اخترته وجنحت إليه في صياغة هذه العجالة المتواضعة.

أهمية الخدمات المصرفية[22]

وتعتبر الخدمات المصرفية مكوّناً هاماً من مكونات العمل في أيّ بنك، وهي أساس العمل المصرفي، بل إنها تعتبر الآن من أكثر الأنشطة التي تنال الاهتمام والتطوير، وأصبحت مجالاً رئيسياً للتنافس فيما بين البنوك.

يحتل أداء الخدمات المصرفية مكاناً أساسياً بين وظائف البنوك الإسلامية والتقليدية على السواء، وتتسرع البنوك في تطوير هذه الخدمات وتنويعها وابتكارها حسب رغبة العملاء وحاجاتهم وظروف المجتمع الذي توجد فيه وتفتقر كفاءة أداء البنوك لهذه الخدمات إلي أمرين:

أوّلهما: الانتشار الجغرافي لفروع البنك بما يضمن توزيع أنشطته وخدماته.

ثانيهما: صياغة سياسة متكاملة لأداء الخدمات المصرفية تقوم على إشباع الاحتياجات الشخصية للعملاء بما يؤدى إلى احتفاظ البنك لعملائه واجتذاب عملاء جدد إلى دائرة التعامل معه.

الخدمات المصرفية في المصارف التقليدية والإسلامية في جمهورية باكستان الإسلامية[23]

تعد الخدمات المصرفية في المصارف بصفةٍ عامةٍ الواجهة الرئيسية للمتعاملين مع المصرف، ووسيلة هامة لجذب المتعاملين الجدد ، والمحافظة على المتعاملين الحاليين، فهي بوابة العبور للتعامل في أنشطة المصرف المختلفة؛ كما ترجع أهمية الخدمات المصرفية إلي أن الإيرادات الناشئة عنها هي "إيرادات بلا مخاطر".

أمّا المصارف التقليدية في باكستان تقدم جميع الخدمات المصرفية السائدة التي تقدمها المصارف التقليدية العالمية، والتي تستحدث وتتغير من حينٍ لآخر. فالمصارف التقليدية في باكستان تطلب عمولة مصرفية والفائدة على جميع الخدمات المقدمة من قبل البنك، وتغير سياستها مع التغييرات العالمية في تقديم الخدمات المصرفية والمنتجات الأخرى.

وأما المصارف الإسلامية العاملة في أنحاء باكستان فهي أيضاً تُقدِّم كافة الخدمات المصرفية المماثلة التي يقدمها أي بنك تقليدي في باكستان أو في العالم. ويلاحظ بأن المصارف الإسلامية في باكستان لا

تقدم أية الخدمات المتعارضة مع أوامر ومقتضيات الشريعة الحنيفية الغرّاء، وهي مستمدة بلجان الشريعة المشتملة على المختصين في مجال الفتوى في الشريعة الإسلامية؛وعلى جانب آخرهي تخضع أيضاً لرقابةٍ مشدّدةٍ صارمة من المصرف المركزي للدولة(SBP) ،والتي تستخدم أسعار الفائدة (Mark up)في تنفيذ تلك الخدمات.

نطاق الخدمات المصرفية في باكستان

تقديم الخدمات المصرفية تطلب نوعية خاصةً من المؤظفين العاملين الخبراء ،والذين لهم كفاءة عالية ودرك تام مع وظيفتهم ، والذين يتميزون بسرعة الأداء والدقة في العمل وجودة عالية وقدرة فائقة في جذب المتعاملين.وإن الخدمات المصرفية تطلق في الأوساط المالية على اعتبارين:

الأوّل:كل الأعمال التي تمارسها المصارف تعتبر خدمات مصرفية، فشملت هذه التسمية جميع الأعمال التي تزاولها المصارف وإن لم تكن خدمة مصرفية حقيقية.

الثاني: يقتصر مفهوم الخدمات المصرفية على الخدمات التي تتعلق بالنقود وأعمال الصيرفة الاعتيادية من التحويل المصرفي و بيع العملات و تحصيل الشيكات و غير ذلك مما لا يدخل ضمن الأنشطة الإقراضية أو الاستثمارية.

يقول أحد الباحثين "هناك مدخلان لتحديد مفهوم الخدمة المصرفية:يقوم الأوّل منهما على أن كل تلك الأعمال التي تقوم بها البنوك تعتبر خدمات مصرفية.و أما المدخل الثاني : فيقوم على تقسيم أعمال البنك "[24] والراجح هو الاعتبار الأوّل؛ والعلاقة بين الخدمة والعمل عموم وخصوص، والعمل أعم من الخدمة.

ويقول الدكتور غريب الجمال: "وتشمل الخدمات المصرفية جميع الأعمال التي يقوم بها المصرف ويستهدف منها خدمات عملائه وإرضائهم، حتى ولو كان بدون مقابل، لأنه حقيقةً غير متبرع، فهو يستهدف زيادة عملياته بصفة عامةٍ، فضلاً عن أنه ليس من طبيعته القيام بأعمال التبرع أو التفضل ".[25]

التطوّر التاريخي للخدمات المصرفية في المصارف الإسلامية:

أوّلاً:أيام الجاهلية[26]:

بطاح مكة المكرمة:

وجدنا مكة المكرّمة تلعب دورًا بارزاً في الائتمان المصرفي في تلك الأيّام، لأنها كانت واحة السلام والأمان من جانبٍ ومركزًا تجاريًّا في الجزيرة العربية من جانبٍ آخر. وكانت القوافل التجارية تغادر مكة شمالاً في الصيف وجنوبًا في الشتاء، فكانت رحلتي الشتاء والصيف كما أشار إليه القرآن الكريم مشيرًا إلى أهميتها في بداية سورة قريش[27].

وكان العرب يتعاملون بالدينار الروماني الذهبي (من الشام) والدرهم الفضي الفارسي (من العراق) والدرهم الحميري (من اليمن) وكان هذا التعامل يجري على أساس الوزن. وهو يعرف اليوم ب "المبادلات الخارجية".(Foreign Exchange.)

والباحث في التاريخ يرى ثلاث أنواع من الخدمات المصرفية في تلك الأيام، وهي: 1. الودائع ، 2. المضاربة، 3.التعامل الربوي في القروض.

ثانيًا: أيام بزوغ الفجر الإسلامي[28]:

تمتد جذور الخدمات المصرفية الإسلامية من حيث المبدء إلى العهد النبوي الميمون. و كان الرسول صلى الله عليه وسلم يقبل الودائع واشتُهِرَ بالصدق و الأمانة قبل النبوة ولُقِّب بالأمين، وكان أهل مكة يودعون لديه الأموال والأمانات، و كلَّفَ سيدَنا علياً - رضي الله عنه - ليلة الهجرة بردَّ الودائع إلى أهلها، وحيث كان الناس يودعون الأموال لديه عليه الصلاة والسلام، أو لدى أبو بكر الصدّيق (رضي الله عنه) أول الخلفاء الراشدين بعد ذلك. ورفض القرآن الكريم الربا واعتبره محاربة مع الله والرسول (صلّى الله عليه وسلّم).

ودائع الزبير بن العوّام – رضي الله عنه -:

وكان الزبير بن العوام – رضي الله عنه - يستودع الأموال على سبيل السلف أي دين بلا فائدة. وورث منه نجله عبد الله هذه المعاملات بل وزاد عليها وكان يصدر تحويلات مالية بين مكة والعراق. وسمى بعض الباحثين هذه العمليات ب"بنك الزبير". وكان ابن عباس – رضي الله عنهما - يفعل مثل ما يفعل الزبير (رضي الله عنهم أجمعين).

صكوك مروان بن الحكم:[29]

وانتشرت صكوك البضائع في التعامل في عهد مروان بن الحكم الخليفة الأموي؛ وهكذا استمر المسلمون في ممارسة الأعمال المصرفية وتطويرها في العصور التي بعد ذلك.

ثالثاً: الخدمات المصرفية في البنوك الإسلامية في العصر الحديث[30]:

و الخدمات المصرفية الإسلامية بصورتها الراهنة تبلورت في نهاية الستينات من القرن الماضي، عندما عملت عدة دول إسلامية على وضع الفكرة موضع التنفيذ؛ حيث بدأت بعض أشكال الخدمات المصرفية الإسلامية بالظهور في السبعينات في القرن الماضي.

وخلال فترة الثمانينات من القرن الماضي، لاقت الخدمات والنشاطات المالية الإسلامية اهتماماً واسعاً شمل الأكاديميين والمتخصصين. وبدأت العديد من الجامعات والمعاهد (منها جامعات بارزة في أوروبا وأميركا) بتدريس أسس الخدمات المصرفية الإسلامية وتشجيع إجراء الدراسات والبحوث وتم عقد الكثير من المؤتمرات والندوات في مختلف المدن العالمية، وتخصّصت العديد من مراكز الأبحاث بالأسس الاقتصادية الإسلامية مركزةً على الشؤون المالية والمصرفية. وقامت بعض هذه المراكز بنشر المجلات الأكاديمية المتخصّصة موفرة بذلك منصة لتبادل الأفكار ونشر المعلومات حول العالم.

الهوامش

-1 مرتضى الزبيدي، تاج العروس: مادة خدم ؛ لسان العرب 194/12-195 ط1 .دار الكتب العلمية بيروت ؛ المصباح المنير مادة خدم ؛ الصحاح ط1 - دار إحياء التراث -بيروت 1550/4-1551 مادة خدم ؛ المحكم والمحيط الأعظم لابن سيدة 146/5 ط-العملية بيروت ط1 1421هـ/2000م مادة خدم ؛ تهذيب اللغة 129/7؛ دار إحياء التراث العربي- بيروت مادة خدم المعجم الوسيط ط3 مجمع اللغة العربية القاهرة 229/1 مادة خدم ؛ تعريف لغوي 1431هـ/2010م دارالسلام القاهرة 24/12.

2 - الصميدعي محمود جاسم وردينة عثمان يوسف،التسويق المصرفي مدخل استراتيجي كمي تحليلي 2001 م عمان

دار المناهج ص 19 ؛ نقلاً عن رسالة ماجستير بعنوان (العوامل المؤثرة - في قرارات تسعير (دراسة ميدانية)) للباحث ساطح سعدي شملخ ، قدمت في 1429هـ/ 2008م الجامعة الإسلامية ـ غزة (فلسطين) ص 23.

3- تيسير العجارمة،التسويق المصرفي 2005م عمان دار الحامد للنشر والتوزيع ص17؛ نقلاً عن (العوامل المؤثرة) ص 23؛ ونقلاً عن السندي عماد الدين: أثر طرق تسعير الخدمات المصرفية على الإيرادات في المصارف السودانية خلال الفترة 2000-2005م رسالة ماجستير قدمت لجامعة السودان للعلوم والتكنولوجيا 1428هـ/ 2007م ص9.

4 - أحمد 2007م ص8؛ نقلاً عن (العوامل المؤثرة) ص 23؛ عوض
بدير الحداد، تسويق الخدمات المصرفية القاهرة البيان للطباعة والنشروالتوزيع 1999م ص48؛ السندي: أثر طرق تسعير الخدمات المصرفية على الإيرادات ص9.

5 - عبده الناجي، السيد ،تسويق الخدمات المصرفية الأسس و التطبيق العملي في البنوك 2003م بيروت
اتحاد المصارف العربية ص20 نقلاً عن السندي: أثر طرق تسعير الخدمات المصرفية على الإيرادات ص9

6 - المصادر السابقة.

7- المعجم الوسيط 533/1؛ محمد عِمارَة دكتور: قاموس المصطلحات الاقتصادية ط1 1430هـ/2009م القاهرة دار السلام ص185-186 و ص190؛علي الجمعة :معجم المصطلحات الاقتصادية والإسلامية ط 1 1421هـ/2000م الرياض مكتبة العبيكان ص352.

8- الفرقا ن:19.

9 - ابن عابدين، محمد أمين: رد المحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار ط2 1424هـ/2003م
بيروت دار الكتب العلمية 520/7؛ ابن الهمام محمد بن عبد الواحد:شرح فتح القدير ط2 1397 هـ/1922م بيروت دارالفكر 133/7.

10- لجنة من المثقفين:موسوعة فتاوى المعاملات المالية ط1 1431هـ/2010م القاهرة دارالسلام 12 /24.

11- الخدمات المصرفية : Bank Services

12 - المصدر السابق 24/12 .

13- د/حسن حسني: عقود الخدمات المصرفية ط 1986م (بدون بيانات ناشر) ص 50؛سراج محمد أحمددكتور :
النظام لمصرفي الإسلامي 1410هـ/1989م القاهرة دار الثقافة للنشر والتوزيع ص363 موسوعة فتاوى المعاملات المالية24/12.

14- علي الجمعة : مرجع سبق ذكره ص229.

15- عبد الرزاق رحيم جدي، الهيتي، الموسوعة العلمية والعملية للبنوك الإسلامية القسم الشرعي 445/5:؛ المصارف الإسلاميةبين النظرية والتطبيق ط1 1998م عمان (الأردن) دار أسامة للنشر والتوزيع ص 256.

16 - تيسير العجارمة: التسويق المصرفي ص32؛ نقلاً عن (العوامل المؤثرة) ص 24؛ و عن
السندي، أثر طرق تسعير الخدمات المصرفية على الإيرادات ص11.

17 - تيسير العجارمة, التسويق المصرفي, (عمان: دار الحامد للنشر والتوزيع, 2005م) **ص 31- 33؛** عوض بدير الحداد, تسويق **الخدمات** المصرفية, (مصر: البيان للطباعة والنشر, 19999م)**؛** محمود جاسم الصميدعي, ردينة عثمان يوسف, التسويق المصرف مدخل استراتيجي كمي تحليلي, ط1, (عمان: دار المناهج للنشر, 2001م)
ص65؛ نقلاً عن (العوامل المؤثرة) ص 23 ومابعدها؛ و نقلاً عن السندي: أثر طرق تسعير الخدمات المصرفية على الإيرادات ص 10 -13.

18 - على الجمعة: معجم المصطلحات الاقتصادية والإسلامية ص117 وص 229؛ والمصادر السابقة.

19 - فؤاد محيسن(دكتور)،أساسيات العمل المصرفي الإسلامي ص73 (الإنتر نت).

20 - عبد الحميد محمود البعلي دكتور: الاستثمار والرقابة الشرعية ط 1 1991م/1411هـ القاهرة مكتبة وهبة ص 40 (بتصرف).

21 - العوامل المؤثرة المرجع السابق ص 54.

22 - سراج ،النظام المصرفي الإسلامي ص 361 المرجع السابق؛ طلعت أسعد عبد الحميد دكتور: أساسيات إدارة البنوك ط1 1986م بدون بيانات ناشر ص220.

23 - فؤاد محيسن:أساسيات العمل المصرفي الإسلامي ص73 (الإنتر نت).

24 - الغريب ناصر دكتور : أصول المصرفية الإسلامية القاهرة دار ابولولؤ ط 1 1417هـ/1996م ص 187.

25 - غريب الجمال دكتور: المصارف والأعمال المصرفية في الشريعة الإسلامية القاهرة دارالاتحاد العربي ص 35.

26 - الغريب ناصر (د): أصول المصرفية الإسلامية ص 6؛العجلوني محمد محمود(د): البنوك الإسلامية أحكامها ومبادئها وتطبيقاتها المصرفية عمان(الأردن) دار المسيرة ط1 1429هـ / 2008م ص 67.

27 - القريش: الآيتان رقم 1 و 2.

28 - مالك بن أنس الإمام الأصبحي:الموطأ(برواية يحى الليثي) كتاب البيوع(31) باب العينة وما يشبهها وبيع الطعام قبل أن يستوفى(19) بيروت دار الفكر ط1 1431هـ/2011م ح1339 ص317؛ضياء الأمة الأزهري محمد كرم شاه بير ضياء النبي في سيرة النبي لاهور ضياء القرآن للنشر والتوزيع 2013م 154/2 و49/3؛ سراج محمدأحمد:النظام المصرفي الإسلامي القاهرة دار الثقافة 1410هـ/1989م ص27؛الغريب ناصر (د): أصول المصرفية الإسلامية ص 7- 12؛العجلوني محمد (د): البنوك الإسلامية ص 67 – 72.

29 - المصادر السابقة.

30 - المصادر السابقة.

OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
mei.aiou.edu.pk
iri.aiou.edu.pk

Changing Japanese Society and religions

(an overview of feminism in Japan)

*** Dr Sher Ali**
Assistant Professor, Deptt., Islamic Studies and Arabic, Government College University, Faisal Abad

**** Dr.Muhammad Arif Mateen**
Boston Islamic Centre, UK

ABSTRACT

Industrial advancements, economic growth, acceleration of urbanization and expanding process of modernization redefined the landmarks of everyday life across the globe with no exception of Japan. An explosion of new images of dynamic women, being key element of every society, was produced in this constant change. In magazines, media, including electronic and print, business, services, and religion and politics woman is a prominent icon of modern society. These new images of the feminine challenged previously existing widespread myths of a monolithic Japanese woman too.

Feminism, being a significant element in changing Japanese society, needs to be studied in the perspective of Japanese religiosity which will, certainly, be helpful in order to better understand the new modes of thinking and trends, modern challenges and the influential role of religions in contemporary Japan.This paper aims to answer the question how religious discourse in contemporary Japan tends to keep pace with the changing prototype of society, highlighting the dynamic role of women as mother, founders of New Religious Movements, leaders and teachers etc., in all spheres of life including media and politics.

It is hoped that this humble effort will help students of religion in Pakistan to some scholarly ways of looking at new paradigms of religious thinking in Japan focusing feminism.

Keywords: Feminism, Religions, Japan, New Religious Movements, Society

1.0 Introduction

Feminism is a bunch of various ideas and movements aimed at understanding the nature of gender inequality, defining, establishing and promoting the equal social, economic and political rights of women. There are many feminist ideas and

organizations working in multi dimensions including politics, social, cultural and post colonial affairs. These movements and individual activists aim to tackle a variety of issues and subjects concerning women such as contract law, right to vote, bodily integrity, workplace rights, sexual assault and harassment, pornography, trafficking and particularly patriarchy in their respective fields of life.

Feminism in Japan began in the late 19th century. Siever (1983, p- 189) mentions that *Meiji* was the beginning, not the end, of the woman's movement in modern Japan. The resistance of Meiji woman to male definitions of their proper social roles and their attachment to other dreams and visions were part of feminist legacy that, in spite of formidable obstacles, they managed to leave for later generations. In 1878, forty-five years old woman kosunose Kita, in the island of Shikoku, is known to raise her voice and argue to have right for vote because she was paying taxes as a head of house since the death of her husband in 1872. [1]

After this, Kishida Toishiko supported this voice lecturing and writing about the equal rights for women in 1882. Sharon says that the sense of continuity that seemed so tenuous, that link from Kishida Toishiko and the popular-rights movement to the "Blue Stockings" was, finally, strong enough, flexible enough, to connect women in an expanding movement that is still developing.[2] This movement was later suppressed by the government. Nonetheless, efforts continued and following the Japanese victory in the Shino- Japanese War, government, in order to lend support to the family system, promoted girls' education. The Girls High School Law issued in 1899 aimed to educate girls to become good wives and wise mothers.[3] Hiratsuka Raicho formed a New Women's Association on a national level in 1920 which struggle for the promotion of woman's status in the society. There were 331 members in the first year. Furthermore, in the aftermaths of an earthquake in 1923, women's groups worked together to help the victims and other association named *Tokyo Rengo Fujinkai* (the federation of the Woman's Association in Tokyo) was formed.[4] Besides some other organizations, which were formed over the decades, particularly, in war times or economic depression, many individuals, like Kawasaki Natsu, also played a significant role to cater the problems and challenges including economic and social faced by women.[5]

In short, it was not until after the Second World War, that Japanese woman finally attained the right of suffrage and legal equality in marriage. The post-war situation in Japan can be rightly known by a catchphrase, "*onna no jidai*" (the era of women), mostly heard in Japan in order to elaborate the feminism in modern Japan. [6]

2.0 Scholarship on Feminism in Japan

In order to illustrate the problems of the Japanese women, history of feminism and various other issues like feminism and nationalism,[7] the liberation of women, traditional values, economic, political and religious pressure etc, efforts have been made by intellectuals, historians, anthropologists and feminist activists. Sato considers Inoue Kiyoshi's work "*Nihon joseishi* (A history of Japanese women) one of the most important book on constructing a master narrative of Japanese women. This book was published in 1948.[8] The main theme of books is to provide the mechanisms of the oppression of the Japanese women linking it with emperor system and painting a picture of the subjugated female populace waiting modernization and liberation. The studies of other historians such as Ide Fumiko, Horiba Kiyoko and Tanaka Sumiko are also remarkable for their focus on the upper class members of intellectuals and bureaucrats. However, Murakami Nobuhiko presented a new approach to women's history.[9] He was of opinion that it is not appropriate to select some women because of their popularity to constitute history. Rather his attempt was to observe the lives of women from outside the domain of the state. There was a remarkable shift in the focus of intellectuals as new emerging issues like child care, sexual slavery, comfort women, housing, hygiene and the problems of workplace, constituting a social, cultural, economic and political narratives were studied by the 1990s.[10]

Only to give an example we mention here a well known scholar Aoki Yayoi who is one of the independent scholar and critique and most widely known feminist in Japan. She has authored many books published extensively many topics ranging from the cultural construction of sexuality to abortion rights, woman in the work place, new reproductive technologies, teenage sexuality and woman and arts. One of her main contributions is to theorize the relationship between the Japanese imperialism and patriarchal system.[11]

So far women's sufferings in Japan are concerned, there is a lot written on this topic covering various aspects like comfort Japanese women. Yamashita Yeong highlights this problem describing that in terms of satisfying the sexual desires of the Japanese military during the Asia Pacific War, several military "comfort stations" were established in 1931. These stations were built when women being raped by Japanese soldiers in occupied territories became problematic, and in order to save the debilitating spread of venereal disease among the soldiers were turning to local brothels. It was also said that the comfort stations provided soldiers under the duress of duty and not knowing when the long war would end. A large number of comfort

women were recruited for these stations. First, the women recruited were mostly those already employed as prostitutes in Japan. When their numbers proved insufficient, women were brought from colonies in Korea and Taiwan, as well as occupied China. As the Japanese invaded Southeast Asia and the south Pacific, women from these areas were also recruited as comfort women. Many of these women were transferred along with the troops, from China to Southeast Asia and to the south Pacific. [12]

3.0 Feminism and Japanese religions

Women, in modern societies, have active religious lives. Several studies of women and religion, aiming to examine various aspects like anthropological, historical, political, socio-economic and cultural issues, thoroughly documented different patterns of women's exclusion from significant religious positions. Nonetheless, in Japanese context, it is important to study the real picture of Japanese women and religion knowing the meaning of feminism in Japan, and answering the questions like how Japanese religions shape and reflect the differences in behavior and expectations for females from birth through adulthood to family, work and larger society. Admitting the fact that these lines are not sufficient to cover a variety of issues such as the sufferings of Japanese women and their struggle on both individual and collective levels, the core teachings of JR regarding the role of women in society, emerging phenomenon of women leadership in NRMs, eco-feminism and so on, our main target here is to highlight the role of religion in this regard exploring the ways through which we can better understand the current position of religion in Japanese society.

3.1 Patriarchy and Japanese Religions

Before proceeding to main issue, it seems better to understand first the fundamental nature of Japanese family system.[13] In the Far East the natural cohesion of the family has been strengthened by Confucian teachings. The people of Japan being ill-attuned to Chinese language and hence thought, may have accepted their Confucianism with a difference and retained a larger role for natural affection, as contrasted with conscious duty, in their filial piety. These traditions were the staple of Japanese education for centuries which they pervaded more effectively than the Greek and Roman classics did in the West.[14]

The "*ie*" system has been playing integral role in Japanese society. The "*ie*"[15] refers to a concept and unit of Japanese society that denotes a household group based on family connections. This system, which was established in the Meiji period in order to modernize the nation's family system, is maintained through patrilineal

links between generations.[16] The eldest son inherits responsibility for the *ie*, taking over as its head. Strengthened by a patriarchal head and hierarchy by birth, the *ie* system preserved a strict gender-based role division within the family and household. What makes the Japanese *ie* distinctive, however, is the widespread use of adoption whenever the survival of the *ie* is at stake. If there are no sons, or if none of the sons is suitable to be an heir, the husband of a daughter may be adopted to become the new head of the *ie*. If there are no children at all, then a son may still be adopted. An important feature of this system, therefore, is the continuity of the *ie*, or family line, rather than an emphasis on blood relations.[17]

After this brief overview on Japanese family system, now we come to the critique of Akiko Okadu[18] (Okuda & Haruko, 1998, p- 9) who argued that the meaning of patriarchy in Japanese context is different from that of West. The meaning of patriarchy in the West originates in the context of societies based on ancient Roman and Hebrew models, however, in Japan the actuality which conforms to the Western concept has never existed. It was household system of samurai or "*ie*" which shaped the meaning. Okadu traces the roots of Western patriarchy in Christian concept of "God the Father" which has been a chief instrument in the oppression and discrimination against women, while this does not necessarily applicable in the case of Japanese feminism. However, this should also remain in consideration that patriarchal structure of samurai society and *ie* system of military community played major role in the perpetuating of patriarchy. Thus, the argument that religion in Japan had almost no power to influence patriarchy is very potent.[19] Furthermore, despite the definite existence of religion, there is no perception as such since, religion has not always functioned, neither in the past nor in the present, in the role of religion. In other words, there was no original universal religion with a transcendent principle established in Japanese society, not to mention the fact that all faiths have been baffled by the emperor religion.[20] This argument, no doubt, lead us to a diverse interpretations of religion among feminist themselves as there are frequent debates on issues like the necessity of religion, metaphysical traditions indispensable for human and religious cultural devices. Nonetheless, in spite of these variations, it seems also a well known fact that Buddhist, Shinto's and Confucius values cast deep shadows within the patriarchal framework of Japanese society.[21] For instance, the indigenous religion Shinto which is basically a combination of ancestor worship and primitive spiritual beliefs, has helped to maintain, rather strengthened the sense of family community and facilitated the ideology of the state as an extended form of the *ie* through the medium of ancestor worship in particular.

In addition to that, the answer to the question will make it more clearly as to whether sexual discrimination or oppression is a strategy or structural need of religion in the first place.[22] It is not surprising that the Western feminism has as a common initial point the Bible, edited to focus on men, and a Church established by patriarchal dynamics which justified and deepened women's subordination. Yes, Japanese feminism is facing the same issue of sexual discrimination but the phenomenon of women's subordination is quite different in nature to that of Western. The actual means of subordination of women in Japan is not, necessarily, the man who characterizes her as a head of *ie*. According to Haruko,[23] this problem lies somewhere between the *ie* and state structure, which are, no doubt, presided, mostly, by men.

3.2 Japanese Buddhism and Women

Japanese Buddhism has been playing a crucial role in religious lives of Japanese people over the centuries as mentioned earlier. However, there has always been needed to look its pros and cons critically covering all spheres including the role of women. Rita mentions that the commentators on participation of women in Buddhism are likely to focus on two broad generalizations. The first observation is that the core teaching of this 2,500 year-old tradition is gender-free and gender-neutral. Contemporary Buddhist teachers themselves often respond to questions about the role of women in Buddhism by stating that the Buddha's teachings apply, without exception, to all sentient beings and that no relevant distinction can be made between women and men regarding their aptitude to become enlightened. However, on the other hand, interestingly, this has not meant that women and men have been accorded the same status or expected to accomplish the same things throughout most of the Buddhist history. As a historical fact, Buddhism emerged in a culture that was quite male-dominated and in which there were strong gender roles.[24]

Okano highlighted several Buddhist concepts and manifestations which have been preventing Buddhism from recognition of values that women hold in society. For example, acceptance of Buddhism and rejection of female priests by united Japan. Although, in the early history women used to be selected as nuns for instance, in late 584 the temple Sakuraiji was built for nuns in Nara. However, with the passage of time their role had been reduced while coming under the control of Emperors and governments. After the year 730 women were gradually banned from chanting and then in the mid-ninth century they were restricted from religious life. Women were excluded from certain of the state Buddhist temples. In some cases, like the temple at Mount Koya and Mount Hiei, the temple and the entire mountain too on

which it stood were closed off to women.[25]

The concept of female impurity during menstruation and child birth in Buddhism has been remarked as a reason to exclude women from religious institutions. Consequently, this idea led to establishment of the belief that women are sinful and hence, cannot attain salvation. (Haruko, 1995, p -19) This image of women as "defiled" and "sinful" nurtured not only by way of the notion of impurity and blood but also from the concept of three obedience and five hindrances. It was, basically, in order to provide women a means to overcome those impediments to attainment of Buddha-hood and salvation that the belief of "metamorphosis", according to which a woman could become a Buddha and reborn in Pur Land after first being changed into man, was anticipated.[26]

These are only some aspects and phenomenon of Japanese Buddhist concepts which were and still have been playing a significant role in constituting an attitude and consciousness of Japanese people in modern Japan in terms of their behavior towards women, an essential element of family, society and state.

3.3 New Japanese Religious Movements and Feminism

In response to religious desires of Japanese people, who were troubled with wars, sickness and poverty, new religious movements emerged during late *Tokugawa* shogunate and Meiji revolution. New Religions of Japans are based on worldly benefits, values and, more importantly, building a family community utopia. Their main focus is to provide the guidance and the solutions for various common problems such as sickness, poverty, conflicts and many other social anomalies including sexual discrimination.

One of the significant characteristics of these movements is central role of females in these new emerging religious groups, which later on known as New Religions of Japan, and their glorified gender in the form of rejecting existing male dominated religions.

The first of these groups was Fujiko, a famous religious organization that worships Mount Fuji, founded by a woman. This religious association considered women's menstruation positively as an essential and effective social mechanism to guarantee offspring. Nakayama Miki, who is the foundress of Tenrikyo, refused the idea of women's impurity and the foundress of *"Oomot",* another religious movement, Deguchi Nao also took women's menstruation positively. Inoue mentions ten names of women who founded religious groups and are deeply venerated by their followers. This new phenomenon is not confined only to founders but also extends to their successors and other high positions of the NJRs. Inoue describes that in case of

the religion of Oomoto, female descendents of the original foundress Deguchi Nao have continued to succeed to the status of leader, up to and including the present fourth-generation leader Deguchi Kiyoko. The leaders of Sekai Shindokyo, a branch of *Tenrikyo*, have also all been women, and Kitamuraa Kiyokazu, grand daughter of Kitamura Sayo, was made Second-generation leader of Tensho Kotai Jingukyo.[27]

According to Haruko,[28] the succession of women who subsequently founded religions during the last days of Shogunate were surely pioneers of feminism. Moreover, women also occupy roles of missionary staff and teachers in NJRs in addition to their frequent positions of leadership.

Okano thinks that they are indifferent to the notion of defiling a sacred world and the spirit of an essentially ascetic quest for truth. Accordingly, there was no phenomenon such as the barring of women for ascetic purposes and blood impurity, to take root in.[29]

The conception of imbalanced sexual positions is, commonly, acknowledged in new religions of Japan. In addition, their followers are encouraged to emulate this concept in their own family lives, with the husband assuming the role of leader and the wife that of wife. For instance, Soka Gakkai founded in the 1930s, upholds a domestic role for women, based on the teachings of *Nicherien* sect of Buddhism.

Another new religion *Jissenrinrikoseikai*, founded in the aftermaths of World War II, compares the status of husband and wife to those of engine car performing the dominant, active role and the trailed car which is subordinate and passive. Women are, often, taught to inculcate the quality of obedience instead of cleverness through various means such as religious magazines carry many stories showing how an obedient wife successfully manages the familial problems.

One of the most striking characteristics of Japan's NRs is that there a lot of women in these religious groups working in high positions as most of them acting as founders and current leaders. For example, students of the new religions occasionally refer to Deguchi Nao Nakayama Miki and Kitamura Sayo as "the trinity of foundresses". This is not only because these women held important positions and roles in Japan's modern religious history, but also because they exhibited even greater enthusiasm than many of their male counterparts. To this list we could add various others, such as Aida Hide, Fukada Chiyoko, Miyamoto Mitsu, Mizuno Fusa, Honjo Chiyoko, Koyama Mihoko, Omori Chiben and Sugiyama Tatsuko. These women are all profoundly respected by the members of their movements.

In short, as a matter of fact the role of women is perceived as that of maintaining the family by caring the stillborn children, spirits of ancestors and taking care for old

parents as well as the role of husbands is to contribute towards the national prosperity through working in industry. The new religions this way are providing their ethical support to the welfare policy of the ruling governments in order to maintain the unchanged central role of *ie* (household system) in the process of changing Japanese society.[30]

More interesting point here is in spit all of that the expanding influence of new Japanese religions has not been reduced, rather females, in particularly, are attracted by these religious movements. Inoue and Numata illustrate (as cited in Okano, 1995) the fact that these religions perform five[31] types of functions as following:

1-They offer support and advice in terms of familial problems which women quite often confront in regards to mothers in law, children education husbands and so on.

2- Housewives can find a sense of propose by taking part in religious affiliated activities within their communities.

3. They provide companionship and activities to fill voids left by husbands who are busily caught up in their work and children who have grown and gone on their own.

4. They provide opportunities for women to engage them in self expression and gained experience in a larger society by giving the positions of leadership within organizations.

5. The notion of "obedient wife and responsible mother", promoted by the religions facilitates their lives providing a measure of peace of mind and stability.

References

1- Sachiko, Kaneko. (1995). The struggle for legal rights and reforms: A historical review. In Kumiko Fujimura-Fanselow & Atsuko Kameda (Eds.), Japanese Women: New Feminist Perspectives on the Past, Present, and Future. NY: University of New York Press. (Milward, 1979, p- 4)

2. Doi, T. (1971). Amae no kozo (The anatomy of dependence). Tokyo: Kobundo. (Sievers, 1983, p- 189)

3- Fujimura-Fanselow, Atsuko Kameda). In Kumiko, Fujimura-Fanselow, & Atsuko Kameda, (Eds.), Japanese women: New feminist perspectives on the past, present, and future. NY: University of New York.

4- Fukutake, T. (1980). Rural society in Japan. Tokyo: University of Tokyo Press.

5- Milward, R. S. (1979). Japan, the Past in the Present. P. Norbury. (Sato Barbara, 2003, p- 4

6- Sachiko, Kaneko. (1995). The struggle for legal rights and reforms: A historical review. In Kumiko Fujimura-Fanselow & Atsuko Kameda (Eds.), Japanese Women: New Feminist Perspectives on the Past, Present, and Future. NY: University of New York Press
7- Matsui, M. (1990). Evolution of the feminist movement in Japan. NWSA Journal, 2(3): 435-449. (Sato Barbara, 2003, p- 435- 449
8- I Nobutaka, (1991). Recent trends in the study of Japanese new religions. In Inoue Nobutaka (Ed.), new religions: contemporary papers in Japanese Religions, Institute for Japanese culture and classic. Tokyo: Kokugakuin University Press. (Fujimura-Fanselow, & Kameda, 1995, p- 3)
9- Jean, H. & John, Bowker. (1994). Women in religion, continuum. London: Rutledge. (Hayakawa, N., 1995, p- 108- 119)
10- Matsui, M. (1990). Evolution of the feminist movement in Japan. NWSA Journal, 2(3): 435-449. (Sato Barbara, 2003, p- 5)
11- Midori, Igeta. (1989). Sei no ikai - Fueminizumu-teki shikaku kara no shûkyô kenkyû no tame no jo (The ranking of gender - introduction to a feminist religious studies), Shûkyô kenkyû 280, and Usui Atsuko, (1987). Josei kyôso no tanjô, (The birth of a female religious founder). Shûkyô kenkyû 274. (Sato Barbara, 2003, p- 6)
12- Sato Barbara, (2003). The New Japanese Women: Modernity, Media and Women in interwar Japan. London & Durham: Duke University Press. (Marcus & Ayumi, 2006, p- 5; Moon, 1986, , p- 6)
13- Moon, O. (1998). Is the ie disappearing in rural Japan?: the impact of tourism on a traditional Japanese village, In Joy Hendry, (Ed.) Interpreting Japanese society: anthropological approaches. (Buckley, 1997, p- 2)
14- Okuda, A. & Haruko, Okano. (Eds.) (1998). Women and religions in Japan. Wiesbaden: Harrasssowitz Verlag. (Yamashita, 2009, pp- 208- 219)
15- Rebick, M. & Takenaka, Ayumi. (2006). The changing Japanese family. NY & Canada: Routledge. (Fukutake, 1980, p- 34; Doi, 1971, p- 78).
16- Sachiko, Kaneko. (1995). The struggle for legal rights and reforms: A historical review. In Kumiko Fujimura-Fanselow & Atsuko Kameda (Eds.), Japanese Women: New Feminist Perspectives on the Past, Present, and Future. NY: University of New York Press. (Milward, 1979, p- 4)
17- Ibid., p- 362-368
18- Sato, Barbara. (2003). The New Japanese Women: Modernity, Media and Women in interwar Japan. London & Durham: Duke University Press. (Marcus & Ayumi, 2006, p- 5; Moon, 1986, pp- 117-130)
19- Sharon, L. Sievers. (983). Flowers in salt: The beginnings of feminist consciousness in modern Japan. California: Stamford University Press. (Marcus & Ayumi, 2006, p- 5; Wagatsuma, 1984, p- 148)
20- Haruko, Okano. (Eds.) (1998). Women and religions in Japan. Wiesbaden: Harrasssowitz Verlag. (Okuda & Haruko, 1998, p- 10)
21- Ibid., p- 13
22- Ibid., p -17

23- Ibid., p- 17
24- Holm, & Bowker, 1994, p -1
25- Haruko, 1995, p -18
26- Ibid., p -21
27- Nobutaka, 1991, pp- 4- 24
28- Haruko, 1995, p -18
29- Ibid., p- 38
30- Igeta, M. 1989, p- 280; Usui, Atsuko, 1987, p- 274
31- Haruko, p- 25

OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
mei.aiou.edu.pk
iri.aiou.edu.pk

Contrast Opinions of Orientalists on the Spread of Islam: A Critical Analysis

***Dr. Muḥammad Shahzad Azad**
Lecturer, Islamabad College for Boys, G-6/3, Islamabad
**** Dr. Abdul Rauf Zafar**
Professor/Chairman, Deptt., of Islamic Studies, University of Sargodha, Lahore Campus

ABSTRACT

Islam approached the whole Peninsula so rapidly because of the true spiritual, social, political and educational teachings of *Islam*. Great sympathetic attitude, unbeaten determination and restless hard work of both Prophet *Muḥammad* (peace and blessings of *Allah* be upon him) and his followers were the key sources for this fastest ever intellectual missionary progress. The power was utilized by them, on unavoidable occasions, only to extend the boundaries of their state, but never to compel the conquered ones towards *Islam*. This historical reality is no more unknown to the modern orientalists. Yet a good number of them, including William Muir, Washington Irving, George Sale and many others propagated that the Muslims promoted their religion and widened their state altogether by force of sword.They have well been answered logically and historically by their fellow orientalists who not only rejected all such accusations on the missionary role of Muslims, but also acknowledged *Muḥammad* (peace and blessings of *Allah* be upon him) a moral symbol for Humanity. They maintain that *Islam* went on its spiritual growth even in the political degradation and economic weakness of its Empire. They proved that the Islamic teachings not only influenced the public of the lands conquered by the Muslims but they also proselytized the Non-Muslim conquerors of the Muslim territories. As None of the orientalists except Thomas Arnold has written such a comprehensive book for this sole purpose to attest thoroughly the extension of Islam in all over the world, and the answers of the orientalists quoted in this paper are scattered in their individual general works on *Islam* or its Prophet(peace and blessings of *Allah* be upon him), therefore this research paper is written to collect about all types of the objections and the justifying defensive statements of the orientalists on the spread of *Islam* on one place and to present a precise conclusion by analysing and evaluating them in the light of the authentic history .

Keywords: Spread of *Islam*, spiritual teachings, sympathetic behavior, missionary role, historical facts, and truthful orientalists.

Introduction

This research paper is produced to answer the research question, 'are the means of the extension of Islam in the world logically justified? A good number of the Western writers have expressed their reservations and tried to conclude this research question that the means of Islam's spread in the world were the use of power, compulsion, sword and violence. Though much has been said and written by the Muslim writers on the justification of the spread of Islam over so vast a portion of this world that Islam's extention was due to various causes, social, political and religious. Among all of these, one of the most powerful and effective factors at work in the outcome of such a stupendous result, has been the unremitted missionary labors of Muḥammad (peace and blessings of Allah be upon him) himself and the Muslim preachers, who spent their whole lives to invite the unbelievers to the right path of Allah Almighty. But the need was felt to provide the justification of the means and sources of the spread of Islam by the evidences from the findings of the Western orientalists for the satisfaction of the critics of the Islamic means of its extention from the West. Therefore, as the topic of this research paper shows, it has been tried, for the answer of the research question of this paper, to go deep into the Western literature on the Islamic history and has been presented a good amount of the authentic historical evidences of the unbiased and impartial orientalists. In this research paper, a sufficient number of the orientalists' stand-points has been shown who not only addmitted the means of Islamic spread justified but also furnished solid historical evidences in favour of these means. They admitted and confirmed that the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) and his followers propagated the message of the Almighty with a solid and firm determination. As a matter of fact, the spread of Islam was the result of the Divine teachings of the Holy Qur'ān and the attraction of extreme sincerity, truthfulness and the ideal morality in the personality of the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) and the kind behaviour of his followers with their subjects. An other addition can be included in this area of research of the historical evidences by the non-Muslim writers of the earlier

period of Islam when it was being spread by the caliphs of the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him). As being the eyewitnesses, their writings can widen the area of research of this topic and increase the worth and the authenticity of the justification of the sources of Islamic extention. These types of evidences could not be included in this articl because of the unavailability of the Arabic historical literature of early Islam in Pakistan, and the limited size and space of this paper as it requires a complete book to meet its requirements.

During his missionary work, the Holy Prophet had to suffer a lot of hurdles like the persecution, humiliation and hardships all of which were faced by him with bravery and patience. The more he was tortured by his enemies, the more unyielding he was found in his belief and mission. This fact has also been admitted by the modern class of European scholars of Islam known as orientalists. As John Bagot Glubb Pasha (1897-1986)[1] tells us of 'something special' in the person of Muḥammad (peace and blessings of Allah be upon him) that inspired in his followers a passionate devotion. His words are:

> *"The mystery of the extraordinary enthusiasm provoked by Islam at the time of its appearance can only be explained by reference to the personality of the Prophet himself. Whatever qualities He may have possessed or whatever actions he may have performed, there can be no doubt that there was something about him which inspired in his followers a passionate devotion.*"[2]

According to bagot Glubb, these were the impressive qualities in the Prophet's personality which made his followers the real devotees of his cause. But in spite of being aware all about these facts, many of the orientalist's assert in contrast to the authentic history and the historical behaviour of the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) towards his bitter enemies during his life at Madina. They maintain that from the date of his migration from Makka to Madīna with the altered circumstances of his life there, Muḥammad (peace and blessings of Allah be upon him) seems entirely in a new role. He was no more the preacher, the warner and the apostle of God to His people, whom he would persuade of the truth of the religion, revealed to him, but now he appears rather as the unscrupulous bigot, using all means at his disposal of force to assert

himself and his opinions. Washington Irving (1783-1859)[3], another noted orientalist, expresses the similar observation of Prophet's behavior at Madīna in his book 'Mohammad and His Successors'. His words read:

> "*He now arrived at a point where he completely diverged from the celestial spirit of the Christian doctrines, and stamped his religion with the alloy of fallible mortality. His human nature was not capable maintaining the sublime forbearance he had hither to inculcated*."[4]

He opines that a poor Islam of kindness and forbearance turned into the religion of force and sword at Madīna. According to him Prophet Muhammad (peace and blessings of Allah be upon him) could not maintain the divine character of his previous Christian ideas of harmony, sympathy, forbearance and forgiveness after having the authority of a ruler at Madina. He says more definitly:

Such were the doctrines and revelations which converted Islamism of a sudden from a religion of weakness and philanthropy, to one of violence and the sword.[5]

Although most of the orientalists are aware of the historical reality of Prophet Muhammad's (peace and blessings of Allah be upon him) temper, patience, the sense of forgiveness and his sympathy towards his enemies even on the occasions of his victory over them as on the battle of Badr and the victory of Makka, they, inspite of this, go against the living history. Similarly Washington Irving too, knows that Prophet Muhammad (peace and blessings of Allah be upon him) and his followers mostly remained on a defensive position rather than offensive. Therefore, majourity of the impartial historians present Muhammad (peace and blessings of Allah be upon him) as the representative of peace and harmony while Washington Irving and some of his fellow orientalists earnestly present him as a representative of violence and sword.

George Sale (1697-1736)[6], an orientalist of a good say among the circles of the orientalists, admits that Muḥammad (peace and blessings of Allah be upon him) remained kind and moderate in his Makkan life. But he also assumes that his passiveness was due to his weakness and want of power. As soon as he got the social and economic prosperity, he turned into an aggressor and a warrior. He writes:

> "*But this great passiveness and moderation seems entirely owing to his want of power,… for no sooner was he enabled, by the assistance of those of Madina, to make head against his enemies, then he gave out, that God had allowed, by him and his followers to defend themselves against the infidels; and at length as his forces increased,*

he pretended to have the divine leave even to attack them, and to destroy idolatry, and set up the true faith by the sword."[7]

Sale's this commentary cannot be verified. Because according to the history of Holy Prophet's life, ever written either by the Muslims or other historians, the more he was powerful the more he was kind and generous to the public. His victory of Makka is the best occasion to explain his attitude as a conqueror and a ruler. The fact of Muḥammad's (peace and blessings of Allah be upon him) being sympathetic to his fellow Arabs is known to almost all the well-known orientalists, a large number of whom acknowledge him generous one both as a common preacher and as a conqueror. Thomas Walker Arnold (1864-1930)[8] considers it false to suppose that Muḥammad (peace and blessings of Allah be upon him) laid aside his missionary role at Madīna and after getting a large army at his command, he ceased to invite unbelievers to embrace Islam.[9] Stanley Lane-Poole (1854-1931)[10] is reported to have certified Muḥammad's (peace and blessings of Allah be upon him) entry into Makka as better than any victorious entry in the world. He asserts:

"It was thus that Mohammad entered again his native city. Through all the annals of conquest, there is no triumphant entry like unto this one."[11]

He appreciates the Holy Prophet's (peace and blessings of Allah be upon him) triumphant entry into his native city as an examplary entry in the world. Dr. Henry Stubbe (1932-1976)[12] also acknowledges his victorious entry into Makka as 'the victory of a Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) rather than an emperor'. He speaks about the Holy Prophet's (peace and blessings of Allah be upon him) behavior as observed by the then Makkans.

"*His Moslemin seem all to be animated with the same spirit; nor do the inhabitants of Mecca find themselves governed by an emperor and an army, but by a Prophet*."[13]

Henry Stubbe appreciates the Muslim conquerors' attitude with their conquered fellow nationals and admits that the Makkans found themselves under the rule of a Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) not an emperor.

Tor Julious Efraim Andrae (1885-1947)[14] is also of the view similar some what to those of George Sale and Irving. He enlightens the pages of history about the cause of the growth of this universal faith in the world. He describes his opinion:

"*The satisfaction and joy of victory increased the prophet's consciousness of his calling. The thought grew in him that the world must be compelled by force to obey Allah's word and commandments,*

> *if preaching did not succeed. Thus, even at this time, shortly after the battle of Bedr, the principle is formulated which for a season made the sword the principal missionary instrument of Islam*."[15]

The reader may ask Andrae that if Muḥammad (peace and blessings of Allah be upon him) thought of compelling the people to his faith after Badr, then why did he not take revenge from his foes and force them to embrace Islam on his victory of Makka. And which reason stopped Andrae from giving any single instance of Muḥammad's (peace and blessings of Allah be upon him) use of compulsion from history in support of his claim? Actually, neither he could find such example in history nor he or any of Prophet's (peace and blessings of Allah be upon him) detractors is in a position to answer such questions.

Washington Irving's opinion leaves the impression that no quality ever possessed by Muḥammad (peace and blessings of Allah be upon him), or any attraction in his teachings could be helpful for him in proselytizing the pagan Arabs. It was, says Irving, only the sword which was proved the final source for Muḥammad (peace and blessings of Allah be upon him) to force the public to follow the new faith. He describes:

> "*None of these attributes, however, have been sufficient to enforce conviction, and even the miracles of Moses and Jesus have been treated with unbelief. I therefore the last of the prophets am sent with the sword! Let those who promulgate my faith enter into no argument nor discussion; but slay all who refuse obedience to the law.* "[16]

There are two points of wonder in this passage for any reader of Prophet's (peace and blessings of Allah be upon him) life. Both are dealt with as:

1. Irving's statement 'None… law' is based on either his ignorance from the Qur'ānic rules of preaching or is the outcome of his abhorrence with Islam and its Prophet (peace and blessings of Allah be upon him). Because neither the Holy Qur'ān instructed Muḥammad (peace and blessings of Allah be upon him) like this nor he commanded his followers to act in such an aggressive attitude. But, on the contrary, he as well as his followers faced the persecutions and hardships from the Makkans with patience for about thirteen years and never reacted in such an aggressive behavior and always asked the Almighty to guide their enemies in the right path. As it happened on the occasion of Prophet's missionary visit to Taif where the public reacted in violence on Prophet Muhammad (peace and blessings of Allah be upon him) and his then secretary with him. The Holy

Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) hoped and prayed for them to be guided by the Almighty to His right path.[17]

The Qur'ānic instructions to the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him), to preach them in quite a polite manner, have not been out of the reach of the orientalists. Some of them assuredly express their appreciations. Thomas Arnold a welknown and somewhat impartial orientalist, describes these Qur'ānic rules of preaching in the following way:

> "*The duty of missionary work is no after-thought in the history of Islam, but was enjoined on believers from the beginning, as may be judged from the following passages in the Qur'ān—which are here quoted in chronological order according to the date of their being delivered.*"[18]

After this he notes more than twenty verses of the Holy Qur'ān from both Makkan and Madanite Sūrās in which Allah Almighty commands the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) to preach his faith with wisdom, kindly warning, and the sympathetic behavior. The Holy Qur'ān also asks him not to force the pagans to embrace Islam and reminds him that the duty assigned to him is only the plain-spoken preaching.

Some of these verses mentioned by Thomas Arnold are being mentioned here:

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ [19]

"Summon to the way of your Lord with wisdom and with kindly warning: debate with them in the kindest manner."

وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ [20]

"And say to those who have been given the book and to the ignorant, do you accept Islam? Then, if they accept Islam, they are guided aright: but if they turn away, then your duty is only preaching; and God's eye is on His servants."

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ [21]

"Then if they turn their backs, still your office is only plain-spoken preaching."

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ [22]

"Let there be no compulsion in religion."

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ [23]

> *"You will not cease to discover the treacherous ones among them, except a few of them. But forgive them and pass it over. Verily, God loves those who act generously."*

All the Qur'ānic passages mentioned above prove that there was no indication for the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) to use the force of sword to compel his people to the acceptance of his Divine belief. Rather there were numerous instructions for him to be kind and generous to all, whether they obey or disobey.

2. Washington Irving, as usual, has given no reference to the source from where he has taken the Holy Prophet's (peace and blessings of Allah be upon him) saying. He should have noted the original Arabic text for the better understanding of it. But actually it seems the fabrication of Irving himself as the Holy Prophet could never say in contrast to what was revealed to him.

Irving also points out the secret key link between Muḥammad's needs and the Arab's aggressive temper that caused the spread of Islam. He argues:

> *"The fugitives flocking to him from Mecca, and proselytes from tribes of the desert; were men of resolute spirit, skilled in the use of arms, and fond of partisan warfare…In the exaltations of his enthusiastic spirit he endeavored to persuade himself, and perhaps did so effectually, that the power thus placed within his reach was intended as a means of effecting his great purpose, and that he was called upon by divine command to use it*".[24]

It is the point of much astonishment that a historian asserts 'proselytes…partisan' and yet assumes that Muḥammad (peace and blessings of Allah be upon him) alone compelled them by force to follow him, and they all yielded before him without any obstruction. The query emerges here, that was a single Muḥammad's (peace and blessings of Allah be upon him) strength more powerful than that of them all who not only defeated them but also forced them to follow his commandments? And which reason precluded them from using their warlike skills against him? The reality is that they were skilled in the use of weapons but were influenced, as we have already shown, by the Qur'ānic teachings and the friendly character of the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him).

In the coming pages, we endeavor to analyze and override all of such assertions of the orientalists in the light of the logic and some more moderate opinions of learned orientalists. Thomas Carlyle (1795-1881)[25] answers the allegations of orientalists generally, and Washington's statement particularly, in a quite logical way

and concludes this issue in these lines:

> *Much has been said of Mahomet's propagating his religion by the sword. It is no doubt far nobler what we have to boast of the Christian religion, that it propagated itself peaceably in the way of preaching and conviction. Yet with all, if we take this for an argument of the truth or falsehood of a religion, there is a radical mistake in it. The sword indeed: but where will you get your sword! Every new opinion, at its starting, precisely in a minority of one In one man's head alone, there it dwells as yet. One man alone of the whole world believes it, there is one man against all men. That he takes a sword, and try to propagate with that, will do little for him. You must get your sword! On the whole, a thing will propagate itself as it can. We do not find , of the Christian religion either, that it always disdained the sword, when once it had one. Charlemagne's conversion of the Saxons was not by preaching*.[26]

Thomas Carlyle criticises the Western writers' biased and partial comparison of the ways through which Christianity and Islam were extended in the world. He considered it a gross error to favour the missionery ways of Christendom for its popularity in the world and to undermine the Islamic methods of missionary approach towards the public. Moreover, the authentic history of Islam confirms that Carlyle's logic is quite natural and of a big weightage that a single thinker with a sword can never compel the world to accept his opinion because neither it happened in the world yet, nor can it be the case in future. Stubbe also holds the very thought that the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) did not force his people to adopt his heavenly message. He favors the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) in these words:

> "*It is a vulgar opinion that "Mahomet propagated his doctrine by the sword," and not only compelled the Arabians at first to receive his religion, but obliged his successors by a perpetual vow or precept to endeavor the extirpation of Christianity and all other religions, thereby to render his own universal. But how generally so ever this be believed, and how great men so ever they be who support it, yet is it no other than a palpable mistake*."[27]

Henry Stubbe too, Just like Thomas Carlyle has gone against some of his fellow orientalists's conclusion that Muhammad (peace and blessings of Allah be upon him) spread his religion through the inhuman use of sword and

extremism. In his view point, this finding of the orientalists is nothing more than a plain historical mistake. Moreover, he denies all the allegations on Prophet Muḥammad (peace and blessings of Allah be upon him) concerning his preaching of Islam in these words:

> "*But tho' the Christian doctors and some popes have urged them, thereby prepared apologies for the Mahometans, I do find Mahomet proceeded any further in Arabia the desert then to exterminate idolatry, but not to force men to the profession of Islamism. He himself gave letters of security to the Jews and Christians in Arabia, and never used any violence to them upon the account of religion*."[28]

Henry Stubbe leaves no more space for the Western allegations on the Personality of Prophet Muhammad (peace and blessings of Allah be upon him) of having propogated his religion through the use of sword and violence. He denies categorically the Prophet's (peace and blessings of Allah be upon him) forcement of the non-Muslims to confess Islam. Rather he admits that the Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) himself issued the leetters of security and peace for the Jews, Christians and the Makkan infidels who forced him to leave his beloved native city. He also confesses that Muhammad (peace and blessings of Allah be upon him) never used violence against them in the cause of his religion.

Renold Victor Courtenay Bodley (1892-1970)[29] appreciates the generosity of the Muslim rulers with which they behaved their public in such a way:

> "*Wherever the Muslim armies went during the centuries succeeding Mahomet's death, they never made vassals of the conquered, they never exploited their natural resources for their selfish benefit…On the contrary, the Muslims knew nothing of the world over which they were spreading or what it might give them. They naturally took full advantage of what they found, but always in conjunction with the local inhabitants. These, for the most part, had become Moslems and were consequently, by that fact, brothers and allies*."[30]

Here Bodley open heartedly admits overall historical behaviour of the Muslim rulers with their non-Muslim subjects that they never made their subjects as their slaves, never exploited their rights and properties. But in contrast they shared the benefits of their government with their conquered people and lived with them as if they were their brothers and allies.

Thomas Arnold mentions another logical instance from history that the

continual warfare rather kept the unbelievers away from the influence of peaceful and moral teachings of Muḥammad (peace and blessings of Allah be upon him). While the close peaceful relationship between the Muslims and the Pagans after the truce of Ḥudaybiyyah (A. H. 6) caused the so rapid conversion of infidels to Islam.[31]

All the statements of orientalists mentioned above clearly show that the spread of Islam was due to the logical and natural teachings of the Holy Qur'ān and and the sympathetic attitude of Prophet Muḥammad (peace and blessings of Allah be upon him). The orientalists have also confessed that the preaching of Islam was done by the Muslims more politely than the propagation of Christianity by the Christians. Stubbe has devoted a complete chapter entitled 'Justice of Mahometan wars' in his work 'An Account of the Rise and Progress of Mahometanism' and considers the Islamic concept of war justified and also criticized the Christian methods utilized for the promotion of Christianity. Thomas Arnold also condemns the Christians for using undue means for the propaganda of their religion.[32] The following passages read to differentiate the Islamic causes of its spread from those of Christianity. Bodley gives his analysis about this difference between Christianity and Islam in such a realistic note:

> *"Why did his doctrines spread so much more rapidly than those of the Jews and Christians? What was the difference in Mohammad's teaching and that of Moses and Jesus? Why is the ratio of practicing Moslems greater than the ratio of practicing Jews and Christians?…What can be, and will be, explained now, are the main principles of Mohammad's new faith, the name of which is Islam, not Mohammadanism*."[33]

Bodley has raised so solid questions of which definitly expose that Islam spread much more rapidly than Christianity and Judaism because of the deep logical and natural impression of Prophet Muhammad's teachings and his social and spiritual method of preaching them. Moreover, he confirms the impressive impact of these teachings on the minds and the hearts of the believers that they practically lived their lives in accordance with the spirit of these teachings. And finally, the highest number of the practicing Muslims in the world, indicate clearly that their adherence to the spirit of Islam is due to its teachings not because of the fear of the Muslim bigotry or sword. Godfrey Higgins (1772-1833)[34], a noted biographer of the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him), compares the Christian and Muslim ways of governance, calls them contrast to each other and favours those adopted by the Muslims. He expresses:

> *"Nothing is so common as to hear the Christian priests abuse the religion of Mohammad for its bigotry and intolerance. Wonderful assurance and hypocrisy! Who was it expelled the Moriscoes from Spain because they would not turn Christians? Who was it murdered the millions of Mexico and Peru, and gave them all away as slaves because they were not Christians? What a contrast have the Mohammadans exhibited in Greece! For many centuries the Christians have been permitted to live in the peaceable possession of their properties, their religion, their priests, bishops, patriarchs, and churches.*"[35]

Godfrey raises so harsh but concrete questions on the historical behaviour of thee Christian conquerors with their subordinates in Spain, Mexico and Peru. They expelled the Moriscoes from Spain, gave all the inhabitants of Mexico and Peru as slaves just because they had no belief in Christianity. He also quotes an example of the Muslim conquerors' kind attitude towards the conquered Christian inhabitants of Greece who lived for centuries with complete social, religious, political and economic freedom under the rule of the Muslims.

Some of the extremely realistic and impartial orientalists have added the only point that the boundaries of Muslim empire, however, were enlarged through the wars but they never enforced the nonbelievers to their religion. Godfrey, Stubbe and Bodley are among such orientalists who open heartedly confess it. Stubbe gives his precise commentary:

> *"In the Alcoran also there are several passages wherein he permits the unbelievers to hold their own religion, and declares that every of them, Jew, Christian, or other, might be saved if he holds that there was one God, the Creator, a day of Judgment, and lived justly and uprightly. By all this it appears that Mahomet and his followers make war not to enforce others to their religion, but to enlarge their Empire*."[36]

Stubbe, moreover, concludes this comparison thus:

> *"When we say that the religion of Mahomet was propagated by the sword, we must understand only as a consequence of their victories, and not that they forced men by slaughters and murders into their opinion. I doubt Christianity owes its extension to more unjust methods."*[37]

In both of the passages mentioned, Henry Stubbe gives his appreciation of the Quranic rule for the non-Muslim subjects to live in the Islamic state with

freedom by holding their own religion with just a single demand to believe in the oneness of God. He also opines, though of little historical authenticity and worth, that the Muhammadans made wars not to enforce others to their religion but to enlarge their empire. He argues further that Christianity is extended by the use of more unjust means. The point here is to be noted that the Muslims believe that Islam is the true and the sole original religion of the Almighty and is a perfect solution for the spiritual, material needs and the problems of the humanity on earth. So the Muslim conquerors thought that their Divine Empire should be as large as possible so that the maximum number of the humanity may be able to avail all the benefits of the havonic kingdom. As a consequence of the enlargment of the Muslim empire, its inhabitants, both the Muslims and non-Muslims, found it a blessing from the Almighty as the most peaceful place to dwell on the earth. Arnold also holds the same view that successes of Muslim arms, however, also attracted the people towards Islam.[38]

This discourse concludes that the use of sword was one of the sources of the extension of Muslim state, but not the sole cause of the spread of Islam in any case. It is the human nature that the human beings dislike to be forced by threat to do, accept or to believe in any thing. In case, if someone is forced by the warning to do or accept anything that he dislikes, he may accept or believe in the demanded thing but this will be for the time being untill he gets rid of the threat of the enforcement and will show his disbelief again. Bodley gives a solid proof from the authentic history that the propagation of Islam in all over the world was due to the friendly relationship of Muslim conquerors with the conquered peoples because nowhere in the world, after the departure of Muslim conquerors, people left their new faith of Islam save in Spain, the real causes of which require a long tale. He argues:

> *"The proof of this friendly relationship is that, except for Spain, all the countries which the Moslems penetrated between the seventh and fourteenth centuries have remained faithful to the cause of Islam, and regard Mecca as the center of their civilization*."[39]

In the statement mentioned above, Bodley appreciates the friendly relationship of the Muslim rulers with their conquered peoples in all over the world. He admits the historical reality that the subjects of all the countries, conquered by the Muslim rulers save Spain remained Muslims devoted for the cause of Islam. Godfrey Higgins stands the most accurate and justified in his proof in the support of his argument. He gives a very unique and interesting example from history that not only the Muslim conquerors attracted their public towards their

religion but also the conquered Muslims impressed their conquerors to believe in their faith of Islam. He quotes:

> *"The first attack, or one of the first attacks of Turks on the Saracen, took place in the later end of the eighth century. They came from the north betwixt the Caspian seas, and were not then of the Mohammadan religion. But they soon afterward came over to the religion of their conquered Saracens. In this conversion of their conquerors, a most remarkable and pointed refutation is given to the often repeated charge, that Islamism was indebted to the sword for its success. For here is a grand proof that Islamism not only converted those whom it conquered: it converted its conquerors."* [40]

This is the unique historic example of the Muslim characteristics any type of which cannot be found in the spheres of other religions that the conquerors embraced the religion of their conquered people. Such conversion of the conquerors was definitly indebted to the impressive characteristics of the Muslim subjects and the peaceful and logical teachings of Islam.

Conclusion

It can be concluded from the previous discussions, evidences and the opinions that some of the orientalists like William Muir, Washington Irving, George Sale and Tor Andrae have gone far away from the production of an aaccurate and historically authentic answer to the basic research question under discussion in the paper that 'whether the means of Islamic extention in the world are logically justified or not'. They committed a gross mistake to make Prophet Muhammad (peace and blessings of Allah be upon him) and his followers responsible for propagating their faith by the force of compulsion. Infact they could produce no instance from history, in favour of their assertions, of Prophet's (peace and blessings of Allah be upon him) or any of his follower's use of sword for the cause of compulsively proselytizing the unbelievers. This is because, human history has a story of the spread of Islam, attested by the logic and by the realistic orientalists, totally different from which narrated by them. This only may, however, be said that the successful political entries into far distant areas played their role in the expansion of the boundaries of Islamic state but not the religion of Islam. Thomas arnold has rightly marshalled the primary causes due to which the unbelievers attached themselves to the faith of Islam as the simple and rationalistic character of Muslim creed, solid faith in the oneness of the Almighty, brotherhood, equality, peacefulness, their determination and strength of will, uncomplaining submission and patience in facing the bitterest misfortunes in the way

of Allah and finally the measure of toleration enjoyed by the unbelievers under the Muslim rule, the like of which cannot be found in Europe untill quite modern times. [41] Similarly, John Bagot Glubb Pasha, Godfrey Higgins, Henry Stubbe, Thomas Carlyle and R. V. C. Bodley, have discarded the allegations of William Muir, Washington Irving, George Sale and Tor Andrae through their presentation of logical evidences from the annals of authentic history and have provided us their help to produce a precise comprehensive conclusion of our basic research question through the academic investigation. The message and the spirit of the Quranic teachings and the psychological methodology of preaching assigned to the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him), as mentioned and appreciated by Professor Thomas Arnold, are also a proven authentic source for the better understanding of the missionary approaches of Islam. As this article deals with some of the misunderstandings of the Western scholars of Islam, and their followers in the West as well as in the East, they all are advised, through this paper, to study the impartial literature of the unbiased orientalists mentioned above and the Quranic missionary instructions provided to Prophet Muhammad (peace and blessings of Allah be upon him) and his followers and rewise their stand-point in an academic and scholarly aptitude. Hopefully, through this scholarly approach, they, like others, will get a sufficient amount of satisfaction about the justification of the Muslim wars and the extension of Islam.

References

1. *Born in Preston, Lancashire, a British soldier, author and scholar of the Eastern political, religious and social studies. Author of the following publications:*
    - *The Great Arab Conquests.*
    - *The Empire of the Arabs*
    - *A Short History of the Arab Peoples.*
    - *The Lost Centuries: From the Muslim Empires to the Renaissance of Europe.*
    - *The Life and Times of Muhammad.*
2. *Pasha, John Bagot Glubb, The Empire of the Arabs (London: Hodder & Stoughton, First ed., 1963), 22. For further study of Bagot's views, his remarkable work , The Great Arab Conquests (London: Hodder & Stoughton, 1963) should be consulted.*

3. *Born in NewYork, A biased American short story writer, an orientalist and a diplomat of early 19th century. Author of various literary works including 'Mahomet and his Successors'.*
4. *Washington Irving, Mohammad and His Successors, Vol. 1, (India: ABI Prints & Publishing. 1988), 152.*
5. *Ibid., 154-155.*
6. *Born in Canterbury, Kent, England. A British scholar of Quranic and the Arabs' cultural studies. Ex-member of the 'Society for Promoting Christian Knowledge.' The writer of a Quranic translation and commentary named 'The Koran' and the 'Sacred Books of the East.' He also wrote the introduction of the book ' Universal History'.*
7. *George Sale, The Koran (London: George Routledge, 1898), 38.*
8. *A British Orientalist. Ex- professor of Arabic language & literature at University of London. One of Allama Muhammad Iqbal's favourit teachers.*
9. *Thomas Walker Arnold, The Spread of Islam in the World (New Delhi: Good Word Books, 2001), 34.*
10. *Stanley Lane-Poole Born in London, England. He wrote dozens of books including, 'The Story of the Moors in Spain.' And Arabic-English Lexicon.*
11. *Godfrey Higgins, Apology for Mohammad (Lahore: Premier Book House, 1929), LXXI.*
12. *He was born in Partney, a village of the district Lincolnshire, England. A noted determined and fearless British writer on both religious as well as political studies. He wrote about a dozen books some of which are:*
    - *A light Shining out of Darkness.*
    - *A Vindication of that Prudent and Honourable Knight, Sir, Henry Vane.*
    - *An Account of the Rise and Progress of Mahometonism.*
13. *Henry Stubbe, An Account of the Rise and Progress of Mahometanism Ed. Mahmood Shairani (Lahore: Orientalia Publishers, 1975), 128.*
14. *Born in Vina, A Swedish scholar of comparative religion and a Bishop of Linkoping, Sweden. Author of various prominent works with one 'Mohammad the Man and his Faith' on Prophet Muhammad's life.*
15. *Tor Andrae, Mohammad the Man and his Faith (London: George Allen & Unwin, 1956), 147.*
16. *Irving, Mohammad and His Successors, Vol. 1, 154.*

17. *An-Nadavi, Abul Hasan Ali Alhusaini, As-Sirah An-Nabawiyyah (Berut: Darus-Shurooq, 5th ed. 1983) 130.*
18. *Arnold, The Spread of Islam, 3.*
19. *The Holy Qur'ān, 16:125.*
20. *Ibid., 3:20.*
21. *Ibid., 16:82.*
22. *Ibid., 2:256.*
23. *Ibid., 5:13.*
24. *Irving, Mohammad and His Successors, Vol. 1, 153.*
25. *A wellknown British instructor and philosopher of oriental and social studies. He was proved a rebel in his study-life as well as in professional life. He left both formal study and his job and set himself in studying books individually.*
    His book on the French revolution got a high degree of popularity in Europe and France. He also wrote a series of lectures on the most influential & heroic personalities in human history with the title: 'On Heroes, Hero-Worship and the Heroic in History.' He devoted his first lecture for the personality of the Prophet Muhammad (peace and blessings of Allah be upon him) and defended him, through a deep impartial academic approach, from all the majour allegations of his Western critics. He also criticized his critics because of their biased biographical approach.
26. *Thomas Carlyle, On Heroes, Hero-Worship and the Heroic in History (New York: J. M. Dent & Sons), 295-96.*
27. *Stubbe, An Account of the Rise and Progress of Mahometanism, 180.*
28. *Ibid., 181.*
29. *A British Army Officer, journalist and renowned author of about 18 books including 'The Messenger' on the biography of Prophet Muhammad (peace and blessings of Allah be upon him) in 1946.*
30. *Bodley R. V. C., The Messenger (London: Robert Hale 1946), 95.*
31. *Arnold, The Spread of Islam, 37.*
32. *Ibid., 7-8.*
33. *Bodley, The Messenger, 83.*
34. *A Magistrate of British origin, born in Owston, Yarkshire and died in Cambridge. A prominent advocate of social reform, a historian and*

orientalist. Author of several works with one of the earliest apologies from West for the life of Muhammad in 1829 entitled: Apology for Muhammad.

35. *Higgins, Apology for Mohammad, 123-124.*
36. *Stubbe, An Account of the Rise and Progress of Mahometanism, 184.*
37. *Ibid., 188.*
38. *Arnold, The Spread of Islam, 35.*
39. *Bodley, The Messenger, 95.*
40. *Higgins, Apology for Mohammad, 131.*
41. *Arnold, The Spread of Islam, 413-420.*

OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
mei.aiou.edu.pk
iri.aiou.edu.pk

Women and Entrepreneurship: A Study in the Light of Islamic Teachings

** **Sana Kishwer***
M.Phil Research Scholar, Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi
*** **Dr. Aayesha Rafiq***
Head, Department of Islamic Studies, Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi

Abstract

Entrepreneurship is an emerging trend in the world at large. Youth is attracted and engaged in entrepreneurship globally. Females are approximately 50 percent of the total population and their role in a country's economy is vital. We have moved far ahead of a social system in which one man used to be the sole breadwinner for five to ten family members. Today, due to inflation, it is not possible for a single man to take care of the financial needs of so many dependents. Secondly, women are getting educated and many of them are pursuing higher education. Therefore, parents and country expect them to be productive members of society. On the other hand, in conservative Muslim societies this mind set still exists that women cannot own their own income generating projects or are not allowed to interact with men for their business activities. It is a general understanding that Islam prohibits women to participate in income generating activities and go outside their homes and interact with men for the sake of business and earning a livelihood. This situation marks the importance of the current research. This article explains the position of women regarding their engagement in business and social entreprenurship in the light of Qur'anic verses and Islamic history. It is concluded that Islam gives equitable rights to women and men in an Islamic society. Although, Islamic social norms place the primary role of livelihood on men's shoulders, but it does not prohibit women from earning money or owning their own business enterprise.

Keywords: women, entrepreneurship, Islam, social entrepreneurship, business enterprise.

Introduction

Entrepreneurship is related to those actions which are used for establishing an industry or a new business. It was in 1700s when the concept of entrepreneurship was first recognized in the world. In practice, the concept of entrepreneurship is used for making something which is new and to use such kind of new ways which produce something that already exists. Entrepreneur is a person who accepts modernization and

fully transforms modernization into the economic field. According to Drucker, 'entrepreneurship is a practice it is neither a science nor an art'.1 Entrepreneurship moves the economic resources from the lower area to the higher area for the better production and the larger income, the market entrepreneurs are innovators that provide the goods to the markets which the market demands. An entrepreneur is a person who takes risks for the production of new business, has a capacity of judgment to identify possible income chances.2

Islam sets a clear guideline for doing business and strictly prohibits corruption, greediness, misuse and dishonesty. According to Islamic teachings any person who gains unlawful profit is a sinner. Muslim entrepreneurs are allowed to engage in business, which is morally accepted and socially recognized. Business activities, which involve sale and purchase of unlawful commodities like drugs, vine, usury, gambling are not allowed in Islam. Similarly, any other unethical activity or hypothetical business which involves ambiguity (gharar) is also not allowed under Islamic entrepreneurship.

Islam lays great stress on fair dealings and honesty in business, which are common ethical norms and standards for carrying out business or entrepreneurship. However, Muslims by virtue of their belief in Allah Almighty are expected to be more conscious and God fearing in their business engagements. Qur'an states in Surah al-Nisa, verse 124 that:

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا[3]

Whoever, male or female, does good deeds and is a believer, then such people shall enter Paradise, and they shall not be wronged in the least.

Islam gives equal right and status to both men and women and this is clearly mentioned in the Holy Quran. Under Islamic family institution men and women have different responsibilities, but both are treated as equitable almost in all aspects of life. Prophet Muhammad (PBUH) gave same status to both genders and inculcated respect for each other. Moreover, in Islam women are celebrated as a self-governing legal entity, which have the capacity to organize and run a business. Before Islam, women participated in different matters and managed the property. Prophet Muhammad (PBUH) also encouraged them to participate in various activities, trade and commerce, which was common at that time. Hazrat Khadija (R.A) is the prime example of that society and the Prophet Muhammad's support extended to Hazrat Khadija even before prophet-hood. Many women companions of the Prophetic era were well known in many fields and we can take them as an example today. Those women participated in writing, editing, trade and commerce, agriculture, and business and other related

fields.[4]

Muslim women can earn her own money and she has a right to enter into legal contracts and manage her property, money and legal matters. The Quran says:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ[5]

"For men there is a share of what they earned, and for women, a share of what they earned."

In the global context, women empowerment carries great importance. Women are half of the population and no country can flourish if half population is non-participative in the country's economy. In Islam, there is no restriction on education of women. Islam gives equal rights to both men and women. Women can become an important part of a flourishing society, if provided opportunities. Women can change the destiny of any country by showing their devotion towards its economic activities.[6]

Literature Review

Not much literature is available on the given subject, specifically related to the Islamic point of view on the involvement of Muslim women in entrepreneurship activities. Prof. Anis Ahmad writes in his book Women and Social Justice: An Islamic Paradigm (1996), the primary institution and responsibility for a woman is her family and all other things are considered as secondary.[7] Islam gives an independent role to women in the social and economic system. In Islam, there is no objection/problem for women to establish and run a business. It is discussed that many Muslim women successfully established institutions in an ideal Islamic society.

In Islamic social system, it is the innovatory fact that the women can conduct the business by her own name in both pre as well as post marriage situations. Furthermore, the Quran discusses that woman can save, invest, and distribute the money according to her decision, as mentioned in verse 35 of Surah Al Ahzab that women have to pay Zakat.[8] How can Zakat be incumbent on woman, if she is not allowed to own, inherit or earn her own living and establish her own business? In contemporary Islamic discourses, this allowance is not properly discussed, but some of the renowned scholars have discussed the economic dimension of Zakat in detail like Sayyed Abu A‘la Maududi (1903-1979) and *Yusuf al-Qardawi*. *Zakat* is not only applicable on jewelry, but is also levied on those savings which comes from business stock and personal wealth. This clearly shows that the obligation to pay zakat on woman has granted her the right of investment, earning and participation in economic activities.

Islam plays an important role in a Muslim women's life. In this paper, it is clear that wearing hijab facilitates women's access to enter into the business networks with

grace and security and family support is also very important. It is discussed that trade and commerce have always been an important part of Islam and Makkah was the center of trade activities. Islam gives inspiration to society to involve in entrepreneurship because the excess of profit, which is earned by entrepreneurs, for the welfare of society. In Islam, there is no discrimination, women can take part in different activities. When women are involved in various entrepreneurial activities, it will empower them in social, economic and cultural fields, which makes them able to take a decision at homes as well as outside the family. Some of the verses and ahadith are also mentioned in this article to support this idea. The early Muslim female entrepreneurs took part in different fields like farming, trading and work as an artist (calligraphy). In the end some cases of Muslim entrepreneurs from different countries are discussed, e.g. Bangladesh, Malaysia, Indonesia, Pakistan, India and North Nigeria.

John C McIntosh, and Samia write in their article 'Beyond the veil: The influence of Islam on female entrepreneurship in a conservative Muslim context' (2010) that in high, middle and low income countries phenomena of female entrepreneurship is growing. This paper also deliberates on the question that how is female entrepreneurship shaped by Islamic traditions & Sharia in a conservative Muslim context? Mauro F Guillen discusses in the book Women Entrepreneurs that it is mainly based on the case study research about those women who become successful entrepreneurs. The writer discusses that role of women in entrepreneurship is admirable, but more attention needs to be given to gender dynamics, education, culture and family structures and traditions. Anil Kumar and R. Rahman discuss in their book Women Entrepreneurship that women are becoming popular in different fields, making their position strong and raising their status in society. An overview of the last five decades is discussed in this book that how the women were appearing in the fifties and in 21^{th} century. In the fifties, men were not able to carry family responsibility because of low income; therefore women took the responsibility of her family. In the sixties, the situation becomes better and women received education from schools and colleges and they started their business on a small level at homes. Women entrepreneurs of 21^{th} century are a source of inspiration for others.

In developing Asian countries, presently the important issue is the development of entrepreneurship related to the economic improvement. Mostly in these countries due to the lack of skilled workers and technology the main cause of the economic backwardness is lack of entrepreneurship. This article suggests that participation of women in economic field can help to reduce the poverty from the society and the main focus of this paper is on women entrepreneurs in SMEs (Small Medium Enterprises).

Methodology

This research is qualitative. It pertains to understanding of various factors affecting the participation of Pakistani women in independent business activities. For this purpose, interviews were taken from approximately fifty women who are engaged in Entrepreneurial activities. The sample is divided into three categories, women engaged in upper level entrepreneurship activities with leading businesses and a brand name, women engaged in the middle level entrepreneurship activities who have made a name in their communities and are successfully running their business for more than five years and finally the lower level of entrepreneurship activities in which women have established small scale business and have been into this business for less than five years. The questioner was developed of about twenty to twenty five questions and all were open ended. Their interviews were recorded and the contents of the interviews were analyzed thoroughly. All women selected as the sample out of the population were women engaged in social enterprise at either of the three levels mentioned above and the sample was selected through purposive sampling. The population from which sample was selected were Pakistani Muslim women residing in Rawalpindi and Islamabad or at least who have established their branches in Rawalpindi and Islamabad.

Besides this the concept of entrepreneurship is explored from various books and articles written by Pakistani authors and foreign authors. So literature has also been reviewed and examined to understand the concept of entrepreneurship. This research is based on the study of Pakistani women and the impact of religious orientation & understanding of Islam is also taken into consideration. Thus, primary sources of Islam, which are the Quran and Sunnah are studied and verses relevant to the topic are selected for this study. To understand the Islamic perspective, Muslim history is studied and examples are selected from Muslim history where Muslim women have contributed towards entrepreneurship and have become role models.

Concept of Entrepreneurship

Entrepreneurship is related to those actions which are used for establishing an industry or a new business. In 18th century the concept of entrepreneurship was first recognized.[9] The word entrepreneur originates from the French word, entreprendre, which means "to undertake." In a business context, it means to start a business. The Merriam-Webster Dictionary presents the definition of an entrepreneur as one who organizes, manages, and assumes the risks of a business or enterprise. It has been defined as the "capacity and willingness to develop, organize, and manage a business venture along with any of its risks in order to make a profit"[10]. Traditionally, an entrepreneur has been defined as "a person who organizes and manages any

enterprise, especially a business, usually with considerable initiative and risk"[11]

According to Drucker[12] (1909-2005) entrepreneurship is a practice; it is neither a science nor an art. The entrepreneurship moves economic resources from lower area to the higher area for better production and larger income, market entrepreneurs are innovators that provide the goods to the markets which the market demands. An entrepreneur is a person who takes risks for the production of new business, has a capacity of judgment, to identify possible income chances.[13] Richard Cantillon[14] (1680 -1734) defines entrepreneurship in following words, "Entrepreneurship is defined as self-employment of any sort. Entrepreneurs buy at certain prices in the present and sell at uncertain prices in the future. The entrepreneur is a bearer of uncertainty." According to this definition an entrepreneur is a person who buys things at a certain price, but sells it at uncertain prices in the future means that an entrepreneur is taking a risk, not knowing what will be the demand and the price of a commodity he purchased in the past at a certain price. Risk bearing and uncertainty in a business establish the Islamic concept of financial transactions and make an enterprise lawful under Islam. Therefore, this definition is compatible with Islam.

According to Jean Baptiste Say[15] (1767 -1832) an entrepreneur takes into account all expenses incurred in production of an item or a product and estimates the final value of the product which includes his profit. He also takes into consideration the initial capital and other expenses incurred such as rent, transportation, wages and interest. He also adds to it the profit specified for himself. As Smiths (1976), gives the earliest definition of entrepreneurship as "The transformation of demand into supply for profits"[16]. According to A.H. Cole[17] (1889-1974), 'Entrepreneurship is the purposeful activity of an individual or a group of associative individuals, undertaken to initiate, maintain or aggrandize profit by production or distribution of economic goods and services."[18]

Different scholars take entrepreneurship in a different way. If we analyses these definitions, we come across two main points of entrepreneurship common to all definitions; innovation and risk-bearing. An entrepreneur is mainly concerned with innovation in his product or invention and then carries a risk of doing business of that product. Entrepreneurs keep it in mind that the innovation must fulfill the requirements of their customers. Innovation is always according to need of customers and the change occurs from time to time. Entrepreneurs use different techniques to make their services better as the examples of fruit juice, which are now saved in juice containers rather than in bottles. People can easily carry and use it, after using they can throw it. It is the invention which is according to need and desire.

The second point is risk-bearing and it's a very important point in entrepreneurship because involvement of risk gives a birth to creativity. If anyone is trying to do something different or new it is also risk because the person who is taking risk does not know what will be the end. It can be in the form of profit or loss due to the changing requirements of customers, there can be competition, which is increasing day by day and also can be many factors which influence on the enterprise. An entrepreneur is a risk bearer not the risk avoider; he must have ability to bear any sort of loss or profit. As the Japanese saying "Fall seven times, stand up eight" it can be applied to entrepreneurs.[19]

Background & Evolution of Entrepreneurship

The word 'entrepreneur' was first used in 1723. It is used as a quality of leadership, initiative and innovation in new venture design. For the history of entrepreneurship the study reaches back in 18th century where the work of Richard Cantillon and Adam Smith, they were the foundational to classical economics.[20] In 19th century the particular meaning of this term is attributed to the French economist Jean Baptiste Say. In 19th century Jean Baptiste set it in this way "the entrepreneur shifts economic resources out of an area of lower and into an area of higher productivity and greater yield". In 20th century the term was associated with Joseph Schumpeter. He gives the description of word entrepreneur in the sense of innovator. He said "the function of entrepreneur is to reform or revolutionize the pattern of production."

Since entrepreneurship is an emerging concept, especially in the East not much literature is available on this subject. After going through the available literature term "entrepreneurship" seems to have variety of categorizations proposed by different scholars and economists. There is no need of going into the classification and categorization of the concept, but two broad divisions of entrepreneurship is recognized by all, which are as follows:

a. Social entrepreneurship
b. Business entrepreneurship

a. Social Entrepreneurship

"A social entrepreneur is someone who recognizes a social problem and uses entrepreneurial principles to organize, create, and manage a venture to make social change.""The main aim of a social enterprise is to further its social and environmental goals. This need not be incompatible with making a profit - but social enterprises are often non-profits. Social enterprises are for 'more-than-profit".[21]

Concept of social entrepreneurship is used for solving the social problems like poverty, illness, etc., it used as a key to make a better life. Greg Dees is known as a

father of social entrepreneurship, he says that , social entrepreneurs are innovators according to Schumpeter but they should have a social mission. Their ideas and decisions are bold. They are making efforts for the positively changing and better improvement in society. [22]

b. Business Entrepreneurship

Business entrepreneurship is referred to business field and someone who performs entrepreneurship in business is called business entrepreneur. According to him, entrepreneurship is very important and has essential parts for the betterment and improvement of society. Keeping the view of innovation he said that the managers should have innovation and must use it in their work. "This kind of entrepreneurship is practiced within the sphere of existing organizations is sometimes referred as intrapreneurship."[23]

Business entrepreneurs are more concerned with earning profit. They want to expand and develop their business, they also want to improve the society, but their primary concern is their business progress. Their main objective is to fulfill the needs of their customers, for this purpose they make changes from time to time.[24]

Women in Entrepreneurship in the World in 21st Century

During 1960's and 70's the journey of women in entrepreneurship started. In the 21st century, they are taking an important part in the global economy for business development. "One is the explosion of women-owned businesses; the second is international trade". [25] Now women are running their own business by themselves on a large scale as compared to men. In developed countries, women are much more facilitated. The literacy rate is high, they are provided with entrepreneurial skills, give liberty to choose the business. There is no gender discrimination, this gives them confidence and they are showing their entrepreneurial activities without any hindrance. All these factors help them to become a successful entrepreneur.[26]

As mentioned earlier in the journey of women entrepreneurship started during 1960's and 70's. Now in present century women are increasingly involved in different activities and showing their capabilities. If we compare men with women then we come to know that women are now more active than men and they are doing their own businesses either traditional or non-traditional. Women have right to do work and take active part in different activities in developed countries. Education is high, provide different skills to entrepreneurs for development and they have liberty of choice. This environment gives them confidence for becoming successful entrepreneurs.

In the 21st century use of new technology, providing information by using different ways and so many competitions are there in the business field. In the past,

there were so many difficulties in the business field to achieve the goals or attain profit, but now the situation is not the same people are doing hard work and are using different techniques at work for achieving their goals so human resources are becoming very beneficial for the development of any country. Now entrepreneurship is used as a solution to overcome the problems, although it's risky, but through invention things are improving day by day. Women entrepreneurs are also proving their skills in business field and giving their full contribution to overcome the problems of economic development.

In 21st century women entrepreneurs want to prove their capabilities through their skills and want to be supported for their families. By engaging in entrepreneurial activities they help their husbands for a better lifestyle, to give good education to their children, etc. now they are developing themselves in a manner that they possess all capabilities of doing business.[27] Now in business people use different and innovative techniques for the betterment of their business, but in the past people faced many difficulties in the business field. They had less resources to avail opportunities. Entrepreneurship involves risk, but beneficial for solution of problems and through entrepreneurship entrepreneurs are becoming successful. In 21st century women have played important role in different fields. They are taking active part in economic field and through their income they are supporting their families also.

Islam and Entrepreneurship

Quranic Text

Qur'anic verses related to the concept of entrepreneurship or equality of men and women in matters of blessings and rewards for their efforts are given below:

Men & women are equal

Islam gives equal rights to both men and women even in religious deeds, and both will be rewarded or punished in here after. The Holy Quran mentions the religious equality of men and women in verse# 124 of Surah Nisa.

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا[28]

Whoever, male or female, does good deeds and is a believer, then such people shall enter Paradise, and they shall not be wronged in the least.

Men and women will be equally accountable for worship and their deeds as Quran says:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا
رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا[29]

O men, fear your Lord who created you from a single soul, and from it created its match, and spread many men and women from the two. Fear Allah in whose name you ask each other (for your rights), and fear (the violation of the rights of) the womb-relations. Surely, Allah is watchful over you.

And again in the Qur'an:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ
أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ[30]

O mankind, We have created you from a male and a female, and made you into races and tribes, so that you may identify one another. Surely the noblest of you, in Allah's sight, is the one who is most pious of you. Surely Allah is All Knowing, All-Aware.

Men and women have similar responsibilities and equitable rights which are given to them by Allah Almighty.

Quran always address both men and women equally and this is a clear proof that there is no discrimination. In these verses it is mentioned that men and women both are equal because both are addressed equally at the same time. If both have faith, then both will be rewarded and will enter into paradise and there will be no discrimination between them because the sight of Allah only those are superior who have Taqwa. Believing men and women addressed together as a friend and protector and will be rewarded for their good deeds and will be punished for their misdeeds and they are the follower of Allah and His messenger.

Men & women are each other's support

Men and women have same responsibilities which are given to them by Allah Almighty.

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ
الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ[31]

The believers, male and female, are friends to each other. They bid virtue and forbid vice and establish Salah and pay Zakah and obey Allah and His Messenger. Those are the ones whom Allah will bless with mercy. Surely, Allah is Powerful, Wise.

Men and Women Pay zakat

As it is mentioned in the Holy Quran:

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ

وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ
وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم
مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا[32]

Surely, Muslim men and Muslim women, believing men and believing women, devout men and devout women, truthful men and truthful women, patient men and patient women, humble men and humble women, and the men who give Sadaqah (charity) and the women who give Sadaqah, and the men who fast and the women who fast, and the men who guard their private parts (against evil acts) and the women who guard (theirs), and the men who remember Allah much and the women who remember (Him) – for them, Allah has prepared forgiveness and a great reward.

This verse talks about the believing Muslim men and women. The main point in this verse is "for men and women who give in charity". It is common sense that charity work done by those people who have money or other sources of income. Here men and women both are addressed and if the women have no source of income then how she can do charity work. So it's clear that women have right to earn money then she will be able to do a charity work and will be helpful for society.

Allah Almighty says in Qur'an:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ[33]

Do not covet something in which Allah has made some of you superior to others. For men there is a share of what they earned, and for women, a share of what they earned. Pray to Allah for His grace. Surely, Allah is All-Aware of everything.

"Some interpreter argue that in this verse ''earn'' means here to do good deeds as Qatadah (R.A) said earn means good actions while Ibn Abbas had the opinion that ''earn'' means to strive for financial benefits. Imam Qurtabi prefers this meaning by arguing that next to this verse also consist of commandment about inheritance. Some other commentator also second the opinion of Imam Qurtabi (RA). Messenger of Allah Almighty also allows women to participate in economic activities."[34]

All above verses show that there is no discrimination between men and women. Both are equal in religious as well as in social aspect and this point is verified by all these verses.

Men and Women both have Right of Allegiance

As Hazrat Aisha (R.A) said that Prophet Muhammad (PBUH) takes the pledge

from women by only their words and for reference she recite this verse of Holy Quran:[35]

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ
بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ[36]

O you who believe, when the believing women come to you, seeking bai'ah (a pledge of allegiance) with you that they will not ascribe any partner to Allah, and will not commit theft, and will not commit fornication, and will not kill their children, and will not come up with a false claim (about the parentage of a child) that they falsely attribute (to the sperm of their husbands being dropped) between their hands and their feet (i.e. their private parts), and will not disobey you in what is recognized (in Shariah), then take them in your bai'ah, and pray Allah for their forgiveness. Surely Allah is Most-Forgiving, Very-Merciful.

If men are not available women can go out for their needs and income

In the early time and in rural areas women are advancing help to their husbands and fathers in fields and other activities especially at that time when there is unavailability of men.[37] They become the helping hands of men to graze their animals. There is also an incident when Hazrat Musa (A.S) left the Egypt and went to Median. He saw that two girls looking after their sheep then he helped them it is mentioned in Holy Quran as:

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ[38]

When he set out towards Madyan, he said, .I hope my Lord will guide me to the straight path.

وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا
خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصْدِرَ الرِّعَاءُ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ[39]

And when he arrived at the waters of Madyan, he found a large number of people watering (their animals) and found, aloof from them, two women keeping (their animals) back. He said, .What is the matter with you?. They said, .We cannot water (our animals) until these shepherds take (their animals) back after watering them, and our father is very old man..

فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ[40]

So he (Musa) watered (their animals) for them, then he turned to a shade and said,. My Lord, I am in need of whatever good you send down to me.

Women should cover themselves properly

It is obligatory for women to wear hijab and cover herself when she goes outside of the home because this is consider as modified Islamic dress which is defined by Quran and Sunnah. According to Islam it is prohibited for women to go outside of the home by using perfume or make up. Women must cover herself from strangers (Na Mehrum) because Islam does not permit any Muslim women to come in front of strangers without covering herself properly. As Quran said:

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلاَ يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلاَّ مَا ظَهَرَ مِنْهَا
وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلاَ يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلاَّ لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ
أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ
أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلاَ يَضْرِبْنَ
بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ [41]

And tell the believing women that they must lower their gazes and guard their private parts, and must not expose their adornment, except that which appears thereof, and must wrap their bosoms with their shawls, and must not expose their adornment, except to their husbands or their fathers or the fathers of their husbands, or to their sons or the sons of their husbands, or to their brothers or the sons of their brothers or the sons of their sisters, or to their women, or to those owned by their right hands, or male attendants having no (sexual) urge, or to the children who are not yet conscious of the shames of women. And let them not stamp their feet in a way that the adornment they conceal is known. And repent to Allah O believers, all of you, so that you may achieve success.

This verse talks about the Muslim women and gives order to the believing women to cover her in a proper way that she is not allowed in sight of Islam to expose herself in front of any Ghair-Mehrum. She has to cover herself except her Mehrum relatives like father, husband, brothers, sons etc.

A woman who is a true Muslim tries to fully avoid mixing with men because Islam does not allow for it. And an obedient Muslim woman who is on the level of Taqwa has accepted naturally the will of Allah because she knows that He knows better

for her in all matters.

Prescribed manners for men

Islam lays broad general principles or a framework within which these activities are to be carried out e.g. for any business activity there are laws for business transaction and certain principles which governed them. For Muslim women Islam lays down specific decorum to interact with men such as dressing up modesty, covering their Satar lowering their gaze and speaking in a modest manner. Some manners are prescribed for men in Islam when they are intermingling with women; men are expected to cover their Satar, lower their gaze and behave in a modest way giving respect to Muslim women.

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ [42]

Tell the believing men that they must lower their gazes and guard their private parts; it is more decent for them. Surely Allah is All-Aware of what they do.

This clearly shows that Islam does not discriminate between men and women and lays down similar rules, interaction or intermingling for both.

Anything which is not prohibited is permissible

Regarding involvement in business enterprise nowhere in the primary religious text. It is explicitly prohibited that Muslim women cannot participate in it; therefore something which is not prohibited is generally allowed.

"The initial presumption for all things is permissibility unless an evidence indicates prohibition"[43]

The jurists have deduced this maxim of permissibility of things from the obvious verses of the Qur'an. For example:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِنْهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ [44]

He has subjugated for you whatever there is in the heavens and whatever there is in the earth, all on His own. Surely in this there are signs for a people who reflect.

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً [45]

Have you not seen that Allah has subjugated for you what is in the heavens and what is on the earth, and has perfected His blessings on you, both outward and inward? But among people there are those who debate about Allah with no knowledge, no guidance and no book to enlighten.

In Islamic law, the initial rule and origin for all things is permissibility as they are

created by the Creator of this universe. There is a legal maxim that ' Al asl fil asya al ibah' This Islamic legal maxim is upheld by Imam Shafa'i and many Hanafi jurists like al-Karkhi. They hold the view point that the reality of all things is permissibility till it is prohibited through some legal evidence. The wisdom behind this maxim is that Allah Almighty has produced all things for benefit of human beings so they should be consumed and cherished.[46]

Within Islamic framework there are some priority roles assigned to men and women. Men are expected to be bread winner of the family thus the obligation of earning money and giving provisions to family rests on men's shoulder whereas on the other hand Muslim women are expected to look after the internal domain of the house and looking after the children. This is simply a division of work load in an Islamic setup. However, there are segments of women in contemporary society who are not married or are widowed or divorced who have to earn a living for themselves or their children willingly or unwillingly.

1. **Women in Entrepreneurship in Muslim History**

Agriculture and Farming

Women become helping hands of men to graze their animals and in farming there is also an incident when Hazrat Musa (A.S) left the Egypt and went to Median. He saw that two girls are looking after their sheep then he helped them it is mention in Holy Quran as:

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ[47]

When he set out towards Madyan, he said, I hope my Lord will guide me to the straight path.

وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصْدِرَ الرِّعَاءُ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ[48]

And when he arrived at the waters of Madyan, he found a large number of people watering (their animals) and found, aloof from them, two women keeping (their animals) back. He said,. What is the matter with you?. They said,. We cannot water (our animals) until these shepherds take (their animals) back after watering them, and our father is very old man.

فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ[49]

So he (Musa) watered (their animals) for them, then he turned to a shade and said, .My Lord, I am in need of whatever good you

send down to me.

Islam is not against the women's work outside of home but restrict those factors which might cause of problems in society. There is no restriction for her to involve in lawful activities for livelihood outside of home if she takes care and follows all those restrictions which are given by Islamic Sharia. [50]

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ خَرَجَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ لَيْلاً فَرَآهَا عُمَرُ فَعَرَفَهَا فَقَالَ إِنَّكِ وَاللَّهِ يَا سَوْدَةُ مَا تَخْفَيْنَ عَلَيْنَا، فَرَجَعَتْ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ، وَهُوَ فِي حُجْرَتِي يَتَعَشَّى، وَإِنَّ فِي يَدِهِ لَعَرْقًا، فَأُنْزِلَ عَلَيْهِ فَرُفِعَ عَنْهُ وَهُوَ يَقُولُ "قَدْ أَذِنَ لَكُنَّ أَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِكُنَّ". [51]

Narrated by Hazrat Aisha (R.A) "Once Saudah bint Zam'a went out at night for some need, and 'Umar saw her' and recognizing her, he said (to her), "By Allah, O Saudah! You cannot hide yourself from us." So she returned to Prophet (PBUH) and mentioned that to him while he was sitting in my dwelling taking his supper and holding a bone covered with meat in his hand. Then the divine revelation was revealed to him and when that state was over, he Prophet Muhammad (PBUH) was saying": "O women, You have been allowed by Allah to go out for your needs."

It shows that Islam does not restrict women from going outside home when she needs something or for any lawful requirements.

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّونَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم مُحْرِمَاتٌ فَإِذَا حَاذَوْا بِنَا سَدَلَتْ إِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا إِلَى وَجْهِهَا فَإِذَا جَاوَزُونَا كَشَفْنَاهُ. [52]

It is reported by Hazrat Aishah (R.A): "Riders would pass by us when we were performing the rites of pilgrimage with Allah's messenger. When they came near us, we would let down our outer garments from our head over our faces and when they had passed on, we would uncover our faces."

قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنَا قَالَ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، إِذْ مَنَعَ ابْنُ هِشَامٍ النِّسَاءَ الطَّوَافَ مَعَ الرِّجَالِ قَالَ كَيْفَ يَمْنَعُهُنَّ، وَقَدْ طَافَ نِسَاءُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مَعَ الرِّجَالِ قُلْتُ أَبَعْدَ الْحِجَابِ أَوْ قَبْلُ قَالَ إِي لَعَمْرِي لَقَدْ أَدْرَكْتُهُ بَعْدَ الْحِجَابِ. قُلْتُ كَيْفَ يُخَالِطْنَ الرِّجَالَ قَالَ لَمْ يَكُنَّ يُخَالِطْنَ كَانَتْ عَائِشَةُ رضى الله عنها تَطُوفُ حَجْرَةً مِنَ الرِّجَالِ لاَ تُخَالِطُهُمْ، فَقَالَتِ امْرَأَةٌ انْطَلِقِي نَسْتَلِمْ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ. قَالَتْ { انْطَلِقِي } عَنْكِ. وَأَبَتْ. { وَكُنَّ } يَخْرُجْنَ مُتَنَكِّرَاتٍ بِاللَّيْلِ، فَيَطُفْنَ مَعَ الرِّجَالِ، وَلَكِنَّهُنَّ

كُنَّ إِذَا دَخَلْنَ الْبَيْتَ قُمْنَ حَتَّى يَدْخُلْنَ وَأُخْرِجَ الرِّجَالُ، وَكُنْتُ آتِي عَائِشَةَ أَنَا وَعُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ وَهِيَ
مُجَاوِرَةٌ فِي جَوْفِ ثَبِيرٍ. قُلْتُ وَمَا حِجَابُهَا قَالَ هِيَ فِي قُبَّةٍ تُرْكِيَّةٍ لَهَا غِشَاءٌ، وَمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَهَا غَيْرُ ذَلِكَ،
وَرَأَيْتُ عَلَيْهَا دِرْعًا مُوَرَّدًا. [53]

Ibn Juraij said, "Ata informed us that when Ibn Hisham forbade women to perform Tawaf with men he said to him, 'How do you forbid them while the wives of Prophet Muhammad (PBUH) used to perform Tawaf with the men?' I said, 'Was this before decreeing the use of the veil or after it?' 'Ata took an oath and said, I saw it after the order of veil.' I said, 'How did they mix with men?' Ata said, 'The women never mixed with the men and Aishah (R.A) used to perform Tawaf separately and never mixed with the men. (Once it happened that Aishah was perforimng the Tawaf and a woman said to her, 'O mother of believers! Let us touch the black stone.' 'Aishah said to her, 'Go yourself,' and she herself refused to do so. The wives of the Prophet Muhammad (PBUH) used to come out at night, in disguise and used to perform Tawaf with the men. But whenever they intended to enter the Kabah, they would stay outside till the men had gone out. I and Ubaid bin 'Umair used to visit 'Aishah while she was residing at Jauf Thabir." I asked, "What was her veil?" 'Ata said, "She was wearing an old Turkish veil, and that was the only thing (veil) which was a screen between us and her. I saw a pink cover on her."

From above narrations it is clear that Muslim women can go out of their homes for their needs and can engage in social or business activities but they are supposed to cover themselves modestly and wear hijab and must not adorn themselves for men to see.

Education

Urwa ibn Zubair (R.A) talks about the knowledge of Hazrat Aisha (R.A) in these words: "I have not seen anyone (man or woman) who has more scholarly knowledge of the Quran, the obligatory duties, what is lawful and what is unlawful(halal and haram), poetry and literature, and the history of Arabs and their genealogy, than Aishah". [54]

Musa Ibn Talha says that he never saw anyone more fluent and eloquent in the Arabic language than Aishah (R.A). She has much information about medical and great interest with poetry and literature, people were surprised on her knowledge but Ibn abi Mulaika said that don't be surprised on her knowledge of poetry because she is

daughter of Hazrat Abu Bakr (R.A) who was also expert in this field but from where she learnt about the medical? She replied that whenever Prophet Muhammad (PBUH) feels illness the delegations come from abroad and when suggest any medication she memorized it. [55] Hazrat Umm Salamah (R.A)[56] was the great jurist of her time and she had a maid named Umm ul Hasan who was much talented and had great talents of God gifted. She was preaching and giving dawah of Islam on regular basis. [57]

Women and Jihad

In Islamic society Jihad is not obligatory on women but in case of need she can go in battlefield look after the injured, can provide food, water and other things to them which were needed. [58] Jihad comes under social entrepreneurship because the main objective of social entrepreneurship is to give facilities and work for the betterment of society. Muslim women took part in jihad, provided water and gave services to injured as they had knowledge about the medical field so they worked for the betterment of the society.

In the battle of Uhad Hazrat Ayesha (R.A) and Umm e Saleem (R.A) quickly laid down the water bags on their backs and give it to the Muslims. Hazrat Fatima (R.A) was washing Prophet's wound. She burns the mat and fills his sore with its ashes to stop bleeding. [59]

عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ، قَالَتْ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم نَسْقِي، وَنُدَاوِي الْجَرْحَى، وَنَرُدُّ الْقَتْلَى إِلَى الْمَدِينَةِ. [60]

Ar-Rubayyi 'bint Mu'auwidh narrated that in battle of Uhad we have duty to give water to the people, bandaged the injured and those who were killed their dead bodies were brought to Medina.

It was reported from Anas, who said: "The messenger of Allah used to take Umm Sulaim and few other women from the Ansar on expeditions. They would supply water and looked after the injured." [61]

قَالَ ثَعْلَبَةُ بْنُ أَبِي مَالِكٍ إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضى الله عنه. قَسَمَ مُرُوطًا بَيْنَ نِسَاءٍ مِنْ نِسَاءِ الْمَدِينَةِ، فَبَقِيَ مِرْطٌ جَيِّدٌ فَقَالَ لَهُ بَعْضُ مَنْ عِنْدَهُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَعْطِ هَذَا ابْنَةَ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم الَّتِي عِنْدَكَ. يُرِيدُونَ أُمَّ كُلْثُومٍ بِنْتَ عَلِيٍّ. فَقَالَ عُمَرُ أُمُّ سَلِيطٍ أَحَقُّ. وَأُمُّ سَلِيطٍ مِنْ نِسَاءِ الأَنْصَارِ، مِمَّنْ بَايَعَ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم. قَالَ عُمَرُ فَإِنَّهَا كَانَتْ تَزْفِرُ لَنَا الْقِرَبَ يَوْمَ أُحُدٍ. [62]

Narrated Tha'laba bin Abi Malik: 'Umar bin Al-Khattabiii ; distributed woolen clothes amongst some women of Al Madina, and a nice woollen garment remained. Some of those who were sitting

> *with him said, "0 chief of the believers! Give it to the daughter of Allah's Messenger who is with you," and by that, they meant Umm Kulthüm, the daughter of 'Ali. 'Umar said, "Umm Salit has got more right than she." Umm Salit was amongst those Ansart women who had given the Baia (pledge) to Allah's Messenger . 'Umar added, "She (Umm Salit) used to carry the filled water skins for us on the day (of the battle) of Uhud ."*

Through all these Ahadith we come to know that in battlefield Muslim women performed such services which are given bellow:

- Look after the wounded
- Bandaged the wounded
- Made arrangements for wounded and sick people to reach at safe places
- Handled the dead bodies.

For looking after the sick and wounded people women were considered most suitable due to their polite nature and in these matters they have more interest than men.

So non prohibition in Islam for women to work for a livelihood gives space to such Muslim women. Thus they can engage themselves in entrepreneurial activities to earn a respectable livelihood for themselves. There are also such women living in society who are not blessed with children or they have passed their marriageable age and did not marry. Such women do not have much responsibilities at home, therefore they can contribute their time and potential for the betterment of society by engaging in social entrepreneurship. Such women also do not have male supporters in their families and they need to earn their livelihoods and thus resort to business entrepreneurship. They have enough time to engage in social work, entrepreneurial activities or earing through jobs and thus become productive part of society. Islam also gives Muslim women rights to acquire property or business in her name by way of inheritance through her father, husband and brother. This clearly shows that Islam does not put any restriction on women to own a business enterprise or property.

Conclusion

The term "entrepreneur" was first used in 1723[63]. The concept of entrepreneurship is used for making something which is new and to use such kind of new ways which produce something that already exists. Entrepreneur is a person who accepts modernization and fully transforms the modernization into the economic field. A number of scholars describe the concept of entrepreneurship in the sense of innovation

and risk bearing tasks and taking risk is directly linked with the Islamic point of view in doing business.

Islam emphasizes on equality of men and women, Quran always addresses both men and women equally and this is clear proof that there is no discrimination. This has been evident through the verses quoted above. Within Islamic framework there are some priority roles assigned to men and women. Men are expected to be a bread winner of the family thus the obligation of earning money and giving provisions to family is rest on men's shoulder whereas on the other hand Muslim women are expected to look after the internal domain of the house and looking after the children. This is simply a division of work load in an Islamic setup. However, there are segments of women in a society who are not married or widowed or divorced who have to earn a living for themselves or their children willingly or unwillingly. They can engage themselves in entrepreneurial activities to earn a respectable livelihood for themselves.

There are also such women living in society who are unable to bear children due to biological reasoning such women have not much engagement at home and they have enough time to engage in social work, entrepreneurial activities or earning through jobs and thus become productive part of society. Islam also gives Muslim women to acquire property or business in her name by way of inheritance through her father, husband and brother. This clearly shows that Islam dose not put any restriction on women to own a business enterprise or property. Primary responsibility of women under Islamic Sharia is to take care of her home, husband and children. Islamic social set up does not allow her to neglect her primary responsibilities and engage in activities outside her home.

We also come to know through examples from Islamic history that there is no restriction regarding the normal economic affairs but a woman must observe certain limitations. It is obligatory on her that during that time when she is from outside home she must wear hijab. Within the limitations which are prescribed by Sharia for women, they can start and continue their entrepreneurial activities. There are so many examples of women entrepreneurs from Islamic history. The incidence of Jabir's aunt was divorced and she was in period of iddat and Prophet Muhammad (PBUH) give permission in these words: "O women, You have been allowed by Allah to go out for your needs."[64] Similarly Hazrat Abu Bakr's daughter Hazrat Asma (R.A) discusses her early time when she was married with Hazrat Zubair (R.A). Once she was coming by holding the seeds of dates over her head. Similarly women of Medina used to engage in agricultural work.[65]

Urwa ibn Zubair (R.A) talks about the knowledge of Hazrat Aisha (R.A) in these

words: "I have not seen anyone (man or woman) who has more scholarly knowledge of the Quran, the obligatory duties, what is lawful and what is unlawful(halal and haram), poetry and literature, and the history of Arabs and their genealogy, than Aishah". [66] This clearly speaks of how liberated were Muslim women of that era. Hazrat Asma was known for her knowledge and she was educated by Aisha (R.A)[67]

This can be done by exploring these exemplary figures through a study of hadith literature and Islamic history. It is observed that religion has always played a vital role in shaping the lives, thinking and attitude of people living in a society. It is a powerful force through which people living in a society can be motivated to adopt higher social norms and good ethical standards. It also helps in regularizing laws for a harmonious living.

Mind set of the society is a result of various factors. Religion, education, media, economic conditions and laws. There might be many more factors adding to the mindset of a community but understanding of religion and shaping one's life in accordance with it has been an overriding factor in Pakistani society. This calls for a correct and positive understanding of Islam in Pakistani society and knowing Islamic history fully well. This draws a strong connection between and a nexus between Religion and Society.

Islam gives equal rights to both men and women and there is no discrimination between them. Islam give women's rights that they can earn money for the betterment of family as well as for society. In Islamic history there are so many examples that show women's involvement in social and business entrepreneurial activities. Many Sahabiyat took part in different field and fulfilled their needs. Hazrat Khadija (R.A) was the successful business woman and it shows that women can engage in economic or other regarding activities within the prescribed limitations by Islam. Holy Quran talks about many times that men and women both are equal and a supporter of each other so there is no discrimination between them.

Islamic society is full of those examples in which women took part in different fields, like commerce, Education, Jihad etc. There are numerous verses of Holy Quran which are supportive towards equitable role of men and women in society. Although Islamic social norms place the primary role of livelihood on men's shoulders, it does not prohibit women from earning id they can manage both responsibilities well.

References

1- Peter Drucker. (1986). Innovation and entrepreneurship: Practice and principles, (New York: Harper & Row), p. 30.

2- Maruf Ullah, Taskeena binta Mahmud and FatemaYousuf. (2013). "Women entrepreneurship: Islamic Perspective." EJBM-Special Issue: Islamic Management and Business, 5(11), 44.

3- Al Quran, 4:124

4- Maruf Ullah, Taskeena binta Mahmud, and FatemaYousuf, "Women entrepreneurship: Islamic perspective," 45.

5- Al Quran, 4:32

6- Retrived July 10, 2016 from http://khasnsabeen6.blogspot.com/

7- Anis Ahmad. (1996). Women and Social Justice: An Islamic Paradigm, 1st ed edition, (Institute of Policy Studies, Pakistan.

8- Indeed, the Muslim men and Muslim women, the believing men and believing women, the obedient men and obedient women, the truthful men and truthful women, the patient men and patient women, the humble men and humble women, the charitable men and charitable women, the fasting men and fasting women, the men who guard their private parts and the women who do so, and the men who remember Allah often and the women who do so - for them Allah has prepared forgiveness and a great reward.

9- Maruf Ullah,Taskina Binta Mahmud and Fatima Yousaf. "Women Entrepreneurship: Islamic Perspective." p. 43.

10- Retrived December 29, 2016 from http://www.businessdictionary.com/definition/entrepreneurship.html#ixzz3xv9ci0nt

11- Retrived January 10, 2016 from http://dictionary.reference.com/browse/entrepreneurship

12- Peter Drucker is an Austrian born American Business consultant who laid philosophical foundations for Modern Business Corporation.

13- Maruf Ullah,Taskina Binta Mahmud and Fatima Yousaf. "Women

Entrpreneurship: Islamic Perspective." p. 44.

14- Richard Cantillon was an Irish-French economist. At his early age he become a successful banker and marchant.

15- Jean-Baptiste Say was a French economist and businessman. He had classically liberal views and argued in favor of competition, free trade, and lifting restraints on business.

16- Robert D Hisrich, Michael P Peters, and Dean A Shepherd, (2002). Entrepreneurship (New York, America: McGraw Hill, pp. 10-11.

17- Arthur Harrison Cole was born November 21, 1889 in Haverhill, MA. In 1933, he became Professor of Business Economics at Harvard Business School. In 1929, Arthur Cole was appointed financial supervisor of the International Scientific Committee on Price History. Funded by the Rockefeller Foundation, which supported the study of social and economic problems, the Committee researched commodity prices of leading European countries and the United States prior to 1861. He died November 10, 1974.

18- Anil Kumar, R Rahman., eds. (2009). Women Entrepreneurship. (New Delhi, India: Deep & Deep Publications PVT.LTD, p. 73.

19-Veerabhadrappa Havinal, Management and Entrepreneurship; pp. 106-107.

20- Stuart Crainer, and Des Dearlove. (2000). Generation entrepreneur: Shape today's business reality, create tomorrow's wealth, do your own thing, London: FT Press, p. 202.

21- Retrived July 18, 2017 from http://hatman2.blogspot.com/2009/02/social-entrepreneur.html.

22- J. Gregory Dees, The Meaning of Social Entrepreneurship, 4-5

23- Retrived May 28, 2017 from https://www.enotes.com/homework-help/what-business-entrepreneurship-72887.

24- Retrived March 16, 2017 from http://www.simplexpayroll.com/blog/2016/03/social-entrepreneurs-vs-business-entrepreneurs-the-similarities-and-differences/.

25- Faryal Salman, Mustaghis-ur-Rahman, (2008). Women Entrepreneurship and Women Enterprise Management in Karachi, Pakistan, Karachi: SZABIST, p. 42

26- Faryal Salman, Mustaghis-ur-Rahman, (2008). Women Entrepreneurship and Women Enterprise Management in Karachi, Pakistan, Karachi: SZABIST, p. 42

27- Ayesha Kalim, (n.d.) Women Entrepreneurship: Turning Challenges Into

Opportunities, Lahore: Innovative Educational Solutions, pp. 15-17
28- Al-Qur'an, 4: 124
29- Al Quran, 4:1
30- Al Quran, 49:13
31- Al Quran, 9:71
32- Al Quran, 33:35
33- Al-Quran, 4:32
34- Retrived June 16, 2017 from https://quran.com/4/32.
35- Afzal ur Rahman, (1986). Role of Muslim Women In Society, London, England: Seerah Foundation, p. 170.
36- Al Quran, 60:12
37- Afzal ur Rahman, Role of Muslim Women In Society, p. 158.
38- Al Quran, 28:22
39- Al Quran, 28:23
40- Al Quran, 28:24
41- Al Quran, 24:31
42- Al Quran, 24:30
43- Retrived May 23, 2017 from https://islamicbankers.files.wordpress.com/2015/09/ilm-mashaqqah-al-yaqin-1.pdf.
44- Al-Qur'an: 45:13.
45- Al-Qur'an, 31:20.
46- Abdul Malik Irfani, (n.d.) Islami Qanoon Key Kulyaat, Lahore, Pakistan: Qanooni Kutab Khana, pp. 44-45.
47- Al Quran, 28:22
48- Al Quran, 28:23
49- Al Quran, 28:24
50- Afzal ur Rahman, Role of Muslim Women In Society, p. 160.
51- Al Bukhari, Muhammad ibn ismaeel, The translation of the meaning of Sahih-al –Bukari, Vol. 7, Book of An-Nikah, Hadith number 5237, p. 110.
52- Abu Dawud, Sulaiman bin Ash'ath, (2008). English translation of Sunan abu Dawud, trans: Yasir Qadhi, vol 2,The rites of Hajj and Umrah, Hadith number 1833, Saudi Arabia, Darussalam, pp. 391-392.
53- Al Bukhari, Muhammad ibn ismaeel, The translation of the meaning of Sahih-al –

Bukari, Vol 2,The book of hajj ,Hadith number.1618, pp. 393-394

54- Afzal ur Rahman, Role of Muslim Women In Society, 56-57.

55- Abi Abdullah Muhammad bin Abdullah, (2009). Al Mustadrak, Trans: Shah Muhammad Chisti, vol 4, Pakistan: IdaraPeghamul Quran, p. 11.

56- Umm Salama was one of the most influential wives of Muhammad, recognized largely for recalling numerous Hadiths, or stories about Muhammad

57- Muhammad bin Sa'ad al Matufi, (n.d.). Tabqat ibn Sa'd, Trans. Abdullah al Emadi, vol 8, Karachi,Pakistan: Nafees Academy, p. 350.

58- Ibid, 106

59- Ibn al-Hajaj, Abul Hussain Muslim, (2007). The translation of Sahih Muslim ,Trans:Nasir ud din al Khattab ,Vol 5,Book of the two eid, Hadith number 4642, Saudi Arabia, Darussalam, p. 97.

60- Al Bukhari, Muhammad ibn ismaeel, The translation of the meaning of Sahih-al –Bukari, Vol 4, Book of Jihad, Hadith no 2882; p. 92.

61- Abu Dawud, Sulaiman bin Ash'ath ,English translation of Sunan Abu Dawud ,Vol 3,The Book of Jihad,Hadith number 2531; p. 222.

62- Al Bukhari, Muhammad ibn ismaeel, The translation of the meaning of Sahih-al –Bukari, vol 4,Book of Jihad, Hadith no 2881;p. 92.

63- http://www.sweethaven02.com/PDF_Lifelong/Entrepreneurship.pdf

64- Al Bukhari,Muhammad ibn ismaeel, The translation of the meaning of Sahih-al –Bukari,Trans:Muhammad Muhsin khan,Vol 7,Book ofAn-Nikah, Hadith number 5237 (Saudi Arabia,Darussalam,1997);110.

65- Bushra Jabeen, Islami Riyasat aur Khawateen,91

66- Afzal ur Rahman, Role of Muslim Women In Society, 56-57.

67. Afzalur Rahman, Role of Muslim Women In Society , 57

OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
mei.aiou.edu.pk
iri.aiou.edu.pk

Impediments in Translating the Qur'an and Guiding Principles for Translation

* ***Shahid ur Rehman Marth***
Ph. D Scholar, Faculty of Arabic & Islamic Studies, AIOU, Islamabad
** ***Dr. Abdul Hameed Khan Abbasi***
Professor/Chairman, Department of Quran & Tafseer, AIOU, Islamabad

Abstract

English is an international language. Many attempts have been made to translate the Qur'ān in English by Muslim and non Muslim scholars with different objectives. However, whatever their objectives are but it is not amiss to call that the translation should be accurate and precise with possible human effort. While, Qur'ān is not an ordinary book; it is the very word of Almighty Allah. Among all great works the Qur'ān is the least translatable and Arabic is not at all easy to translate into a language which is so widely and radically different from Arabic in its structure and genus. The difficulty increases many times for an English translator due to the Qur'ānic ijaz, its inimitable ellipticsm, miraculous elegance, grandiose cadence, so rich in meaning, so pithy in expressions, so vigorous in style and language, and so subtle in implications. Therefore, the nature of the problems is multidimensional which includes inimitability due to the Ijaz of the Qur'ān, difference between the languages and culture, need of bridging materials, prejudice and paucity of the awareness of the sciences of the Qur'ān. To overcome these impediments, translation of the Qur'ān needs some special attention, sound knowledge of the sciences of the Qur'ān, deep awareness of the art of translation and skillfulness of both the languages. This article illustrates impediments and problems while translating the Qur'ān and provides all necessary techniques, requirements, tools and guiding principles as the remedies of these problems for translators.

Key words: Impediments, Translation of the Qur'ān, Guiding principles.

Introduction

The Holy Qur'ān is the holy book of Almighty Allah which is preserved in this way that this is the only heavenly book in this universe whose all words, phrases, and verses are the word of Allah.

Allah says:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ[1]

"Lo! We, even We, reveal the reminder, and lo We verily are its guardian."

The Qur'ān is not an ordinary book, the Qur'ān, the last of the previous books, the final, comprehensive, universal and authoritative summary of the teachings of Allah. Angel Gabriel is the Agency who was sent to Muhammad by Allah's permission and order. As for as the Articles of the Qur'ān are concerned, the rules governing the specifications, parables and stories, are essential for education and guidance of a human being

The Qur'ān contains the foundations for an entire system of life, covering a whole spectrum of topics, which range from specific articles of faith and commandments to general moral teachings, rights and obligations, crimes and punishment, personal and public law, and a host of other private and social concerns. These topics are discussed in a variety of ways, such as direct stipulations, reminder of Allah's favour on his creation, admonitions and rebukes. Stories of past communities are narrated, followed by the lessons to be learned from their actions and subsequent fates.

The translations of the Qur'ān have been significant and positive contributions to humanity. For many centuries, a lot of people through out the world have introduced the message of the Qur'ān to the mankind through their translations. English is an international, dominant and the language of the science and so many people of the world, Muslims and non Muslims are learning the message of the Qur'ān through its translations.

Hence, along the reviews of the prevailed translations, there should be a serious need of the study and effort to know the science of translation, its nature, problems of the translator, limitations and guiding principles for the translation.

When the art of translation came into being, it is mystery still. No body knows when did this trend and custom start? Because, translation depends upon the necessaity of human being. Whenever he needed, he started. Necessity started when two or more human beings interacted.

The variety of colours and languages has been described as blessings of Allah

in the holy Qur'ān:

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِينَ[2]

"*And of His signs is the creation of the heavens and the earth, and the difference of your languages and colours. Lo! Herein indeed are portents for men of knowledge.*"

As Adam's progeny spread around the earth, different languages were developed. The need for communication across theses languages and the need to benefit from the books and texts written in different languages by a greater segment of mankind have led humanity to the art of translation. Thus, translation is the one of the oldest human practices in its written and oral forms as well. Here, first of all the meanings of the translation should be crystal clear. ´Abdul Mājid Daryābādī mentions his view in his translation:

"To mould the views of any author in one's language in such a way that there would be seemed no difference in translation and the original one"[3]

Translation is essential for making communication possible between people of different cultures. Translation has been considered an artistic endeavor, or a scientific study, a technical craft, a branch of linguistics, or a branch of literature.

The case with the translation of the qur'ān

Its mean that translator tries his best to change the author's view in his language. This definition can be applied on all types of books but not on the book whose author is Allah Almighty Himself. As Allah is great, same is the case with His last heavenly sent book; The Holy Qur'ān, due to its unique style, miraculous literary and figurate chic.

Allah says in his Qur'ān:

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ[4]

"*And if ye are in doubt concerning that which We revealed unto our slave (Muhammad), then produce a surah of the like thereof, and call your witnesses beside Allah if ye are truthful.*"

We never meant that translation of the Qur'ān is not legitimate. It is not only lawful but indispensable and mandatory to translate in all other languages. But to translate the Qur'ān is not a child's play. Many problems might be faced by translator to translate the Qur'ān in English.

As ´Abdul Mājid Daryābādī says:

"In beginning I thought that there were many translations

before me like Pickthall's and Yusuf 'Alī's but when I started my work then I felt it was not an easy task"[5]

Apparently it is very easy to translate the Qur'ān and many people think it a pastime job. In fact, it is a bed of thrones and translator has to opt and select the words very carefully because translation is the name of expressing author's view in one's own language.

The difficulties and problems while translating the Qur'ān increase hundred times due to the nature of the text of the Qur'ān due to its unique features and qualities which are necessary to narrate earlier than describing the problems so we shall be able to comprehend the topic fully.

Research Question and Literature Review

What types of the impediments while translating the Qur'ān are there and to how much extent it is an easy task to translate the Qur'ān. When we take bird's eye view of the literature available on this topic then a wide range is available from the early to the latest. Translation and Tafseer go side by side so Al Itqan Fi Uloom el Qur'ān describes all basic areas of study which are necessary for translation and tafseer. Translations of M. M. Pickthal, Abdullah Yousaf Ali and Daryabdi also describe the nature of the impediments and the remedies to overcome the problems. This research illustrates the impediments and gives the guiding principles for translating the Qur'ān.

The Qur'ān Is Not an Ordinary Book; A Miracle

The Qur'ān is not an ordinary book. It is the book of Allah Almighty which is inimitable and matchless in its style, rhyme and particularly its valuable and comprehensive meaning have no comparison in the world and this is the miracle of the holy prophet also. It is the unique masterpiece of the Arabic language and literature we can think its literary altitudes that disbelievers could not produce a single verse against the challenge of the holy Qur'ān e.g., making and bringing a single verse identical in style and meaning with the Qur'ān. Inspite of being ethnical Arabs; they could not do so.

Variety, Vastness and Cranium of All Studies

As for as the essays and the subjects of the Qur'ān are concerned; it has variety of subjects and vastness of explanation the intellectual capacity of which, is not as easy as to be understood by everyone. For instance, it has the stories of the previous prophets and their people; this is the study subject of histology, chronology and

anthropology. It tells how did the prophets lead their subject to the right path and administered them; it is the part of law, constitution, jurisprudence and law of inheritances. Moreover, it informs mankind about the oneness of Allah, reality of angels and concept of believing divine unseen things e.g. paradise (Jannat), Hell (Jhanunm), the Day of Judgment and angels etc. This knowledge is the integral part of mythology, ethnology and metaphysics.

Miracle of Literature

It is the teaching of Allah which has a unparalleled and marvelous style, which may astonish at the people who know the pros and cons of the Arabic language and literature. It has old and nice proverbs, idiomatic phrases, symbols and ancient examples; which belongs to the study of literature, phonology, dictionary and art of expressing views in brief but comprehensive rich literary style.

Hence it is necessary and perquisite for a translator of the Qur'ān to know all above said arts, techniques and acquaintances and he must know the way inwhich the Qur'ān addresses so that he may comprehend himself first and then make it understandable to others otherwise he may go the wrong path and mislead the others as well.

Hājī fakhrī says in this context:

> *"A translator ought to be expert in language in which he wants to translate the Qur'ān to know each and every style and shade of that language so that, he can opt an alternate shade or style where he needs."* [6]

Alan Jones says about the style and translation of the Quran:

> *"The views on the style of the Qur'ān that develops with in the Muslim community came to center on what was seen at its uniqueness and inimitability (ijaz). This is an important doctrinal area, frightens Muslims which largely lies beyond the scope of this translation –though it should be noted that it is the basis of very traditional view that the Qur'ān can not be translated. The developments of these views limited the extent of the analysis of the stylistic and linguistic context of the Qur'ān".* [7]

Famous scholar Ibn e Athir has appropriately summarized the vastness and the beauty of the expressions of the Qur'ān in the following words:

> *"If we begin to investigate into the wisdom and secret of the eloquence of the noble Qur'ān we sail into a deep ocean that has no escape from it".* [8]

The Qur'ān is the oldest and the most unique book of the Arabic language. All

schools of Muslim thought throughout the ages have been agreed upon the acceptance and veneration of its revealed Arabic text. It is the most famous masterpiece of the Arabic language and a classic for all the times.

> “The eloquence and beauty of the Qur’ān is so great that it is considered to be the ultimate authority and reference work for the Arabic rhetoric, grammar and syntax, even by non Muslim Arabs”. [9]

The Qur’ān is fountainhead of the numerous of the Arabic literature and its decisive influence over the origin and development of Arabic literature is limitless. The Qur’ānic text has been and remains the standard of excellence in literary Arabic and its authority continues to be decisive for many linguistic disputes. Throughout the course of fourteen centuries, this standard of excellence has never permitted any deviation in literary Arabic at any time. As a result of this unique consistency, Arabic literature has been closely associated with the Qur’ānic standards. So, in this scenario one can imagine to how much extent the work of translation is difficult and translator faces a lot of problems and impediments despite of his scholarship and knowledge.

IMPEDIMENTS

INIMITABLITY

´Abdul Mājid Daryābādī said in this context:

> *“Off all great works the holy Qur’ān is perhaps the least translatable. Arabic is not alt all easy to translate into a language so widely and radically differing from it in structure and genius as English, unless it be with the aid of loose periphrasis and lax paraphrase. Even so the fire of the original is quenched, it is vivacious perspicuity is lost and the so called literal translation looks rugged and dreary. That the language of the Arabs abounds in nuances and both the noun and the verb are extremely flexible is a fact well known to every student of the tongue.”* [10]

The difficulty is increased hundred fold when one has to render into English, with any degree of accuracy and precision, a work so rich in meaning, so pithy in expression, so vigorous in style and so subtle in implications as the holy Qur’ān. To reproduce even partially its exotic beauty, wonderful grandiose and magical vivacity without sacrificing the requirements of the English idiom and usage, is the despair of the translator and an ideal impossible of attainment. The result is that every fresh attempt at translating the holy writ brings home, in varying degrees, the truth of the old saying that nothing is so unlike an original as its copy.

On these difficulties and genuine problem of translation, it is impossible to translate the Qur'ān in same harmony, style and literature because it is revealed by Allah Almighty who is the creator of all languages. This paucity can be shown in all translations of the Qur'ān.

Different shades of the meaning

The Arabic language is an extremely rich and powerful language. As a result, we simply can not convey all of the different shades of the meanings and all the fine and subtle differences in the meaning that are conveyed in Arabic in other language.

For example, word Allah can not be translated in any language. Allama Muhammad Asad translates it as God and many others left it the same. Word Ahad (one which can not be divided) has no brief word. Moreover, the Qur'ān uses same word in different shades of the meaning. Here translator is worried to translate. He has to comment or explain in foot notes. Inspite of the problems it is very necessary to translate the Qur'ān in other languages.

Miss Somayiah Berrigan says:

> *"Obviously those people whose language is not Arabic, at first refer to the holy book in English, because this is an international language and it is possible for all nations with any native language, to read and understand it in English. As for as we know there are more than 50 different English translations of Qur'ān available in Iran."* [11]

Arabic is the richest language

Translators can not translate precise and up to the mark because English language is deprived of that comprehensive vocabulary as compare to the Arabic language.

"In the course of translation, some difficulties arise from various causes. For instance, culture in Arabic language and English language are different so that some of the words are nearly impossible to translate into English or the meaning of some words like prostration in English is rather different with what *Sajdah* exactly means in Arabic". [12]

Lack of the awareness of the sciences of the qur'ān

Some translators do not know the guiding principles of translating and explaining the Qur'ān and different types of knowledge derived from the Qur'ān, abrogation of verses, types of verses and fundamentals of both the languages. This venture needed not only the knowledge and ability in the English language, but also

the knowledge of Arabic, Islamic science and culture. The editor comments more:

> *"Then, it needs that those invoked, know a little bit, at least, about almost all sciences and knowledge that human beings are concerned with when working with commentary. Also the phonetic sound system of the two languages; English and Arabic are different".* [13]

Braveity can not be maintained

Translators want to be brief but they can not do so. They have to explain a single word sometimes, by a paragraph in footnote. It can not be avoided. It is impossible for the translators to convey the same sense, beauty and originality of the style of Qur'ān, which fascinated the Arabs while reading or hearing.

Immaturety in arabic language

Some translators, especially orientalists are not expert in Arabic language, style and literature and have less knowledge about their civilization. Resultantly, they portray a fogy picture of Islam or miss deliberately the word in which they are not clear in meaning.

Sectarianism, pre emption and prejudicism

Many translators are pre decided and pre captured with some mission, a big problem comes up for them. They can not produce perfect and precise translation. The antagonistic minds have done the worst possible work in which their purpose is to blacklist the holy prophet and the religion of Islam, through their purposeful translations, mis- interpretations, mis-representations with distortion of the facts. The distortion and the mis-interpretations are so strongly plastered with such attractive linguistic emblem and the delusive logic to trap ordinary people. Sectarianism is also a problem for a translator. He hardly decides to agree or disagree with ancient commentators. Resultantly he gives new thought which is for from the fundamentals of Islam.

Unawareness of basic refrences

some times unawareness or unavailability of the basic and primary sources lead the translator failure in producing good quality translation.

Even for native Arabic speakers, the Qur'ān is a difficult document. Its archaic language and verse structure are difficult hurdles to cross. The fact that translators and theologians have, over time, lost much of the Judeo-Christian cultural references rife in the Qur'ān is just one more impediment.

Khaleel Mūhmūd says:

> *"The urge among many translators—especially now that many*

adhere to the religion itself—is to produce a functional and relatively accurate English rendition. Many of these believers fail to take an academic approach to the history and the Judeo-Christian references in Islam's main document. Polished English prose should not substitute for poor scholarship. In addition, sectarian differences within Islam have undercut any Muslim consensus on a translated version. Increasingly, it looks like the quest for the perfect rendition will be endless". [14]

About the rhyme and rhetorical aspect of the´Abdul Mājid Daryābādī writes in the preface of his translation:

"The biggest problem for this and any other translation of the Qur'an is that the text was originally intended to be recited aloud and is highly rhetorical in nature. Recitation frequently gives the text a dimension that does not come across in silent reading, showing up lines of thoughts that do not stand out clearly when one is perusing the text. Translators usually tackle this problem by adding to their translation bridging phrases that they normally draw from the numerous, and lengthy, commentaries on the Qur'ān that have been written over the centuries in Arabic. If they do not, they run the risk of being incomprehensible, however accomplished the actual translation. This is shown very clearly by Arberry's the Kor'an interpreted. The translation is very good, interpretation, despite the title. The result is that there are numerous places where Arberry's translation, though technically correct, is almost impossible to follow unless one knows the Arabic well: and if one can not follow the translation one can not understand it." [15]

Those who speak more than one language realize that verbatim translation is not successful in imparting the understanding of a text, because the grammar and syntax of every language is different, and each has its specific procedure and methodology of speech, in addition, we often find that there is no exact equivalent between the words of one language and the words of another. This fact leads the translator to believe that non equivalence in translation among the different languages is an expected linguistic phenomenon. The lack of equivalence among languages at lexical, textual, grammatical, or pragmatic level is a common fact and a problem that is always encountered by translators.

An expert says in this scenario:

"At the heart of translation lies the problem of meaning. Every human language has ad hoc linguistic mechanism to express a meaning and to change the meaning not only through the change of words but also through change of word order. There may be cases where

meanings may overlap between some languages but these meanings can not be totally equivalent. Therefore, all translations represent varying degrees of paraphrasing because the meaning of words and text depends so largely on the corresponding cultures." [16]

Hussain Abdul-Raof explains linguistic aspect in this way:

"Languages differ considerably from each other syntactically, semantically and pragmatically. The intrinsic syntactic, semantic and pragmatic differences in languages lead to cases of both non equivalence and untranslatability between languages; the translators are, therefore, shackled by these limitations. The translators however, have to free themselves of these shackles in order to achieve an acceptable, informative, and effective translation by observing the target language linguistic and cultural norms. Thus, the reality is that the source text suffers structural changes which are inevitable in any process of translation." [17]

As for as limitations and impediments are concerned, translator has to restrict himself to many limitations due to the paucity of richness of the target language and in the case of Arabic to English it has become more difficult to translate the Quran in front of its inimitable ellipticsm, miraculous elegance, grandiose cadence, emotive and evocative force.

´Abdul Mājid Daryābādī [18] summed up these limitations and impediments in his preface of translation of the Qur'ān under six main points and various sub headings. Some other impediments and problems are as under:

1- Translator feels the comparative poverty and paucity of richness of the English language at many places.

There is a large number of Arabic verbs untranslatable into English as verbs such as

آخرون۔ صادقون، شاکرون، متقون، مشرکون، مستاخرون، مستاخرون، مستقدمون، قانتون، معجزون، مفلحون

And one has perforce to render of each word not by a single word but by a combination of words.

The Arabic مضارع (Aorist) is both present and future tenses combined therefore no equivalent in any language of the world.

In English grammar there are only two numbers singular and plural while and there is no single word to convey the sense of the Arabic dual تثنیہ in nouns and verbs as well, both in the second and third persons.

There is comparative dearth of اسماءالفاعل(nomina agentis) in English language,

whereas they abound in Arabic.

and many similar words have to be rendered as adjectives or participles, not as substantives. In Arabic the feminine plural in the second and third person is always distinguishable from the masculine. In English both genders are covered by you and them. (Alan Jones while translating the Qur'ān indicates this difference by writing small s (singular) an p (plural) above second or third person similarly the same style exercised in the case of feminine and masculine.

The translation of word س (seen) andسوف (soufa) and the mild difference between them is very difficult to translate.

2- Repetition of synonyms for the sake of emphasis is of frequent occurrence in Qur'ān. This is the literary merit and beauty but there is no sanction in English language. Thus many such expressions as

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون, انا نحن نحی ونمیت, انا نحن نحی الموتیٰ

Verily, we, we, we have revealed the admonition, have to remain only partly translated and deprived of the beauty of the text.

3- In the case of omission, the obvious duty of the translator to mention the omission, although his attempts in many cases must be hazardous. This is also the finest Arabic style and both words and phrase have to be supplied by the reader to make the sense complete.

4- Another perplexity is caused to the translator by the abrupt grammatical transition, in one and the same sentence frequent in Arabic

(a) Of person, as from the first and second person to the third, or vice versa

(b) Of number, from plural to singular, or vice versa.

5- A further complication is caused by what is known by انتشار ضمایر i.e., a personal or relative pronoun having different antecedents in one and the same sentence. The translator can not afford to allow such ambiguities; he has to make his choice.

6- English is not rich enough to indicate clearly the shades of the meanings of different sets of words

As to the genius of Arabic language it may not be amiss to recall a few observations made by a distinguished Arabist, Alfred Guillaume:

"Arabic is fitted to express relations with more conciseness than the Aryan languages because of the extraordinary flexibility of the verb and noun. Thus the ideas in break, shatter, try to break, cause to break, allow to be broken, break one another, ask some one to break, pretend to break, are among many variations of the

fundamental verbal theme which can, or could, be expressed by vowel changes and consonantal augments without the aid of the supplementary verbs and pronouns which we have to employ in English. the noun, too, has an appropriate form for many diverse things, such as the time and place of an action, bodily defects, diseases, instruments, colours, trades, and so on. One example must suffice. Let us take the root d-w-r which, in its simplest form, means to turn or revolve (intransitive)

Dawwara, to turn a thing round

Dawara, to walk about with some one

Adara, to make go round, and so to control.

Tadawwara, to be round in shape

Dawr, turning(noun)

Istadara

Dawwar, pedlar or vagrant.

Dawrah, one turning.

Dawran, circulation

Duwar, vertigo.

Madar, axis.

Dawwarah, mariner s compass.

Mudir, controller.

Mudarah, round water skin. none of these forms is fortuitous, but is predetermined by the structural genius of the Arabic language."[19]

"From the root KTB, write, we have kaTabna (we wrote), nakTubu, we will write or we write, kaTib a writer, kiTab a book, makTab a place of writing a school, mukTib ateacher of writing, takaTaba, they two corresponded with one another, takTib, I will ask him to write, wakta taba, and he got his name written down in the register, kuTTab , scriber, makaTabat, correspondence, etc."[20]

In addition to these inherent handicaps many other things are also matter which include

1- Ones own incompetence and low scholarship
2- Meager knowledge of Arabic and English
3- Ignorance of the sciences of the Quran
4- Passion for the mission
5- Lack of deep knowledge of Arabic Sarf o Nahav
6- Imitations of the translators like orientallists
7- Variations of the calibers of the translators.
8- The difference between Muslim translator and non Muslim

translator in the sense of comprehending and determining the meaning of a word and choice of the shade of the meaning.

9- An English translator can not help enlarging the translation of the verse, in many cases he has to omit few words in translation.

10- Nature of the sources in front of a translator in the form of exegesis and translation works and his extent to depend upon them. If he may get true and authentic exegesis while translating, he will perform better otherwise the case will be reverse.

11- Poor knowledge of pre Islamic literature

These all multi type of the problems can be minimized by acquiring the sound knowledge of different sciences of the Holy Qur'ān and taking care of some basic things which have been concluded as following.

Guiding priciples for transaltion

A pure, correct, accurate translation of the Qur'ān is necessary, because other than Arabs who, do not know about the Qur'ān. They have only one source of understanding the Qur'ān that is translation. If translator is honest and takes all measures and learns all knowledges; which we will describe in next pages, then it is the fortune of a reader that he would read what is right. On the other hand, if the translator is not well versed with Arabic or English moreover he has some missionary ambitions against Islam then it would be bad luck and tragedy of a reader that he would not be familiar with real Islam and the Qur'ān. Before describing the guiding principles, we have to tell that if someone wants to understand the Qur'ān then it is his own duty especially for Muslims, to get basic knowledge and read the Qur'ān directly and consult as many translations as he or she can to his or her own capacity.

"When the source text (i.e., the Qur'ān) is one and same, hypothetically speaking, there should not be much room for variations either between a particular translation and the original or between the different translations except for minor changes of no great importance. Yet it is found that there are significant and momentous differences, which cannot be accounted for without referring to the role of the translator, the problems of translation, the principles and procedures of translating and the issues of style. The suitable theory of translation in the light of which such a penetrative investigation can be conducted is to be chosen from among

the various theories of translation." [21]

In order to have more accurate and communicative translations, the translators need to meet many requirements. Riazi [22] explains that it is a conventionally understood that translators should meet three basic requirements

1. having the command of the source language
2. having a command of the target language
3. Expertise in the subject matter to perform their job successfully.

Many approaches and types of the theory of the translation are there to indicate and guide for the best and most appropriate way to translate anything in any other language. Now a day the role of text structure in translation seems so important that by adding it as abasic requirement for the translators, it can contribute and lead to higher quality translations. The available literature on text analysis can be generally divided into two groups.

Micro structure and Macro structure. Whereas micro structure belongs to a detailed linguistic analysis of texts in terms of lexis and syntax and macro structure relates to the analysis and description of the rhetorical organization of various texts. Text analysis is thus becoming a useful tool in performing more reliable translations. Talking about the role of text analysis Riazi's approach for the translators is that they should first t try to reconstruct the macro structure and rhetorical structure of the source text in the target language, and then look for the appropriate words and structure. This is a procedure and method that competent and skill full translators perform in the process of translation, consciously or unconsciously.

This concept of text analysis is very useful and relevant tool for understanding the Qur'ānic discourse and its translation. The theory of translation overall has had practical contributions to the translation of the Qur'ān that can be seen in many successful translations of the Qur'ān. Some basic qualifications are very important for the translators.

1. Faithfulness and objectivity

2. Well versed in Arabic and target (English) language. (a person with a rudimentary knowledge of Arabic and armed with a few dictionaries and lexicons, can not do justice to any translation).

3. Knowledge of Islam and Islamic sciences (sciences of the quran; Uloom ul Quran and sciences of Hadith; Uloom ul hadith to the level necessary for a translator

4. Having approach to the authentic Tafseer of the Qur'ān in order to properly understand the intent of the verses.

For example, a piece from verse (18:26)ابصربہواسمع

Utilizes a certain tense that signifies amazement and wonder. This tense was apparently not understood by George Sale even, who translated the verse as "Do thou make Him to see and to hear" Rod Well understood this as a command "look thou and hearken to him alone" whereas the Palmer missed the whole point and translated it as rather dreary, " He can see and hear." A more accurate translation of the verse is Pickthall s translation, "how clear of sight is He and keen of hearing."

5 -Well versed with the exact meaning of the Arabic words

6- Awareness of different shades of meaning

7- No confusion between Arabic words as Menezes mistakenly translated Abu Bakr as the father of the virgin and the word for virgin is bikr not bakr

8-Having the abiltity to deferiantiate Arabic from Hebrew or syriac.

These all qualifications belong to Muslims and Non Muslims. only Faithufullnes and objectivity is missed naturally among the non muslims translkations oftenly and rest of the qualifications belong to ones level of caliber and interest of seeking the rules of bothe the languages and the subject matter and different sciences. All these belong to ones own scholarship. The Holy Qu'rān is not an ordinary book. special measures should be taken while translating the Qu'rān. After studying and analyzing different Qu'rānic translations; Guiding and leading principles of translation the Qu'rān can be concluded as:

1-Proficency in both the languages

A translator must be fluent and well versed with the techniques, proverbs, literature, history, culture and civilization of both the languages. This deep study of both the societies helps the translator to know pros and cons of respective language. He can read between the lines and mould it easily in other language. In case of the Qur'ān after having despite of much proficiency, hercolious task to do justice with the translation of Qur'ān. But the problems and difficulties can be minimized by having skillfulness in both the languages.

Hajji Ahmed Fakhri says:

> *"A translator ought to be expert in language in which he wants to translate the Qu'rān to know each and every style and shadeof that language, sothat, he can opt an alternate shade or style where he needs*." [23]

2-Awareness of the sciences of the Qu'rān

Allama Jalal uddin Sioute has describes more than twenty areas of study known as Uloom el Qu'rān which includes context of the revelation (shan e nazool), abrogation (nasikh omansookh), Ijaz e Qu'rān, Gharaib Ul Qu'rān, pre islamic literature and many more.

On the other hand Shah Wali Ullahh describes in his book Alfauz ul kabir five knowledges derived and described in the Qu'rān, a translator should alsobe well versed with these five knowledges which are the basis of all other knowledges.those five type of knowledges are as under:

1- knowledge of commandments of Allah
2- knowledge of refuting disbelievers
3- knowledge of Allah's symbols and his glory. [24]
4- Knowledge of the past history (how Allah ruined the people and glorified some people)
5- Knowledge of the life here-after.

This attempt needed not only the knowledge and adroitness in the English language, but also the knowledge of Arabic language and Islamic culture. the phonetic sound system of the two languages; English and Arabic are different. It should also be studies deeply.

Study of the life of the holy prophet

The Qur'ān is revealed by Allah on the holy prophet Muhammad (saw) therefore a translator can not translate the Qur'ān until he knows the back ground and situation of that time and the life of the holy Prophet. Qur'ān was not revealed all at a time but with the passage of time. That is why it is prerequisite to know the life of the prophet. Moreover, Qur'ān is directly attached with the prophet. and the prophet used to determine the meaning of the verses because one Arabic word have different shades of the meaning. That meaning was authentic which Muhammad (SAW) prescribed and explained. The prophet's narrations and traditions are the basic source of determining the right meaning and explanation of any verse. For instance, Salawt, Zakat, Hajj, Sajdha and many more are the words which have more than one meaning. The prophet is the only source who tells the correct, precise and appropriate meaning of that word.

Beside this the lives of the companions of the prophet should also be gone through. Because companions of the prophets are the second source of determining the meaning of the verses after the holy prophet.

Qazi M. SulaYmān Salmān Mansūr Pūri says:

"Life of Muhammad is an open book. every man should think that the life of Muhammad is an example for him." [25]

Impartial and unprejudiced behaviour of the translator

If a translator has some orientation pre-decided and pre-planned, he can not translate correct. Because in different shades of the meaning, he can use, which helps his mission directly or indirectly?

Somayiah Berrigan Says:

"The hostile minds have done the worst possible work which is for them to black list the holy prophet and the religion of Islam, through their purposeful, subtle, mis-translations, mis- interpretations, mis-representations and distortation of the facts. the distortion and the mis-interpretations are so strongly plastered with such attractive linguistic colours and the delusive logic get caught in the falsehood tempered with eloquence and they swallow the sugar coated poisonous pills of deceit." [26]

Follow the unanimous and orthodox meaning and explanations

It is the era of sectarianism. Each and every man has his own sect and many translations are being launched to introduce every one's doctrine. In this anarchy it is necessary to obey and follow those meanings and explanations upon which our great clerics have had consensus and being followed by the majority of the Muslims in the world. If one translator turns aside this principle, then each and every translator has his own translation according to his will and sect.

Comparative studies of the religion

The holy Qu'rān refutes those things of other religions which are made by so called clerics not revealed; therefore it is essential for a translator to know about other major religions; their teachings, their sacred books and their history. This knowledge helps the translator about terminology of other religions, basic resources of them and current and past condition of the religions.

Conclusion and recommendations

Deep acquaintance of the science of the translation of the Qur'ān with basic tools and comprehension of impediments, awareness of style and linguistic qualities of the Qur'ān and Arabic language are pre-requisite for translator. Unless and until the familiarity of these sciences and basic knowledge, one translator can not illustrate and succeed in presenting a precise and accurate and intent meaning of the Qur'ān.

1- Besides these guiding principles, a translator should consult those translations which are acknowledged as accurate and precise in Islamic circles.

2- By following these principles, a translator can do a good job and produce the right

meaning of the Qur’ān.

3- This research paper is also helpful for the reader to judge the right translator and precise translation of the Qur’ān.

4- A review committee should be made in every country on the pattern of King fahd Qur’ān Complex Madinah, which may review all new translations of other languages and certify or rectify them.

5- The wok of translation should be done by more than one scholar because it is not the task of a single person thus it can be afe from more errors.

6- There should be at least three top level English translations in front of a person who is itended to write new English translation.

7- Translation of non Muslims must be reviewed by a special committee or competent Islamic academy and certify them after corrections if it woill be up to the mark otherwise it must be banned.

Refrences

1- Al-Hijir15:9

2- Ar-Rūm 30:22

3- Daryābādī, ′Abdul Mājid, English Translations of the Qur’ān, Saiyyara Digest, Qur’ān Number, Part.2, Vol.13, copy.6, 1969, Islamic publications Ltd. Shah alum Market Lahore, P.639

4 - Al-Baqarah 2:23

5- Fakhrī, Hājī, urdu translations, quarterly urdu magazine, Anjuman Taraqqe Urdu Dacan,Oct.1929, P.593

6- Fakhrī, Hājī, urdu translations, quarterly urdu magazine, Anjuman Taraqqe Urdu Dacan,Oct.1929, P.594

7- Alan Jones, The Qur’ān, introduction, The E.J.W Gibb Memorial Trust UK, 2015, P.15

8- Hasan Diauddin Itr. Al-Ahruf as-Sab’a wa Manaazil al Qira’at minha, Dārl al-Bashir al-islamiya, Beriut, 1988, P.200

9- Mahmood Ubaidat, Dirasaat fee uloom al - Qur’ān, Dār Amamr, Jordan, 1990, P.224

10- Daryābādī, ′Abdul Mājid, Tafsir ul Qur’ān, Darul Ishaat, Karachi, Vol.1, 2014,

P.7

11- Somayiah Berrigan, Introduction, The Light of the Holy Qur'ān, Amir-al-Momneen'Ali Library, Iran, Vol.1, PP.XI-XVI

12- Ibid., P. XVIII

13- Ibid., P. XV

14- Khaleel Mohammed, Assessing English Translations of the Qura'n, Middle East Quarterly, Spring 2005, PP. 58-71

15- Alan Jones, The Qur'ān, introduction, The E.J.W Gibb Memorial Trust UK, 2015,P.21

16- E.A. nida, Translating a text with a long and sensitive tradition, Rodopi, Amsterdam,1997, P.57

17- Hussain, Abdul-Raof, Qur'ān Translation Discourse, texture, ad exegesis, Curzon Press, U.K, 2001, P.9

18- Daryābādī, ´Abdul Mājid, Tafsir ul Qur'ān, Darul Ishaat, Karachi, Vol.1, 2014, P.8

19- Arnold and Guillaume, Legacy of Islam, Preface, Oxford university Press, UK, pp.VI-VII

20- The Encyclopedia Britannica, Cambridge ,11th Edition, Vol.II, P.192

21- Khaleel Mohammed, Assessing English Translations of the Qur'ān, Middle East Quarterly, Spring 2005, pp. 58-71

22- Riazi, Abdmehdi The invincible in Translation, The Role of Text Structure, paper presented at International conference in Language and translation at Bahrain University, 2002, P.13

23- Fakhri, Haji, urdu translations, quarterly urdu magazine, Anjuman Taraqqe Urdu Dacan,Oct.1929, PP.593-597

24- Shah Wali Ullah, Alfauz ul Kabir fe asool utafseer, Al Faisal Publisher, Lahore, 2000, pp.3-20

25- Mansūr Pūri, Qazi, M. SulaYmān Salmān Rehmat ul Lilalamin, Maktba Islamia Faislabad, P. 14,15

26- Somayiah Berrigan, Introduction, The Light of The Holy Qu'rān, Amir-al-Momneen Ali Library, Iran, Vol.1, P. XVIII

Research Journal

MA'AARIF -E-ISLAMI

Vol.16, Issue:2 (July 2017 - December 2017)

ISSN:1992-8556

Chief Patron

Shahid Siddiqui

Vice chancellor,
AIOU, Islamabad

Patron

Mohyuyddin Hashmi

Dean, Faculty of Arabic & Islamic
Studies, AIOU, Islamabad

Editor

Abdul Hameed Khan Abbasi

Chairman, Department of Quran & Tafseer, AIOU, Islamabad

Deputy Editors

Muhammad Sajjad

Associate Professer, Department Islamic Thought,
Seerah,AIOU, Islamabad

Muhammad Rafiq Sadiq

Lecturer, Department of Hadith &
AIOU, Islamabad

Zafar Iqbal

Lecturer, Department Quran & Tafseer,
AIOU, Islamabad

Tahira Ifraaq

Lecturer, Deartment of Shariah,
AIOU, Islamabad

Faculty of Arabic & Islamic Studies
Allama Iqbal Open University, Islamabad

Editorial Board

National	International
Qibla Ayaz, Chairman, Council of Islamic Ideology, Government of Pakistan	**Attaullah Siddiqui,** Markfield Institute of Higher Education, Ratby Lane, Markfield Leicestershire LE67 9SY (UK
Ali Asghar Chishti, Chairman, Deptt of Hadith & Seerah, AIOU, Islamabad	**Azzeddine Benzeghiba** Head of the Department of Studies, Publications and Foreign Affairs Dubai.
Miraj ul Islam Zia, Chairman, Deptt of Islamic Studies University of Peshawar. Peshwar	**Ashraf Abdul Rafay,** Rasail Al Nur Foundation For Education & Cultural Communication Centre for Islamic Economics Al-Azhar University, Egypt.
Muhammad Zia-ul-Haq, Director General, Islamic Research Institute, IIU, Islamabad **Noor Ahmed Shahtaz** Member Council of Islamic Ideology, Govt of Pakistan **Noor Ahmed Shahtaz** Member Council of Islamic Ideology, Govt of Pakistan	**Muhammad Saleh Syukri** Director Centre for Islamic Development Management Studies (ISDEV) University Sains Malaysia 11800 Pulau Pinang Malaysia **Muhammad Saud Alam Qasmi,** Chairman, Department of Sunni Theology, AMU Aligarh India.
Fazlullah, Associate Prof. Deptt of Arabic, IIU, Islamabad.	**Muhammad Saud Alam Qasmi,** Chairman, Department of Sunni Theology, AMU Aligarh India.
Ghulam Yousaf, Chairman, Deptt of Sharia, AIOU, Islamabad.	**Noor Muhammad Usmani,** Department of Qur'an and Sunnah Studies, IRKH, International Islamic University Malaysia,53100, Gombak, Malaysia.
Ghulam Yousaf, Chairman, Deptt of Sharia, AIOU, Islamabad.	**Khalid Mahmood Sheikh,** Consultant, IQRA, International Education, 7450 Skokie IIIionois, 60077, USA
Syed Azkia Hashimi, Chairman, Department of Islamic & Religious Studies, Hazara University, Mansehra.	**Mustansir Mir,** Professor, Deptt of Philosophy & Religious Studies, Youngstown state University, US
Shah Moeen-ud-Din Hashmi, Associate Prof, Deptt of Hadith & Seerah AIOU, Islamabad	**Abdulhamit BIRISIK,** Marmara University, Faculty of Theology Department of Tafsir and Qur'anic Sciences Uskudar, Istanbul-Turkey.
Abdul Ghaffar Bukhari, Professor/Chairman, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad.	**Misbaullah Abdul Baqi,** Associate Professor, Deptt of Islamic Studies, P/o Box 21777, Kabul, Afghanistan.

ADVISORY BOARD

National	International
Muhammad Al Ghazali, Professor, Islamic Research Institute, International Islamic University, Islamabad	**Zafar ul Islam Islahi,**Former Chairman, Department of Islamic, Aligarh Muslim University, Aligarh, India
Anis Ahmed, Vice Chancellor, Riphah International University, Islamabad	**Mahdi Zahraa,**Reader in Law, Economics, Accountancy and Risks, Glasgow, School for Business and Society, Glasgow Caledonian University, Glasgow G4 OBA, UK (Scotland)
Muhammad Saad Siddiqui.Director, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab Lahore	**Abdul Rasheed Moten,**Professor of Political Science, Centre for Siamization, International Islamic University, Malaysia.
Humayun Abbas Shms,Dean, Faculty of Arabic & Islamic Studies,GC University Faisalabad	**Abdul Ghaffar,**University of London UK
Abdul Ali Achakzai,Dean, Faculty of Education & Humanities, University of Balochistan, Quetta	**Muhammad Tantawy Jibrail ,**Faculty of Islamic Studies & Arabic (Female) Al Iskandria, Egypt
Abdullah Abid,Professor, Department of Islamic Studies & Arabic, Gomal University, Khyber Pakhtoonkhwa	**Abdullah Saeed,**Faculty of Arabic & Islamic Studies, Asia Institute, University of Melbourne, Victoria 3010, Australia.
Muhammad Arshad Qayyum,Ex- Principal, Govt. Degree College Ghazi, Haripur	**Hidayat Aydar,**Professor, Faculty Elahiyat, University of Istanbul, Turkey
Abdul Muhaimin,Incharge, Department of Islamic & Religious Studies, University of Haripur, Haripur	**Hafiz Abdulwaheed,**Director Abdul Haleem Quranic institute, America
Sami-ul-Haq,Ex- Chairman Department of Tafseer & Quranic Science, Faculty of Usooluddin IIU, Islamabad	**Shabir Ahmad,**Director Al-Tadhkeer Society, Australia

ASSISTANT EDITORS

Mr. Khursheed Ahmed Saeedi, Lecturer, Deptt., Comparative Religions ,IIU, Islamabad.
Mr. Muhammad Tayyab, Lecturer, Govt, Boys Post Graduate College, Bagh, AK
Mr. Muhammad Imran Khan, Lecturer/Ph.D Scholar, Deptt., Quran & Tafseer , AIOU, Islamabad
Mr. Ehtasham ul Haq, Lecturer/M.Phil Scholar, Deptt., Quran & Tafseer AIOU, Islamabad
Mr. Ataullah ,Lecturer /M.Phil Research Scholar, Islamic Studies, AIOU, Islamabad
Mr. Muhammad Latif, SS/Ph.D Research Scholar, Deptt., Quran & Tafseer , AIOU, Islamabad
Mr. Dilwar Khan, Advocate High Court, Islamabad
Mr. Muhammad Yousaf, Ph.D Research Scholar, Islamic Studies, AIOU, Islamabad
Mr. Mahboob ul Rahman,M.Phil Research Scholar, Islamic Studies, AIOU, Islamabad
Mr. Irfan Qaisar, M.Phil Research Scholar, Deptt., Quran & Tafseer, AIOU, Islamabad

INSTRUCTIONS FOR AUTHORS

Research articles submitted for publishing in MEI are subject to initial editorial screening, double blind peer review by at least two experts of the relevant field and further editorial review.

- Article must not only be the unpublished original research work but also should not be under consideration for publication in any other means of publication at the same time.
- It must not contain anything which is contradictory to basic Islamic principles.
- Article must be composed on one side of A4 size paper, in correct language and free from spelling/grammatical mistakes.
- Verses of the Holy *Quran* and *Ahadees* must be mentioned accurately and with authenticity.
- Research articles submitted for publishing must not be of more than 20 pages.
- Articles must be written in Urdu/ English /Arabic.
- Submission must be in accordance with the rules of Research methodology.
- Submission should be a significant contribution to new or existing knowledge.
- Title of the research article should be new, precise and relevant to the field of Islamic social sciences, law, history, culture, economics and humanities in Islamic perspectives.
- Author should provide one hard and one soft copy via email (maarifeislami@aiou.edu.pk) as attachment in MS Word format with *Alvi Nastaleeeq* font for Urdu and *Muhammadi* Quranic Font for Arabic.
- Each article must be submitted with an abstract of approximately 200 words in English language.
- References must be in accordance with Chicago manual of style and given at the end of the article.(for details and examples access the given link: http://www.chicagomanualofstyle.org).
- For internet or web references author must provide complete URL.
- Research article should contain title, Abstract, keyword, introduction, discussion, conclusion, findings, recommendations and references.
- Standard Transliteration must be followed for Urdu/Arabic words in English articles.

Research Journal

MA'AARIF -E-ISLAMI

Abdul Hameed Khan Abbasi
Editor/Chairman, Department of Quran & Tafseer, Faculty of Arabic & Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, H-8, Islamabad
E-mail: *maarifeislami@aiou.edu.pk* Tel:051-9250166– 9057870
Subscription Yearly: Rs. 350/- Single Copy: Rs.100/-
Composing & Designing: **Irfan Qaisar, Muhammad Yousaf**

Table of contents

Urdu Articles

Muhammad Najeeb Dr. Muhammad Sajjad	Concept of Quranic '*Fauzu o Falah*' in the light of contemporary *tafaseers*	1
Dr. Muhammad Shobaz manj Saima Shobaz manj	Critical analysis of Orientalist on *Sources of Quran*	27
Dr. Saleem Ur Rehman Dr. Muhammad Riaz Khan Alazhari	Critical analysis of Orientalist on *nasakh*	47
Hafiz Muhammad Arshad Iqbal	An Islamic Concept of "Atonement" In Social Relation (An Analytical Study of Jurisprudents Opinions)	71
Hafiz Shukat Ali Dr. Mohyuyddin Hashmi	Right of Patient and Protection of His Privacy: Islamic Rulings & Teachings	97
Noor Ahmad Khan Dohdi Dr. Ali Asghar Chishti	Introduction of Banking, Need and Importance of Islamic Banking and Its Future in Pakistan	117

Arabic Articles

Dr. Ahmad Raza Hafiz Muhammmad Ameen Saeedi	Analytical research on the thoughts of Orientals about revelation	141
Dr. Muhammad Ismael bin al Salaam Dr. Noor Hayat Khan	Examples of Al-Isteaarah (Assimilation) &Al-Kenaayah(Metonymy) in the Jihad Verses	153
Dr. Tahir Hakeem	Among the sources of Terrorism: Religious Prejudice and Sactarianism	161
Dr. Abdul Qadir Jondal	The Position of the Prophet, may prayers and peace be upon him as an imam/ a leader and its dimensions and connotations in the religious jurisprudence and in dealing with the Prophetic *Hadith)*	177
Muhammdad Iltaf Hussan Alazhari Dr. Muhammad Ibrahim saad Annadi	Banking Services in PakistaniTraditional Islamic Banks	191

English Articles

Shahid ur Rehman Marth Dr. Abdul Hameed Khan Abbasi	Impediments in translating the qur'an and guiding principles for translation	1
Muhammad Shehzad Azad Dr. Abdul Raoof Zafar	Contrast Opinions of Orientalists on the Spread of Islam;A Critical Analysis	21
Sana Kishwar Dr. Ayesha Rafiq	Women and Entrepreneurship: A Study in the Light of Islamic Teachings	39
Dr. Sher Ali Muhammad Arif Mateen	Changing Japanese Society and religions (an overview of feminism in Japan)	65